سبز اور سفید

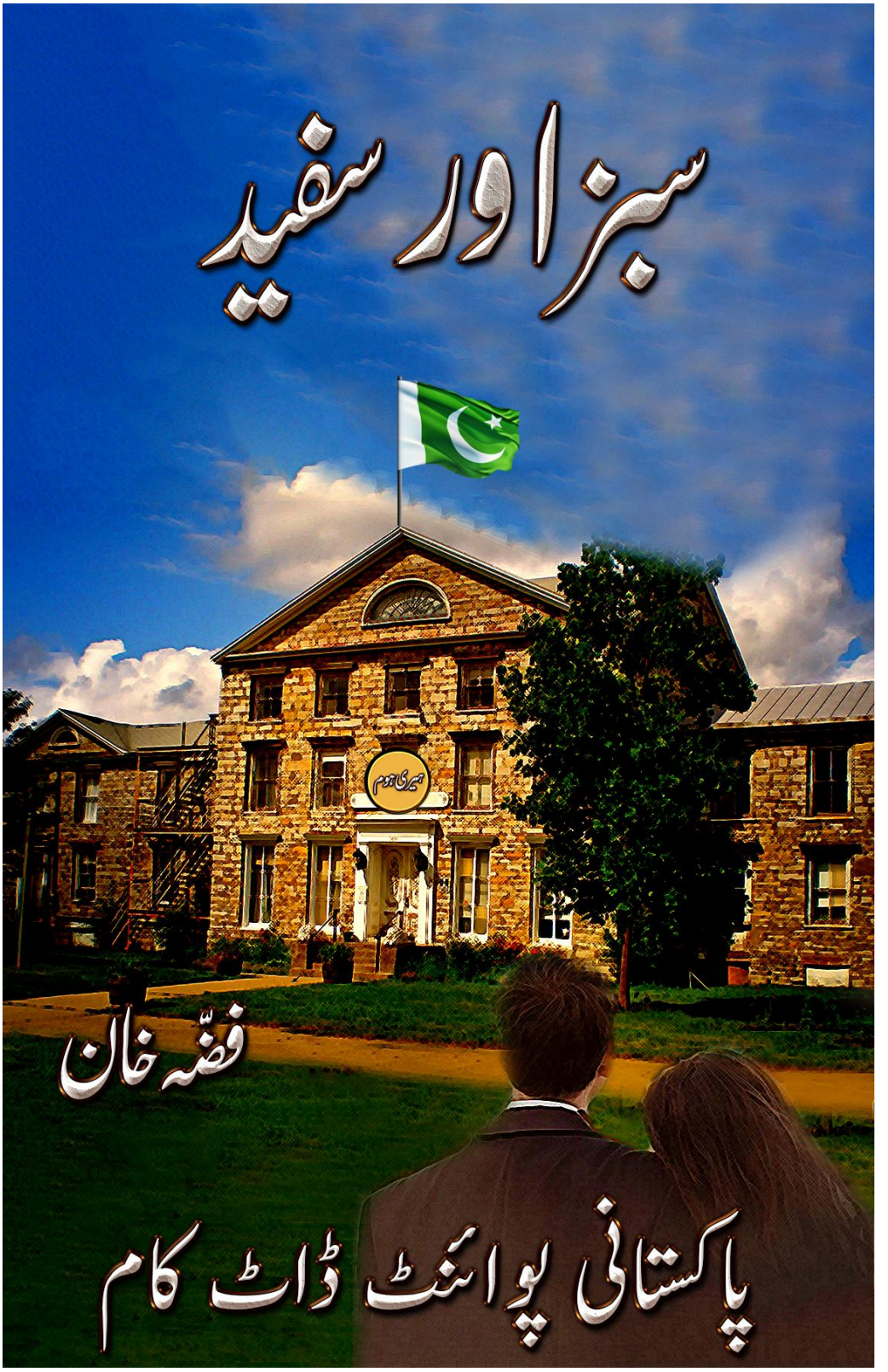

فضّہ خان

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

سبز اور سفید

فضّہ خان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

سبز اور سفید

کتابی شکل مشن: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تا کہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے،

سپر موڈز: صبا گل، تتلی، ٹیم لیڈر: ایم وائے صائم، مینجمنٹ: حسیب یا وقار سے رابطہ کریں، شکریہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس نے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور آسمان میں پھیلے رنگوں کو دیکھا۔دس ہزار فٹ کی بلندی سے کسی مخلوق نے ہوا میں چھلانگ لگائی اور اس کے قدموں کے نیچے سے دو مختلف رنگوں کا دھواں نکلنے لگا سبز اور سفید... پچھلے ڈیڑھ گھنٹے میں اس منظر نے پہلی بار اس کی نگاہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔وہ بہت انہماک سے اس ہوا باز کو ہوا کو قابو کرتے دیکھ رہا تھا اور سراہ بھی رہا تھا۔اس ہوا باز سے پہلے نو ہواباز چھلانگ لگا چکے تھے۔ان سب کے قدموں کے نیچے سے مختلف رنگوں کادھواں نکل رہا تھا مگر صرف آخری ہوا باز اس کی توجہ سمیٹنے میں کامیاب ہوا... سبز اور سفید... وہ اس دھوئیں کے رنگوں کوبہ غور دیکھنے میں مصروف تھا۔

۲۳مارچ کی سالانہ پریڈ میں ہر بار وہ اپنے بابا کے کہنے پر موجود ہوتا تھا مگر ہر سال صرف یہ ایک منظر اسے متاثر کرتا تھا۔ہوا باز اب آہستہ آہستہ زمین کی جانب بڑھ رہا تھا۔پیراشوٹ کے ساتھ اس کی کمر پر ایک رسی بندھی تھی جس کے ساتھ پاکستان کا پرچم لہرا رہا تھا۔زمین پر موجود سبز لباس پہنے دو لڑکے اس ہوا باز کی لینڈنگ کا تعین کرتے ہوئے اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔وہ سمجھ نہیں پایا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے تھے۔چند لمحوں بعد اس ہوا باز نے زمین پر قدم رکھے اور اس سے پہلے ہی ان دو لڑکوں نے اس ہوا باز کی کمر کے ساتھ بندھا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پرچم ہوا میں یوں بلند کر دیا کہ وہ زمین کو نہ چھو پائے۔اس آخری ہوا باز کے لینڈ کرتے ہی تالیوں کا ایک شور گونجا، سب نے اس ہواباز کو خوب داد دی اور پھر اُس نے اپنا ہیلمٹ اتار کر عوام کی تالیوں کا جواب ہاتھ ہلا کر دیا۔حاضرین میں سب سے پہلی قطار میں بیٹھ کر وہ بآسانی اس ہوا باز کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا، اس کے خدوخال بہت عام سے تھے۔ایک عام سا چہرہ مگر چھے فٹ تک جاتا لمبا قد، لیکن وہ خاص طور پر اس ہوا باز کے چہرے پر سجی ان آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جن میں ایک منفرد سی چمک تھی۔کیپٹن سرفراز محمود... مائیک پراس ہوا باز کا تعارف کرایا جا رہا تھا۔اس نے یہ نام پہلے بھی سن رکھا تھا۔

☆...☆...☆

کپڑے تبدیل کر لینے کے بعد اس نے بیڈ سائیڈ سے اپنی گھڑی اٹھائی اور پھر اپنے جانے کی تمام تیاریاں مکمل کر لیں۔نیروبی میں منعقد ہونے والی اپنے طرز کی اس انوکھی میٹنگ میں شرکت اس کا پرانا خواب تھا۔enterpreneurship کے آسمان پر چمکتے چند بہت روشن ستاروں کی موجودگی میں بہت سے نئے آنے والے entrepreneus اپنی قسمت آزمانے نیروبی کا رخ کر رہے تھے۔ گلوبل

انٹرپرینیورسمٹ (GES) بزنس کی دنیا سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کے لیے جنت تھی۔اس بار وہ بھی موقع حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔وہ جنت میں قدم رکھنے کے لیے بالکل تیار تھا۔اس نے آئینے میں اپنے عکس پر ایک نگاہ ڈالی اور بہت غور سے اپنی آنکھوں کو دیکھا، بہت ڈھونڈنے کے بعد بھی اسے ان میں کوئی چمک نظر نہیں آئی۔اسے کچھ مایوسی ہوئی اور وہ اپنے کمرے سے باہر آگیا۔

ارمش رضا ابراہیم کی زندگی کامیابیوں سے لبریز تھی۔بچپن سے اپنے شاندار اکیڈمک کیریئر کو سنبھالتے ہوئے اس نے بہت سے معرکے سر کیے تھے۔اس کے والد احمد رضا ابراہیم کے دونوں ہی بیٹوں نے اکیڈمکس کے حوالے سے انہیں کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔ارحم رضا ابراہیم ان کا بڑا بیٹا تھا جس نے اکیڈمکس سے فارغ ہونے کے بعد ایئرفورس میں شمولیت اختیار کر لی تھی مگر ارمش نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔وہ فوج میں نہیں جانا چاہتا تھا۔بچپن سے بزنس کے شوق نے اسے اے آر آئی مینو فیکچررز کی بنیاد رکھنے پر مجبور کیا۔اس کی محنت، ذہانت اور لگن نے کمپنی کو بہت کم وقت میں بہت آگے پہنچا دیا۔دو ملکی اور ایک غیر ملکی پارٹنر کی مدد سے قائم کیا جانے والا اس کا وہ بورڈ بلاشبہ اپنی مثال آپ تھا۔مگر وہ کمپنی اس کے اور اس کے بابا کے درمیان تلخیوں کا سبب بن گئی۔ اس کے بابا اسے اپنی اور

ارحم بھائی کی طرح فوج میں دیکھنا چاہتے تھے۔مگر ارمش کی ضد نے انہیں ہار ماننے پر مجبور کر دیا۔ وہ نیچے اترا تو ناشتے پر اس کے بابا اور امی منتظر تھے۔ارحم بھائی اس وقت کراچی میں موجود نہیں تھے۔اس نے امی اور بابا کو سلام کیا پھر ٹیبل پر آکر بیٹھ گیا۔

کس وقت تک پہنچ جاؤ گے بیٹا؟ امی نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے پوچھا جب کہ احمد رضا ناشتے میں مصروف تھے۔ امی صبح پانچ بجے تک۔ اس نے توس کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اچھا پہنچ کر فون ضرور کر دینا ارمش۔

جی امی۔

ناشتے اور گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد اس نے امی اور بابا کو خداحافظ کہا اور باہر آگیا۔بابا نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر آخر میں اسے خداحافظ کہہ دیا۔اسے دکھ ہوا کہ انہوں نے اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی۔کار چلاتے ہوئے وہ یہی سوچ رہا تھا۔اس وقت اسے نہیں معلوم تھا کہ GES میں شرکت کا اس کا خواب، خواب ہی رہنا ہے۔

☆...☆...☆

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا جو آٹھ بجا رہی تھی۔وہ ابھی نائٹ شفٹ کر کے فارغ ہوئی تھی۔جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے اسپاٹ ڈاکٹرز میں اس کا نام بھی شامل تھا۔ڈیوٹی آورز ختم ہونے کے بعد اب وہ گھر کا رخ کر رہی تھی۔ تھکن سے چور ہوتے ہوئے اس نے اپنے ڈرائیور کو ڈھونڈنا چاہا۔وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا تو وہ وہیں ایئرپورٹ کے گارڈن میں چوکھٹ پر ٹک گئی۔سامنے بینچ پر اس نے کسی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔سناٹے کے باعث اس وجود کی سسکیاں اس کے کانوں میں پڑنے میں کامیاب ہو رہی تھیں۔

کار سے اپنا بیگ نکالنے کے بعد وہ ایئرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج کی طرف بڑھ رہا تھا۔صبح کے وقت زیادہ لوگوں کی بھیڑ نہیں تھی۔اس نے قدم آگے بڑھائے ہی تھے جب کسی نے اس کا بیگ پکڑ کر اسے روک دیا۔

ٹھہریں میری مدد کر دیں... پلیز رک جایئے۔

وہ اس خوبصورت آواز پر چونک کر پلٹا، وہ اس کا بیگ بہت مضبوطی سے پکڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اور وہ... وہ اس کے چہرے پر موجود سب سے خوبصورت شے کو دیکھ رہا تھا... اس کی آنکھیں... یہ طے کرنا مشکل تھا کہ اس کی

آنکھیں زیادہ خوبصورت تھیں یا اس کی آواز۔وہ دونوں ہی چیزیں ارمش رضا ابراہیم کو کسی ٹرانس میں لے گئی تھیں۔چند لمحوں بعد وہ اپنے حواس پر قابو پانے میں کامیاب ہوا۔

کیا ہوا؟ اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

وہاں ایئرپورٹ کے گارڈن میں ایک بچہ ہے اسے چوٹ لگی ہے پیر میں خون بھی بہت بہ رہا ہے۔میں خود ڈاکٹر ہوں مگر میرے پاس سامان موجود نہیں ہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتی، آپ اسے کسی قریبی ہسپتال پہنچانے میں میری مدد کر سکتے ہیں پلیز؟ اس لڑکی نے ایک ہی سانس میں اپنا جملہ مکمل کر لیا تھا۔کچھ دیر لگی تھی اسے اس کی بات سمجھنے میں پر وہ سمجھ گیا تھا۔

میں نے سنا تھا آج کل ایئرپورٹ پہ کافی لٹیرے گھومتے ہیں پر محترمہ، مجھے دیر ہو رہی ہے آپ کسی اور کو جا کے بے وقوف بنائیں۔ کہہ کر وہ پلٹ لیا وہ کچھ دیر حیرانی سے اسے دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

دیکھئے مسٹر میرا نام ڈاکٹر ارمینہ محمود ہے اور میں کوئی چور نہیں ہوں صرف آپ سے مدد مانگنے آئی ہوں کیوں کہ میرا ڈرائیور نہیں پہنچ سکا۔مگر میں بھول گئی تھی کہ کچھ لوگ بے یقینی کے آسمان پر سب سے اوپر جا کے بیٹھ جاتے ہیں اور انہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نیچے موجود ہر شخص چور اور دغا باز ہی نظر آتا ہے۔ کہہ کر وہ پلٹ گئی اور ارمش اسے جاتا دیکھتا رہا۔وہ تقریباً بھاگ رہی تھی۔اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔بلوکلر کی جینز پر پنک کلر کی لمبی سی شرٹ اور ساتھ میں پنک ہی کلر کا دوپٹہ...

ارمینہ محمود... اس نے زیرِلب دہرایا۔

اس بلیک جینز اور آف وائٹ کلر کی ٹی شرٹ پہنے لڑکے کو وہ اچھا خاصا سنا کر پلٹ آئی تھی۔اس نے اب کسی اور کو ڈھونڈھنا شروع کیا جس سے مدد لی جا سکتی، اسے ایک ٹیکسی نظر بھی آگئی۔وہ ٹیکسی والے کو لیے گارڈن تک آئی۔بنچ پر اس لڑکے کے پاس ایک لڑکا گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا وہ حیرانی سے ان کے قریب آئی۔

آپ کے احسان کی ضرورت نہیں ہے ہم ٹیکسی میں چلے جائیں گے بہت شکریہ۔

اس کی آواز پر وہ پلٹا اور اس کے بالکل مقابل کھڑا ہو گیا۔

میری کار کم از کم ٹیکسی سے تو تیز ہی چلے گی۔میرے خیال سے آپس میں لڑائی کے بجائے اس بچے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ارمش نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور اس بچے کو اٹھا کر کار کی طرف بڑھ گیا۔اسے پچھلی سیٹ پر اس نے تقریباً اس انداز میں لٹا دیا کہ خون کی روانی کچھ کم ہو پھر وہ ایئرپورٹ کے نزدیک ہسپتال کی جانب بڑھ گئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ایئرپورٹ سے نزدیک ہی واقع ایک ہسپتال میں اس کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ ارمینہ خود بھی ڈیوٹی ڈاکٹر کی مدد کر رہی تھی۔ارمش کمرے کی دیوار سے ٹیک لگائے کونے میں کھڑا اس بچے کو دیکھ رہا تھا۔اس کی چوٹ بہت گہری تھی بھاگتے ہوئے وہ پارکنگ میں کھڑی ایک بائیک سے ٹکرا گیا تھا اور وہ بائیک اس کے پیر پر گر گئی تھی۔اس نے بہت کوشش کے بعد بائیک کے نیچے سے اپنا پیر نکالا اور گارڈن میں آکر بیٹھ گیا۔اس کی جگہ کوئی اور بچہ ہوتا تو شاید درد سے کراہ رہا ہوتا مگر ارمش کو حیرانی ہوئی کہ وہ بچہ اب تک رویا نہیں تھا۔بینڈیج کرتے وقت بھی اس کے منہ سے ایک آہ تک نہیں نکلی تھی۔اس آٹھ یا نو سال کے بچے کا صبر قابلِ دید تھا۔ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ اس بچے کے پاس آیا۔

نام کیا ہے تمھارا دوست؟ اس بچے نے گردن اٹھا کر اسے بہت غور سے دیکھا۔

ہیری اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

ہیری! اچھا نام ہے کس نے رکھا؟ امی یا ابو؟

کسی نے بھی نہیں وہ اسٹاپ پر ہر اتوار ایک بڑی سی کالی گاڑی میں ایک صاحب آتے ہیں وہ مجھے یہی بولتے ہیں تو میں بھی ان کو یہی نام بتا دیتا ہوں... ہیری ارمش کو کچھ حیرانی ہوئی مگر وہ پھر بھی مسکرا دیا۔

اس کی بینڈیج مکمل ہو گئی تھی۔ارمینہ نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ نرمی سے اس کے گال کو چھوا۔

آئندہ احتیاط کرنا ہیری

جی ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب آیا۔

میرے خیال سے آپ کو بھی جانا چاہیے ورنہ آپ کی فلائٹ مس ہو جائے گی۔

اس نے ارمش کی طرف دیکھے بغیر اپنا سامان سمیٹتے ہوئے اس سے کہا۔

ارمش نے جواب نہیں دیا۔وہ بہت غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت کو دیکھ رہا تھا۔وہ بہت تیزی سے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی اور انہیں بیگ میں ڈال رہی تھی۔اس کی نظریں محسوس کرتے ہوئے ارمینہ نے پلٹ کر ارمش کو دیکھا جو اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا اب بھی دیوار سے ٹکا تھا ہاتھوں کو سینے پر باندھے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ مجھے جانا چاہیے۔تم سے مل کر خوشی ہوئی ہیری۔ اس نے نظریں ارمینہ سے ہٹا کر ہیری پر جما دی تھیں اور ہیری کی جانب ہاتھ بڑھایاتو ہیری نے جھٹ سے ہاتھ ملایا۔پھر وہ ارمینہ کی جانب پلٹا۔

مجھے یقین نہیں آتا ڈاکٹر ہوتے ہوئے بھی آپ کی گھڑی پورے سات منٹ پیچھے ہے۔سات منٹ میں کسی کی جان بچ بھی سکتی ہے اور جا بھی سکتی ہے۔خدا حافظ ۔

یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ارمینہ حیران کھڑی اپنی گھڑی کو دیکھ رہی تھی جو واقعی پورے سات منٹ پیچھے تھی۔وہ اب سمجھی اس کے ہاتھوں کو کیوں دیکھ رہا تھا۔

ارمینہ نے باہر آکر کاؤنٹر پر ہیری کا بل مانگا۔

مگر بل پے ہو چکا ہے میم۔

یقینا اسی لڑکے نے... ٹھیک ہے شکریہ کم از کم ایک گھنٹہ ارمش رضا ابراہیم کو سمجھنے کیلئے کافی نہیں تھا۔

وہ کار ڈرائیو کر کے ایک بار پھر ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا جب اسے یاد آیا کہ وہ اپنا موبائل ہسپتال کے ریسیپشن پر ہی بھول آیا ہے۔ آج ہر کام الٹا ہو رہا ہے اس نے خود سے کہا اور ہسپتال کی طرف واپس مڑ گیا۔

وہ اپنا موبائل ریسیپشن سے لے کر پلٹ رہا تھا جب اس نے ایک شور سنا۔ It s an emergency... ڈاکٹر کو بلائیں فوراً ارمینہ نرس سے کہہ رہی تھی۔

کچھ لوگ ارمینہ سمیت اسٹریچر کو گھسیٹتے ہوئے ایمرجنسی کی طرف جا رہے تھے۔ کمرے سے آتی ڈاکٹر بھی اب ان میں شامل ہو گئی تھی۔پھر اس کی نظر اسٹریچر پر

لیٹے ہیری پر پڑی وہ گہری گہری سانس بہت مشکل سے لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ پھیلی ہوئی تھیں۔ریسیپشن سے گزرتے ہوئے اسٹریچر پر لیٹے ہوئے اس کی نظر ارمش پر پڑی جو سکتے کے عالم میں اسے تک رہا تھا جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہا ہو۔ہیری کے لبوں پر ارمش کو دیکھ کر ایک مسکراہٹ آئی... دھیمی اور شرمیلی سی مسکراہٹ... پھر اس کی سانسیں دھیمی پڑتی گئیں اور راہداری کے دوسرے سرے تک جاتے جاتے اسٹریچر پر لیٹے ہیری نے سانس لینے کی کوشش بھی ترک کر دی۔

میرا نام ہیری ہے۔ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور مسکراہٹ اس کی آنکھوں سے۔اسے خود پر کپکپی طاری ہوتی محسوس ہوئی وہ وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔اس نے جو دیکھا اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔اسے اچانک گھٹن کا احساس ہونے لگا۔وہ باہر لگی بینچوں میں سے ایک پر آبیٹھا اور ایک گہری سانس لی۔اب اسے صرف ارمینہ کا انتظار تھا کہ وہ آتی اور کہتی کہ ہیری بچ گیا ہے اور اس نے سانس لینا شروع کر دی ہے۔دس منٹ... پندرہ منٹ... آدھا گھنٹہ... وہ بیٹھا رہا منتظر سا پرامید سا... پھر اسے ارمینہ آتی دکھائی دی۔اس کا سانس کچھ اٹکنے لگا۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیوں... ہیری اس کا کچھ نہیں لگتا تھا... سڑک پر پھرنے والا ایک بچہ ہی تھا تو ارمش

اس کے لیے ایسا کیوں محسوس کر رہا تھا؟ سوچ کا رخ ایک بار پھر نتیجے کی طرف مرکوز ہوا... ارمینہ اس کے برابر بینچ پر بیٹھ گئی۔

تم واپس کیوں آئے؟ تم تو چلے گئے تھے؟ بے تکا سوال تھا۔یہ وقت اس سوال کا نہیں تھا۔

ہیری کیسا ہے؟ اس نے ڈرت ڈرتے ایک پتے کی بات پوچھی، حالاں کہ وہ ہیری کے وجود کو ساکت ہوتا دیکھ چکا تھا مگر امید...

ہیری اب ایک بہت بہتر جگہ پر ہے۔ اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا... وہ خاموش ہی رہا تھا۔اسے الجھن گھٹن کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔اسے سرے سے کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔اسے وہ بھوری آنکھیں یاد آئیں جن میں اس نے لمحے بھر کو بھی تکلیف نہیں دیکھی تھی، بس انہیں چھوٹا ہوتے دیکھا تھا جب ہیری مسکراتا تھا۔ اس بچے کی آنکھوں میں چمک تھی، گہری چمک... زندگی کے پاس اسے دینے کو بہت سے غم تھے۔پہلا غم اسے مل چکا تھا۔

لیکن اسے ہوا کیا تھا اچانک؟ حواس بحال ہوتے ہی اس نے ارمینہ سے پہلا سوال کیا۔ دراصل اسے دل کی ایک بیماری تھی جو پیدائشی طور پر اس میں موجود تھی مگر اسے معلوم نہیں تھا۔ایک اسٹریٹ چائلڈ کو معلوم ہوتا بھی کیسے۔اس کا خون بہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جانے کی وجہ سے اس کا دل فیلیئر کی جانب چلا گیا۔کوشش کے باوجود بھی اسے بچایا نہیں جا سکا۔

اگر وہ ایک عام زندگی گزارتا، وہ ایک اگر اسٹریٹ چائلڈ نہ ہوتا تو شاید بچ جاتا یا اگر کوئی اس کا خیال رکھتا، اس کے بارے میں فکرمند ہوتا تو شاید...

اس کی زندگی اتنی ہی تھی۔کیا معلوم وہ تب بھی نہ بچ پاتا۔یہ اللہ کی مرضی تھی جو ہوتا ہے اس کے فیصلے سے ہوتا ہے۔

ایک آٹھ سال کے بچے کی موت سے کیا بھلا ہو سکتا ہے؟ کیا صحیح ہے اس میں؟ جو بھی ہو ہمیں اس کے فیصلے کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ہم موت سے لڑ نہیں سکتے۔

کوشش تو کر سکتے ہیں۔ وہ بینچ سے اٹھ گیا اور گاڑی میں آبیٹھا۔ہیری کا چہرہ اس کی آنکھوں کے آگے سے نہیں جا رہا تھا۔ارمش کبھی بھی اس قدر حساس نہیں رہا تھا مگر ہیری کی شخصیت میں کچھ تھا جسے وہ نام نہیں دے پایا اور جس کی وجہ سے وہ اس قدر متاثر ہو رہا تھا۔اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اس بار وہ ایئرپورٹ نہیں جا رہا تھا۔گھر پہنچتے پہنچتے اس نے ایک فیصلہ کر لیا کہ وہ روز پاکستان کے ہزاروں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بچوں کی طرح ہیری کی موت کو یوں بے وقعت نہیں ہونے دے گا... وہ اتنی آسانی سے ہیری کو مرنے نہیں دے گا۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں... لاالٰہ الااللہ

اس نے اپنی کمر پر بندھا پیراشوٹ ایک بار پھر چیک کیا اور سبز اور سفید پرچم اپنی رسی کے ساتھ باندھا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان... لا الٰہ الا اللہ

☆...☆...☆

وہ کودنے کیلئے ہیلی کاپٹر کے دروازے تک آیا یہ ان کے ہنر کی آخری حد تھی۔ اسپیشل سروس گروپ (SSG) جسے بیسٹ آف دی بیسٹ ہونے کا اعزاز حاصل تھا پاکستان کے بہادر فوجیوں کا گڑھ تھی۔یہ اسکائی ڈائیورز SSG کا ہی سب یونٹ تھے۔دنیا کی مشکل ترین ٹریننگ کے لاوا میں جل کر یہ کندن بنے تھے اور اب اپنے ہنر کو آزمانے کے لیے بالکل تیار تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پچیس ہزار فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا پیراشوٹ کو کنٹرول کرتے ہوئے اپنی پوزیشن پر آنا ان کا خاصہ تھا۔وہ بہادری کے بہت اونچے آسمانوں کو چھو کر زمین پر آتے تھے۔اور یہ جیسے ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک آخری بار پلٹ کر دیکھا۔اس کے ساتھیوں نے فی امان اللہ کہہ کر اس کا حوصلہ بلند کیا۔وہ مسکرایا اور پھر زمین کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے چھلانگ لگا دی۔یہ سرفراز محمود کی زندگی کا سب سے کمفرٹ زون (Comfort Zone) تھا... ہوا ... اس کے ہمیشہ سے ہوا کو قابو کرنے کے خواب دیکھے تھے مگر وہ ایئرفورس میں نہیں گیا کیوں کہ وہ ہوا کو قابو کرنا چاہتا تھا اور سرفراز محمود کو ہواؤں پر حکومت کرنے کا ہنر آگیا تھا۔اس نے ہوا میں اپنا پیراشوٹ کھولا اور پھر ہوا کے تھپیڑوں نے اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے... ہمیشہ کی طرح... بے شک وہ ایس ایس جی کے پیراٹروپرز میں سے بیسٹ تھا اور بہت عرصے تک اسے بیسٹ ہی رہنا تھا۔سب سے زیادہ بلندی پر یہ ان کی پہلی مشق تھی۔اس سے پہلے وہ پانچ ہزار، دس ہزار اور پندرہ ہزار فٹ کی بلندیوں سے اسی مہارت کے ساتھ اتر چکے تھے۔چھلانگ لگانے کی ابتدا البتہ ہر بار سرفراز محمود نے ہی کی تھی۔لینڈ کرتے ہی اس نے اپنے باقی ساتھیوں کو بھی کامیاب لینڈنگ کرتے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دیکھا، چھٹیوں سے پہلے یہ ان کی آخری ٹریننگ تھی۔وہ خوش تھا کیوں کہ وہ گھر جا رہا تھا۔پشاور سے شکرپاراں کا سفر اس کے لیے ہمیشہ خوش گوار رہا تھا اور اس بار یہ اور بھی پرمُسرت ہونے والا تھا۔وجہ تھی انابیہ... جس سے اس کی شادی ان ہی دنوں میں طے تھی۔زندگی میں موجود مسکراہٹوں کی وجوہات میں سے ایک وجہ انابیہ بھی تھی۔ گھر پہنچنے پر اس کا استقبال ہمیشہ کی طرح بہت پُرجوش تھا۔

امی جی! آپ ہر بار میرا استقبال مٹھائیوں سے کیوں کرتی ہیں؟ جب بھی آتا ہوں آپ مجھے عید کا چاند بنا دیتی ہیں۔ اس نے امی جان کا چہرہ دیکھتے ہی انہیں سلام کیا، ان کا ماتھا چوما اور اپنا ہر بار والا شکوہ دہرایا۔

چاند ہی تو ہو تم میرے لیے۔جو کبھی کبھی نظر آئے وہ چاند ہی ہوتا ہے۔ انہوں نے جواباً اس کا ماتھا بھی چوم لیا۔

اس کے بابا کی شکرپاراں میں ہی ایک لائبریری تھی اور ساتھ ہی وہ ایک کالج میں لیکچرار تھے۔ان کا انتقال دو سال پہلے ہارٹ اٹیک سے ہوا تھا۔اس کے بھائی بہن نہیں تھے اور اس کی امی اس کی خالہ کے ساتھ رہتی تھیں مگر یہ گھر ان کا تھا جو سرفراز کے آنے، پررونق ہو جاتا تھا۔اس کی امی اس کی واحد فیملی تھیں اور اب اس کی فیملی میں اضافہ ہونے جا رہا تھا۔اس نے اپنے رشتے داروں کے ہجوم کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بیج سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس انابیہ کو دیکھ لیا تھا۔گندمی رنگت، کمر تک لہراتے بال اور مڑی ہوئی لمبی پلکیں اور چہرے پر میک اپ کے نام پر کچھنہیں تھا سوائے آنکھوں میں موجود کاجل کے۔مسکراہٹ کے تبادلے کے بعد اس نے جھک کر انابیہ کو سلام کیا تو جواب میں اس نے گردن کو ذرا خم دے کر سلام کا جواب دیا۔ اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ سکون کہاں ہے تو وہ کہتا یا تو ہواؤں میں اڑنے میں یا شکرپاراں کے اس ٹکڑے میں جہاں اس کی تمام کائنات تھی۔ مگر ایک ٹکڑا تھا جو اب بھی کم تھا اور جس کے بغیر اس کی کائنات ادھوری تھی اور وہ آج اس سے ملنے شکرپاراں آرہا تھا۔سرفراز محمود کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

☆...☆...☆

احمد رضاابراہیم نے اس سے ناشتے کی میز پر کچھ نہیں کہا مگر وہ پھر بھی اس کی کامیابی کے لیے دعاگو تھے۔اس کو رخصت کر کے وہ اسٹڈی میں آگئے۔سب سے پیچھے موجود ایک ریک سے انہوں نے کوئی کتاب نکالی۔کتاب کے اوراق کے درمیان ایک تصویر تھی جو کافی پرانی لگتی تھی، وہ کچھ دیر تک اس تصویر کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے تصویر واپس رکھ کر کتاب بند کر دی۔یادوں پر جمی برف پگھلنے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لگی تھی۔زندگی نے ان کے لیے بہت سے لمحات یادگار بنائے تھے مگر کچھ خاص لمحات ان کی زندگی کا اثاثہ تھے۔

ہیری کو گئے ہوئے چھے ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ان چھے ماہ میں اس نے ہر اعتبار سے سوچا تھا۔زندگی ملنے کی خوشی سے بڑا زندگی کے ختم ہونے کا دکھ ہوتا ہے۔وہ یہ بات سمجھ گیا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ کہیں بے خبری میں ہیری کی طرح کوئی اور بچہ بھی پل رہا ہو۔اس نے اس دن گھر آنے کے بعد سے ہی کوششیں شروع کر دی تھیں۔امی بابا اسے دیکھ کر ناصرف حیران ہوئے تھے بلکہ پریشان بھی ہوئے تھے۔اس نے انہیں پورا قصہ سنایا اور اپنے کمرے میں آتے ہی اپنی کانٹیکٹ لسٹ چھاننی شروع کر دی۔کوئی ایسا اشارہ جو اسے سمجھا سکتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس کے ذہن میں بہت سے خیالات تھے مگر ان پر عمل کرنا آسان نہیں تھا۔اسے اس رات نیند نہیں آئی تھی۔کانفرنس کے بارے میں تو خیر اسے خیال بھی نہیں آیا تھا۔اسے اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ اس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا موقع گنوا دیا تھا۔اسے کوئی غم بھی نہیں تھا کیوں کہ جو وہ کرنے جا رہا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ اہم تھا۔چھے ماہ تک بہت سے لوگوں کے پیچھے خوار ہونے کے بعد بالآخر اسے کامیابی مل گئی تھی اور اس نے ہیری ہوم نامی ایک این جی او قائم کرنا کر

دی۔اس کی اپنی کمپنی کے بورڈ ممبرز، دوست احباب اور فوج سے تعلق رکھنے والوں نے اس کی مدد کی تھی۔ان چھے ماہ میں اس نے بہت سے رجیکشنز کا سامنا کیا تھا۔ بہت سی الجھنوں کا سامنا کیا تھا مگر وہ سب اسے ناکام نہیں کر سکی تھیں۔وہ جب ٹھکرایا جاتا اسے ہیری کا چہرہ یاد آتا، مسکراتا چہرہ۔اور وہ پھر سے اسی لگن کے ساتھ جُت جاتا اور انجام یہ ہوا کہ وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ہیری ہوم بہت سی زندگیوں کو سنوارنے والا تھا۔ہیری ہوم ارمش کی زندگی بھی سنوار رہا تھا۔

☆...☆...☆

وہ ہمیشہ کی طرح ایئرپورٹ سے باہر نکل کر گھڑی دیکھ رہی تھی جب اس کی نظر بینچ پر بیٹھے ارمش پر پڑی۔وہ چھے ماہ کے عرصے میں بھی اس کا چہرہ نہیں بھولی تھی۔حیرت کی بات تھی۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ Departureتو اوپر ہے۔ اس نے اوپر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا جو نیلی جینز اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ٹی شرٹ کی آستینیں پوری تھیں اور قصداً انہیں اس نے کہنیوں تک چڑھایا ہوا تھا۔ہاں جانتا ہوں Departure اوپر ہے مگر میں اس وقت جانے کے لیے نہیں آیا ورنہ سیدھا

وہیں جاتا۔یہاں وہاں گھومنے کی عادت نہیں ہے مجھے۔ سپاٹ چہرہ سپاٹ لہجہ... وہ طنز تھا یا تبصرہ لہجے سے جاننا مشکل تھا۔سوو ہ خاموش رہی البتہ اسے کچھ غصہ ضرور آیا۔

کیا آج تمہارا ڈرائیور آیا ہے؟ وہ اس کے سوال پر کچھ حیران ہوئی۔

ہاں وہ رہی میری گاڑی۔ اس نے دور کھڑی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ارمش کے چہرے پر واضح کوفت ابھری۔

کیا آج میں تمھیں ڈراپ کر سکتا ہوں؟ مجھے تم سے کچھ ضروری کام ہے۔ اس کے سنجیدہ سے سوال نے اسے حیران کر دیا۔

کیا کام ہے؟

گفتگو لمبی ہے ہم دونوں کا وقت ضائع ہو گا بہتر ہے بیٹھ جاؤ۔ظاہر ہے میں صبح آٹھ بجے آیا ہوں اور بہت مشکل سے وقت نکال کر آیا ہوں جسے ضائع نہیں کرنا چاہوں گا۔ کہتا ہوا وہ اپنی گاڑی کی طرف چل پڑا۔وہ کچھ دیر سُن سی کھڑی رہی پھر کچھ کوفت کے ساتھ اس کی طرف بڑھی۔ساتھ ہی اس نے جاوید بھائی (ڈرائیور) کو منع کر دیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کہو کیا کام ہے؟ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا جب کہ اس نے ابھی دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا۔

اب اتنی کیا جلدی ہے بتا رہا ہوں؟

تم ہی نے کہا کہ وقت ضائع ہو گا تو اب تم وقت ضائع کر رہے ہو۔

دراصل میں نے ایک این جی او قائم کی ہے ہیری ہوم کے نام سے۔ وہ اچانک بہت سنجیدہ ہو گیا اور ارمینہ سکتے میں آگئی۔

کیا قائم کی ہے؟

جو سُنا اس کی تصدیق چاہتی ہو؟ اس وقت زیر تعمیر ہے مگر مکمل ہو جائے گی چند ماہ میں۔ ارمینہ اب تک حیران تھی۔ہیری کو بھولی وہ بھی نہیں تھی مگر اس شخص نے تو اسے روگ بنا لیا تھا۔

اور وہ کیا کرے گی؟ وہ سکتے سے نکلی۔

عقل سے تھوڑے پیدل ڈاکٹرز کا علاج۔تم بھی آنا۔ اس نے سنجیدگی چہرے پر سجائے کہا۔

باتیں مت بگھارو جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔ وہ واقعی غصے میں آگئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اسٹریٹ چلڈرن کے لیے ہو گی یعنی سڑکوں پر جو بچے بے آسرا پھرتے ہیں ان کی کاؤنسلنگ، رہائش، دیکھ بھال اور تعلیم تاکہ سڑکوں پر پھرنے والا کوئی اور ہیری بے خبری میں اپنی جان نہ گنوائے۔

اور مجھے کیوں بتا رہے ہو؟ اس نے گردن موڑ کر ایک نظر ارمینہ کو دیکھا پھر دوبارہ سامنے دیکھنے لگا۔

تم وہ واحد نہیں ہو، میں نے جس سے رابطہ کیا ہے میں اور بھی ڈاکٹرز سے رابطے میں ہوں اور دوسرے بھی بہت سے پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے بھی، ان سب کو اس آرگنائزیشن میں شامل کر رہا ہوں، مجھے ضرورت ہے۔ان کا رہنے کا انتظام میری ذمے داری ہے مگر ان کی صحت اور تعلیم کے لیے مجھے مدد چاہیے۔

ایک وقفے کے بعد وہ پھر سے کہنے لگا۔

ان کی بنیادی تعلیم میری ذمے داری ہے اور پھر وہ جہاں جانا چاہیں میں انہیں سپورٹ کروں گا جب تک وہ اس قابل نہیں ہو جاتے کہ خود کو سپورٹ کر سکیں۔

مگر اس ملک میں اور بھی بہت سی این جی اوز ہیں وہ بھی تو یہی کر رہی ہیں تو پھر کیا فرق رہ جاتا ہے؟ یہ بس ایک اور این جی او ہی ہے۔

ہاں مگر... مجھے تھوڑا سکون مل جائے گا۔میں نتیجے کے بارے میں سوچے بغیر ایک کوشش کر رہا ہوں۔میں نے اپنے آگے ایک بچے کو مرتے دیکھا ہے جس دن میں کسی بچے کو زندگی حاصل کرتے دیکھ لوں گا مجھے لگے گا میرا قرض اتر گیا۔ وہ دم بہ خود سی اسے دیکھتی رہ گئی۔وہ اسے کئی بار حیرانی کے سمندروں میں غرق کرنے والا تھا۔

اب اگر گھورنے سے فرصت مل جائے تو ذرا سوچ لو کہ تمھیں کیا کرنا ہے۔میں چاہتا ہوں بچوں کی صحت کے حوالے سے تم میرا ساتھ دو۔ اس کی مسلسل خود پر جمی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے ارمش نے کہا تو وہ ونڈ اسکرین کے باہر دیکھنے لگی۔

میں تمھیں بتا دوں گی کچھ سوچتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

اوکے! مگر فی الحال مجھے اپنے گھر کا راستہ بتا دو میں پتا نہیں کتنی دیر سے گھومے جا رہا ہوں۔ ارمینہ کو ہوش آیا تو اسے احساس ہوا کہ وہ ایک ہی منظر کو دوبار دیکھ چکی تھی۔وہ گاڑی اتنی دیر سے بے مقصد گھما رہا تھا اور اسے اس کی باتوں میں ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

تو تم پہلے پوچھتے ناں! اتنا ٹائم ضائع کر دیا۔ ایڈریس بتانے کے بعد اس نے اسے جتایا۔

اگر پہلے پوچھتا تو تمھاری توجہ ہٹ جاتی۔

Illogical اس نے تبصرہ کیا۔وہ خاموش رہا تھا۔

ویسے تمہیں یہ خیال آیا کیسے؟ اس نے کچھ وقفے سے پوچھا تو وہ بہت دھیما سا مسکرایا اور اس نے پہلی بار دیکھا کہ اس کے گال پر ایک ننھا سا ڈمپل پڑا تھا۔اس کی مسکراہٹ بلاشبہ خوبصورت بھی تھی اور معصوم بھی۔وہ مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے گویا ہوا۔

تمہیں معلوم ہے دنیا میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ نے سکون رکھا ہے جیسے نماز اور قرآن... اور پھر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ نے خوشی رکھی ہے جیسے چیریٹی، انسانی ہمدردی، دوسروں کی مدد۔پہلے انسان سکون ڈھونڈتا ہے اسے لگتا ہے اسے سکون کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے اور پھر جب اسے سکون مل جاتا ہے تو وہ خوشی ڈھونڈنے لگتا ہے۔میں نے بھی امید دیکھی ہے، سکون کی پھر خوشی کی اور مجھے یقین ہے یہ امید مجھے واقعی سکون اور خوشی تک لے جائے گی۔ اس نے سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات مکمل کی۔

اور کہاں دیکھی تم نے یہ امید؟ اسے تجسس تھا تو وہ پوچھ بیٹھی۔

تمہاری آنکھوں میں۔ ارمینہ نے ایک جھٹکے سے اس کی طرف دیکھا۔ تمہاری آنکھوں میں یہ جو نیلا رنگ ہے اصلی ہے یا لینس لگے ہیں؟ کمالِ مہارت سے اس نے بات بدل دی۔

نہیں! یہی رنگ ہے میری آنکھوں کا۔

ہاں جبھی تم مجھے یونان یا ترکی سے آئی ہوئی لگی تھیں۔

گریس اور ترکی کے لوگ بہت حسین ہوتے ہیں۔ اس نے کچھ اترا کر کہا۔

ہاں بس یہیں سے ثابت ہوا کہ تم پاکستانی ہو۔

یہاں سے رائٹ ہاؤس نمبر 22 ہے۔ اس نے تلملا کر کہا۔

تو یہ ہے تمہارا گھر؟ مجھے یقین ہے اندر نہیں بلاؤ گی اس لیے خداحافظ وہ اس کے گھر کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

مجھے یقین ہے میرے بلانے پر بھی تم اندر نہیں آؤ گے۔ تمھارے پاس وقت کم ہے۔خداحافظ۔

وہ گاڑی سے اتر گئی اور ڈور بیل بجا دی جب تک دروازہ نہیں کھلا وہ وہیں کھڑا رہا۔ارمینہ کی پشت اس کی جانب تھی۔اور وہ گاڑی میں بیٹھا صرف اسے دیکھ رہا

تھا۔بلا جواز، بے ساختہ مبہوت ہوا، ایسا نہیں تھا کہ اس نے حسن نہیں دیکھا تھا وہ جس سوسائٹی میں موو کرتا تھا وہاں حسن عام تھا مگر ارمینہ میں کچھ خاص تھا۔اس کی آواز غیر معمولی طور پر میٹھی تھی، شخصیت میں عجیب سی مقناطیسیت تھی، وقار تھا۔اس کی آنکھوں سے ذہانت چھلکتی تھی، ان میں انسانیت تھی۔اس کا دل صاف تھا اس میں ریاکاری اور بغض نہیں تھا۔بہت عام اور سادہ سے مزاج کی لڑکی تھی۔ بہت شوخ نہ ہی بہت خاموش۔وہ بولتی تھی پر بلا جواز نہیں اس کی باتوں میں ٹھہراؤ تھا اور آنکھوں میں چمک۔یہ ارمینہ کی وہ خوبیاں تھیں جن کا اس نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اعتراف کر لیا تھا۔دروازہ کھل گیا تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

السلام علیکم پاپا! اس نے اندر آتے ہی بلند آواز میں سلام کیا۔

وعلیکم السلام بچے! یہ کہتے ہوئے سامنے والے دروازے سے ایک قدرے عمر داز مگر بہت پُروقار سی شخصیت کا مالک وہیل چیئر پر بیٹھا باہر آیا۔

کیسے ہیں پاپا؟ انہیں دیکھتے ہی وہ بولی۔

میں تو بالکل ٹھیک ہوں یہ بتاؤ تم کس کے ساتھ آئی ہو ارمینہ؟ جاوید بتا رہا تھا کہ تم نے اسے گھر جانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ فکرمندی سے بولے۔

جی پاپا وہ گھٹنوں کے بل ان کے پاس فرش پر ٹِک گئی۔

آپ کو یاد ہے ایک بچے کی اچانک موت کے بارے میں بتایا تھا میں نے آپ کو، لگ بھگ چھے مہینے پہلے کی بات ہے اسٹریٹ چائلڈ تھا جسے دل کی بیماری تھی۔ وہ تفصیل بتا کر انہیں یاددلانے لگی۔

ہاں یاد ہے۔ وہ بہت سنجیدہ ہو گئے تھے۔

تو جس لڑکے نے ہمیں ہسپتال پہنچایا تھا ناں وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ ایک وقفے کے بعد وہ دوبارہ بولی:

دراصل وہ اسٹریٹ چلڈرن کیلئے ایک این جی او بنا رہا ہے۔اتنے عرصے سے اسی میں لگا ہوا تھا، اب تقریباً وہ مکمل ہونے والی ہے۔بچوں کو تعلیم، صحت اور رہائش سب دیں گے۔وہ جب تک بچے خود اس قابل نہ ہو جائیں کہ اپنے آپ کو سنبھال لیں۔تاکہ آئندہ کوئی ہیری کی طرح نہ مرے۔

چلو یہ تو اچھی بات ہے۔وہ یک دم مطمئن ہو گئے

جی ! وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا اگر میں بھی ہیری ہوم سے منسلک ہو جاؤں... یعنی ایک ڈاکٹر کے طور پر! اور شاید ایک والنٹیئر کے طور پر بھی۔

ہوں! اور تم نے کیا جواب دیا؟

فی الحال کچھ نہیں! کہا ہے کہ سوچ کر بتاؤں گی آپ بتائیں کیا کروں؟ وہ ہمیشہ کی طرح ان سے اجازت لے رہی تھی۔ بیٹا ہوش سنبھالنے سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک ہم جو کرتے ہیں اپنے لیے ہی کرتے ہیں تو اگر دوسروں کیلئے کچھ کرنے کا موقع ملے تو میرے خیال سے تو منع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ مسکرائی۔وہ جانتی تھی پاپا کا جواب یہی ہو گا۔

اچھا ناشتہ تو آپ نے کر لیا ناں؟

ہاں! جب جاوید نے مجھے تمہارا بتایا، تو میں نے آٹھ بجے ہی ناشتہ کر لیا تھا۔مجھے لگا تمہیں دیر ہو جائے گی اگر پتا ہوتا جلدی آجاؤ گی تو انتظار کر لیتا۔

ٹھیک! پاپا میں تھک گئی ہوں سونے جا رہی ہوں۔

بالکل نہیں پہلے کچھ کھاؤ پھر سونا۔

نہیں پاپا موڈ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اکیلے کھانے کی وجہ سے موڈ نہیں ناں چلو کوئی بات نہیں میں دوبارہ ناشتہ کر لوں گا تمہارے ساتھ مگر پہلے تم کچھ کھاؤ گی پھر کوئی اور کام۔ انہوں نے حتمی انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔وہ جانتی تھی اس کے پاپا اس کو خود اس سے بہتر طور پر سمجھتے تھے۔اس نے مزید کچھ نہیں کہااور وہ چپ چاپ ناشتے کی تیاری کرنے لگی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

ہیری ہوم تقریباً تیار تھا، بس اس کی عمارت پر رنگ و روغن کا کام جاری تھا۔ ارمش خود اپنی نگرانی میں سارا کام کروا رہا تھا۔ تاکہ کوئی چیز رہ نہ جائے۔ کبھی کبھی وہ خود سوچ میں لگ جاتا کہ وہ کیوں اس کام میں اپنے پورے دل کے ساتھ شامل تھا جب کہ اس نے اپنی کمپنی سے متعلق بھی کسی کام میں اتنی محنت نہیں کی تھی۔ جواب وہ خود ڈھونڈ نہیں پاتا تھا۔وہ پینٹرز کو بلڈنگ کے کلر کے بارے میں بتا رہا تھا جب اُسے دروازے سے کوئی اندر آتا دکھائی دیا، وہ ارمینہ تھی۔

تمہیں ایڈریس کیسے ملا یہاں کا؟ اس کے قریب آتے ہی اس نے حیرت سے پوچھا۔

ذرا ٹھہرو، سلام دعا کرتے ہیں پہلے تمہیں شاید عادت نہیں اس کی۔ اس نے کچھ خفگی سے کہا۔

اچھا چلو وعلیکم السلام! اب بتاؤ۔ ارمینہ نے برا سا منہ بنایا۔

ہیری ہوم کا ایڈریس ڈھونڈنا کیا مشکل ہے؟ وہ بھی اس انٹرنیٹ کے دور میں اور تم نے ہیری ہوم کو ابھی سے کافی مشہور کر رکھا ہے۔

اور یہاں آنے کی وجہ؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں نے سوچا تم اکیلے یہ سب ہینڈل نہیں کر پاؤ گے تو میں تمھاری مدد کر دوں اور یہ جو تم اس سامنے والی دیوار پر آلمنڈ براؤن کلر کروا رہے ہو ناں، یہ اولڈ ہوم میں ہوتا ہے یہاں بچے رہیں گے تو ان کے حساب سے کلر کرواؤ یعنی اِس پر تم نیلا رنگ کروا سکتے ہو۔ ارمش نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پینٹر کو ہدایات دیں۔

یہ لو ارمینہ نے بیگ سے ایک کاغذ نکال کر اس کے حوالے کیا۔

یہ کیا ہے؟

جب تم چلے گئے تھے تو ہیری تمہارا پوچھ رہا تھا۔اس نے مجھے یہ تمہیں دینے کیلئے کہا اور تب دیا جب اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔کل یہ میرے پاس نہیں تھا ورنہ کل ہی دے دیتی۔ ارمش نے تہہ شدہ کاغذ کھولا۔اس پہ دو سطریں درج تھیں۔

زمین والوں سے یہ کہہ کر طلوع ہوتا ہے سورج
اجالے بانٹ دینے سے اجالے کم نہیں ہوتے

اسے پڑھ کر کچھ عجیب سا احساس ہوا وہ بہت بکھری بکھری سی لکھائی تھی جیسے کسی نے نیا نیا لکھنا سیکھا ہو۔

یہ کہاں سے آئی اس کے پاس؟ اور اس نے مجھے کیوں...؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں میں نے پوچھا تھا اس سے، اس نے کہا یہ الفاظ اس کے نہیں ہیں اس نے صرف اس صفحے پر انہیں اتارا ہے وہ سیاہ کار والا بندہ تھا ناں اس نے دیا تھا ہیری کو، پھر اُسے اِس کا مطلب بتایا اور اسے لکھنا سکھایا، پھر ہیری نے یہ دو جملے اپنی لکھائی میں لکھے۔ہیری نے پورا ہفتہ اسے لکھنا سیکھا تھا اور دیکھو لکھ بھی لیا۔وہ اتوار کو یہ لکھائی اس آدمی کو دکھانے والا تھا مگر... الفاظ ٹوٹ گئے تھے۔وہ ایک وقفے کے بعد پھر بولی۔

اس نے مجھ سے کہا یہ میں تمہیں دے دوں تاکہ تم یہ اس سیاہ کار والے کو ڈھونڈ کر اسے ایک بار یہ دکھا دو... اس وقت اتنی بھاگ دوڑ مچ گئی تھی پھر میرے ذہن سے نکل گیا اور تمہیں میں کہاں ڈھونڈتی تو میں خود اتوار کے دن اس اسٹاپ پر گئی مگر ہزاروں سیاہ گاڑیاں گزرتی ہیں وہاں سے میں تو جانتی نہیں کہ وہ کون ہے تو واپس آگئی۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔ارمش کی نظر اب بھی اس لکھائی پر تھی پھر وہ ہلکا سا مسکرایا تو گالوں کے گڑھے نمودار ہوئے۔

عجیب تھا وہ بہت...نہیں؟ ارمش نے کاغذ تہ کیا اور ارمینہ سے کہا۔

ہاں کسی پہیلی جیسا بہت پراسرار سا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہم اسے ڈھونڈ نا بھی سکیں تو دیکھنا ایک دن وہ خود ہیری کو تلاش کرتا ہوا یہاں ہیری ہوم تک آئے گا۔

ہوں! تب ہی ارمینہ کے ہاتھ پہ چند قطرے گرے جو نیلے رنگ کے تھے اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

لو میں ہیری ہوم کا حصہ بن گئی۔

ہاں اچھے کاموں کے درمیان مشکلات تو آتی ہیں۔ ارمش نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو ارمینہ کی مسکراہٹ پل میں ہوا ہوئی۔ارمش اسے باتوں میں ہمیشہ مات دے دیا کرتا تھا۔

ویسے ایک بات بتاؤ وہ پچھلا جملہ بہ ظاہر نظرانداز کر کے بولی۔

کیا؟ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اب تک ارمش سے اس کا نام تک نہیں پوچھا تھا اسے لگا وہ اس سوال پر حیران ہو گا

مگر وہ نہیں ہوا تھا۔

ارمش احمد رضا ابراہیم۔ بڑے تحمل سے اس نے جواب دیا۔وہ موبائل کی جانب دیکھتے ہوئے چند بٹن دبا رہا تھا۔

بہت لمبا نام نہیں ہے؟ پورا لیتے لیتے ٹرین چھوٹ جائے۔

ہاں اگر گھڑی سات منٹ پیچھے ہو تب بھی ٹرین چھوٹ سکتی ہے۔ اس نے موبائل کی اسکرین دیکھتے ہوئے برابر جواب دیا۔

وہ اتفاق تھا ورنہ میری گھڑی بالکل ایکوریٹ ہوتی ہے شاید اس کے سیل ختم ہونے والے تھے۔ ارمش اس کے جواب پر خاموشی سے مسکرایا۔

ایک اور بات بتاؤ وہ پھر بولی۔

پوچھو؟

تمہیں میں چور لگتی ہوں؟ ارمش نے سر اٹھا کر اس غور سے دیکھا جو معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔ پھر داہنی طرف مڑ کر چلنے لگا۔وہ اس کے پیچھے چل دی۔ میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے وہ چڑ کر بولی۔ وہ دیوار کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا اور دیوار میں لگا نل کھولنے لگا۔

ہاتھ دھو لو اپنے ورنہ یہ رنگ پکا ہو جائے گا اور تمھارے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔ اس نے بے ساختہ اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور انہیں نل کے نیچے کر لیا۔بہتے پانی میں اس کے ہاتھ سے اترتا نیلا رنگ بھی شامل ہونے لگا۔وہ مشکل سے اس کے ہاتھ سے اتر رہا تھا۔اگر مزید کچھ وقت رنگ کو یونہی چھوڑ دیتی تو وہ واقعی پکا ہو جاتا اور پھر اسے اسپرٹ سے صاف کرنا پڑتا۔

شکل سے تو تم چور نہیں لگتیں مگر جس سچویشن میں اور جس طرح تم نے مجھ سے چوتھا گیئر ڈال کر اپنی بات کہی تھی تو ہر عقل مند یہی سوچے گا۔

ایسا تو نہیں ہے۔اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو تمھارے ساتھ جاتی تمھاری مدد کرنے کیلئے۔

ہاں تو میں نے عقل مند انسان کی بات کی ہے۔ وہ ہاتھ دھو چکی تو اس نے نل بند کر دیا۔

اندر جا کر بلڈنگ دیکھ لو اگر چاہو تو۔

ضرور! ارمش کو باہر چھوڑ کر وہ اندر آگئی۔

بلڈنگ بلاشبہ بہت وسیع تھی اور اس کی لوکیشن بھی شہر کے بیچوں بیچ تھی تاکہ کوئی سہولت دور نہ رہے۔وہ ایک تین منزلہ عمارت جس کی ایک چھت بھی تھی اور آگے کے حصے میں باغ تھا جہاں ابھی پودے لگنے باقی تھے۔اس میں شک نہیں تھا کہ ارمش نے بلڈنگ بہت سوچ سمجھ کر خریدی تھی، ضرورت کے حساب سے زیادہ نا کم۔وہ دوبارہ باہر آئی تو ارمش چبوترے پر بیٹھا عمارت کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر آکر بیٹھ گئی۔ارمش اب اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔وہ بلڈنگ کو پینٹ ہوتے دیکھ رہا تھا۔لاشعوری طور پر وہ اسے دیکھتی رہی۔اس کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بال سیاہ تھے۔آنکھیں چھوٹی تھیں مگر سیاہ تھیں جن میں ذہانت نمایاں تھی۔اس کے چہرے کے خدوخال منفرد سے تھے۔مغرور سی ناک، مسکرانے والے ہونٹ، قدرے سنجیدہ سا چہرہ، لمبا قد اور مضبوط کندھے وہ ہر طرح سے ایک وجیہہ مرد کی تعریف پر پورا اترتا تھا۔وہ جانتی تھی کہ وہ کسی بہت امیر خاندان سے تھا پھر بھی اس کے اندر سادگی واضح تھی۔اس نے ہمیشہ اس کا لباس سادہ ہی دیکھا تھا۔ ہاتھ میں سادہ مگر قیمتی گھڑی پہنتا تھا۔شاید یہ اس کا واحد شوق تھا۔شرٹ کی آستینوں کو کہنیوں تک موڑے، جینز کا پائنچہ ایک انچ اوپر چڑھائے، مٹی سے اٹے جوتے پہنے گارڈن کے چبوترے پر بہ آسانی بیٹھا وہ ارمش رضا ابراہیم بہت عام سا انسان لگتا تھا جس کی بہت عام سی خواہشات تھیں۔سکون اور خوشی... اس نے ارمش کے چہرے سے نظریں ہٹا لی تھیں۔

سر! ہال میں کون سا کلر کرنا ہے؟ پینٹرز میں سے ایک نے اس سے پوچھا۔

آلمنڈ براؤن! اس نے بنا رُکے جواب دیا۔

پھر آلمنڈ براؤن!تمہیں اتنا کیوں پسند ہے آلمنڈ براؤن؟

نہیں ایسا کریں آپ اندر ہال میں آف وائٹ کریں۔اس سے کمرہ زیادہ روشن اور ٹھنڈا ٹھنڈا لگتا ہے۔ ارمینہ نے اس کی ساری تعریفیں سائیڈ پر رکھ دی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ٹھیک ہے! آف وائٹ ہی کر لیں۔ اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

بہت بُرا ٹیسٹ ہے تمہارا رنگوں کے حوالے سے۔

ہاں مجھے ہمیشہ سے ہی کلرز میں اتنی دلچسپی نہیں رہی۔

ایسے کیسے؟رنگوں میں تو ہر ایک کو انٹرسٹ ہوتا ہے۔پسندیدہ رنگ کون سا ہے تمہارا؟ آلمنڈ براؤن؟ اس نے شرارتی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

بلیک

کیوں؟

گہرا ہوتا ہے ناں ہر رنگ اس میں سما جاتا ہے۔سب سے خوبصورت، سب سے پرکشش۔ ارمینہ کو لگا وہ یک دم بہت سنجیدہ ہو گیا ہے۔کسی سوچ میں گم۔

تمہارا پسندیدہ رنگ کون سا ہے ویسے؟ غالباً پنک کیوں کہ میں نے تمہیں جب بھی دیکھا ہے پنک کا ہی کوئی شیڈ پہنے دیکھا ہے۔ وہ ایک لمحے میں پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ارمینہ کو لگا اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔

نہیں میرے پسندیدہ رنگ دو ہیں۔سبز اور سفید۔

You mean Green and White?

نہیں سبز اور سفید۔

کیا فرق ہے دونوں میں؟ میں نے انگریزی میں کہا تم نے اُردو میں۔

بس یہی فرق ہے۔میرے بابا کہتے ہیں ہر پاکستانی کو سب سے زیادہ محبت انہی دو رنگوں سے ہونی چاہیے کیوں کہ یہ دو رنگ ہمیں بہ حیثیت قوم دنیا میں ہر ایک سے منفرد بناتے، ہماری پہچان ہیں۔یہ سینکڑوں کی بھیڑ میں بھی اگر سبز اور سفید الگ الگ ساتھ نظر آجائے تو سب سمجھ جاتے ہیں کہ یہ پاکستانی ہے اس لیے مجھے بھی اپنے بابا کی طرح سب سے زیادہ محبت سبز اور سفید رنگ سے ہے اور رہا سوال اُردو کا، تو سبز اور سفید میں محبت ہے۔مٹھاس ہے، جذبہ ہے، گرین اور وائٹ یہ تو اپنی زبان ہی نہیں تو اپنا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ چپ ہوئی تو ارمش نے ایک گہری سانس لی۔

ٹھیک ہے وہ بس اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

وہ ہمیشہ اپنے بابا کے نظریات سے اختلاف کرتا آیا تھا۔ ارمش کی فیلڈ ڈیمانڈ کرتی تھی کہ وہ بیرونِ ملک چلا جائے۔اس کے بورڈ کا ایک ممبر آسٹریلین تھا، اس نے کئی بار ارمش کو آسٹریلیا آنے کی آفر بھی کی اور اس آفر نے ارمش کو بہت اٹریکٹ کیا اور تب اس نے پہلی بار بابا سے اس بارے میں بات کی تھی۔

نہیں! تمہیں بزنس کرنا ہے، وہ تم کر رہے ہو مگر تم پاکستان سے باہر نہیں جا سکتے۔

کیوں بابا؟ میں آپ لوگوں کو فورس نہیں کر رہا آپ لوگ یہیں رہیں کیوں کہ میں جانتا ہوں آپ لوگ یہاں رہنا چاہتے ہیں مگر میں وہاں زیادہ excel کر سکتا ہوں بابا میری کمپنی ترقی کرے گی اور میں آگے بڑھنے کے زیادہ مواقع حاصل کر سکوں گا۔

میں نے کہا ارمش یہ ٹاپک ختم ہوا! تم یہیں رہو گے پاکستان میں۔

اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور کچھ مہینوں کے بعد یہ بحث دوبارہ ہوتی اور ارمش کو ہر بار بابا کے آگے ہار ماننی پڑتی۔باپ اور بیٹے کے درمیان تلخیاں بڑھتی گئیں۔وہ ہر بحث کے بعد ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔ وہ اپنے بابا سے بہت محبت کرتا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے احترام اور پیار کم تھا مگر بس ان کے نظریئے مختلف تھے، ان کی سوچ کسی بھی راہ پر آکر نہیں ملتی تھی۔بچپن سے ہی ارمش کے ہاتھوں میں ہنر تھا... آرٹ کا... وہ اسکیچنگ اور پینٹنگ بہت خوبصورت کرتا تھا اور اپنے پروفیشن کے طور پر اختیار کرنا چاہتا تھا مگر بابا نے اس معاملے میں کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔یوں بھی وہ چھوٹا تھا تو بابا کی بات مان گیا تھا۔بابا نے ایک بار اس کو پینٹنگ سے منع کیا تو اس نے رنگوں کو ہاتھ لگانا بھی چھوڑ دیا۔وہ بس اس کو فوج میں دیکھنا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

چاہتے تھے۔ایک سچے محب وطن پاکستانی کے طور پر۔مگر جب بڑا ہوا تو اس نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔یہ ان کے لیے صدمہ بھی تھا اور ایک جھٹکا بھی۔سوچ اور شوق کا یہ فرق ان کے درمیان فاصلے لے آیا۔

کیا سوچنے بیٹھ گئے؟ وہ ارمینہ کی آواز پر چونکا تھا۔

نہیں کچھ نہیں۔

تم سارا دن یہیں رہتے ہو؟

نہیں کوئی ضروری میٹنگ ہو تو چلا جاتا ہوں۔آج کل میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا ہوا ہے وہ سنبھال لیتے ہیں۔

اس دن ایئرپورٹ پر کہاں جانے کے لیے آئے تھے تم؟

نیروبی

کیوں؟ یونہی گھومنے؟

نہیں GES اٹینڈ کرنے پر جا نہیں سکا۔

GES کیا ہے؟

Global Enterpreneuship Summit

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اوہ! پھر وہ دونوں خاموشی سے دیوار کو رنگ ہوتا دیکھنے لگے۔ فرنٹ وال کا کافی حصہ رنگ ہو چکا تھا اور اندر ہال میں بھی رنگ شروع ہو چکا تھا۔ نیلا رنگ واقعی سامنے کی دیوار پر کھل رہا تھا۔

مجھے واقعی کلرز کا بالکل سینس نہیں۔بابا نے ٹھیک ہی کیا کہ پینٹر نہیں بننے دیا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور مسکرایا۔ارمینہ نے بہت غور سے اس کی خاموشی کا جائزہ لیا۔اس بار اس نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔

ایک بات بتانا اپنے پاپا سے پوچھ کر مجھے۔

ارمش نے اسے مخاطب کیا۔

کیا؟

ہمیں پاکستان میں کیوں رہنا چاہیے؟

اس میں پاپا سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔میں بتا دیتی ہوں۔کیوں کہ یہ ہمارا ملک ہے ہمارا گھر، اپنے گھر سے تو سب کو محبت ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنے گھر میں رہنا چاہتا ہے۔

لیکن اگر میں یہاں نہ رہنا چاہوں تو؟

تم یہاں نہیں رہنا چاہتے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مجھے نہیں پتا! مجھے یہاں گھٹن کا احساس ہوتا ہے لگتا ہے۔جیسے کوئی قیدخانہ ہو یہاں میں grow نہیں کر سکتا۔اپنی کمپنی اپنا بزنس ویسا نہیں بنا سکتا جیسا باہر رہ کر بنا سکتا ہوں۔

تمہیں چائے پینی ہے؟ وہ اس کے اچانک سوال پر حیران ہوا تھا۔

چائے؟

ہاں میں اچھی چائے بناتی ہوں۔جاوید بھائی چلے گئے ہیں تو تم مجھے ڈراپ بھی کر دینا اور چائے بھی پی لینا وہ بیگ اُٹھاتے ہوئے بولی۔

تم نے مجھے ڈرائیور رکھ لیا ہے کیا؟ ایک دفعہ ڈراپ کر دیا اب میں بار بار تو نہیں کروں گا۔ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

تمہاری مرضی یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سڑک تک آتے آتے کوئی اس کے ساتھ چلنے لگا اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

میں چائے بغیر چینی کے پیتا ہوں۔ ارمش کی آواز پر وہ پلٹی۔وہ ایک گاڑی کے پاس رک کر دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں پر اب سَن گلاسز تھے جو اس نے ابھی چڑھائے تھے۔وہ چپ چاپ آکر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

دروازہ کسی عمر دراز شخص نے کھولا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

السلام علیکم فرید بابا! اس نے ارمینہ کو کہتے سنا۔

وعلیکم السلام ارمینہ بی بی آجائیں۔ وہ اندر جانے لگی تو وہ بھی اس کے پیچھے اندر آگیا۔

فرید بابا! پاپا کہاں ہیں؟

بیٹا وہ اسٹڈی میں ہیں۔بلا دوں؟

جی بلا دیں۔ فرید بابا اندر غائب ہو گئے۔ارمینہ کا گھر بڑا نہیں تھا مگر چھوٹا بھی نہیں تھا۔داخل ہوتے ہی ایک لاؤنج تھا جہاں صوفہ سیٹ اور ٹی وی موجود تھا۔لاؤنج سے ہی لکڑی کی بنی سیڑھیاں اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔سیدھے ہاتھ کی طرف ایک وسیع، نفاست سے سجا مگر سادہ سا ڈرائنگ روم تھا، وہ دونوں اب وہیں بیٹھے تھے۔

تمہارا گھر بہت اچھا ہے۔ اس کے جملے پر وہ مسکرائی۔

کون کون ہے تمہاری فیملی میں؟

بس میں اور پاپا، امی کی ڈیتھ ہو گئی تھی جب میں تین سال کی تھی۔بہن بھائی تھے نہیں تو یہ ہم دونوں کے لیے بہت ہے۔

ہونہہ ارمینہ! کون آیا ہے؟ ڈرائنگ روم کے دروازے سے کوئی داخل ہوا۔وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔ویل چیئر چلاتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے اور انہیں دیکھتے ہی وہ انہیں سلام کرنا بھول گیا۔

☆...☆...☆

کمرے میں آنے کے بعد اس نے اپنا سامان unpack کر لیا۔

رات امی نے دستر خوان پر اس کی من پسند چیزیں سجا دیں۔ایک دو دن بعد اس کی شادی تھی۔گھر کی سجاوٹیں قابلِ دید تھیں۔اس کے چہرے کی خوشی بھی قابلِ دید ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے زندگی میں بہت مشکلات دیکھیں مگر اس کے جنون نے اسے ہارنے نہیں دیا۔اسے جیسے کوئی لت تھی، اڑنے کی لت... نہ صرف اڑنے کی بلکہ سرخرو لوٹنے کی بھی۔اور وہ ہمیشہ سرخرو ہی لوٹا تھا۔

اپنے بستر پر لیٹا وہ آنے والے دن کے بارے میں سوچ رہا تھا، انابیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔انابیہ کی فیملی ہمیشہ سے ان کے پڑوس میں رہتی تھی۔وہ ہمیشہ سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔بڑا ہونے پر ان کے گھر والوں کی رضامندی پر ان کی منگنی کر دی گئی۔سرفراز کی زندگی کا محور چند ہی لوگ تھے اس کی امی، انابیہ جو اس کی ہونے والی بیوی تھی اور اس کا بہترین دوست... احمد رضا ابراہیم۔

احمد اور سرفراز ہمیشہ ساتھ ہی رہے تھے۔اسکول اور پھر کالج تک دونوں نے زندگی کی کئی بہاریں اکٹھی دیکھی تھیں اور بہت سے غموں کو ساتھ بانٹا تھا۔وہ سونے کی کوشش میں آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ٹھنڈ شدید تھی اس لیے اس نے کمبل اپنے پیروں پر ڈال رکھا تھا۔پنکھا پھر بھی اس نے چلایا ہوا تھا۔پنکھے کے بغیر وہ سو نہیں پاتا تھا۔یہ اس کی عادت تھی جس کی وجہ سے اس کے روم میٹس بھی اس سے بہت تنگ تھے۔اچانک کسی نے جھٹکے سے دروازہ کھولا۔اسے اٹھنے کا موقع بھی نہیں ملا اور کسی نے بالٹی بھر ٹھنڈا برف کا پانی اس کے اوپر اچھال دیا۔کچھ دیر کے لیے وہ حواس باختہ رہا پھر کسی کا زور دار قہقہہ گونجا۔

اچھا تو اب اتنے سکون سے سو سکتے ہو تم وہ بھی ہمیں آدھی رات کو یہاں بلا کر... زمانہ اتنا بھی سہل نہیں میری جان۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلائی، مگر اسے پہچاننے کے لیے اسے روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔وہ جانتا تھا احمد رضا ابراہیم آگیا ہے۔

وہ ایک جھٹکے سے بیڈ سے اترا اور احمد کے پیچھے بھاگا، احمد بھی بھاگتا ہوا صحن تک آیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

رک جاؤ احمد اس بار میں بدلہ لیے بغیر نہیں بخشوں گا۔ وہ کہتا ہوا اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

احمد نے بہ آسانی صحن کی دیوار پھلانگی اور سڑک پر آگیا۔ نتیجتاً سرفراز نے بھی اسی مہارت سے دیوار پھلانگی۔دو فوجیوں کا مقابلہ ہمیشہ قابلِ دید ہوا کرتا تھا۔ سرفراز اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔وہ جانتا تھا احمد نے جان بوجھ کر اپنی رفتار کم کر دی تھی اور پھر سرفراز نے اس کے کندھے تک رسائی حاصل کر لی تھی۔دو بہترین دوستوں کی ملاقات کا وہ ایک پُرجوش اور جذباتی سا مظاہرہ تھا۔وہ دونوں ہانپتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ کر مُسکرا رہے تھے اور چند لمحوں بعد دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔آس پاس سے گزرنے والا تقریباً ہر شخص ان دونوں کو جانتا تھا اور تقریباً ہر سال ایک بار یہ نظارہ ضرور دیکھتا۔احمد اور سرفراز کا نام زیادہ تر ساتھ ہی لیا جاتا تھا۔وہ دوستوں بھائیوں سے بھی کچھ بڑھ کر ہی تھے۔

میں نے سنا ہے شادی وادی کر رہے ہو؟ دیکھ میں بتا رہا ہوں۔فوجی ہوتے ہوئے بھی غلامی کرنی پڑے گی میرے یار۔

سرفراز احمد کی وارننگ پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

چل یار قبول ہے غلامی بھی... ایسی غلامی پر تو ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اوہ! شہزادے تجھ پر بھی محبت کا بھوت سوار ہو گیا۔

چلو آجاؤ اب اندر چلتے ہیں ورنہ امی جی خبر لیں گی۔ سرفراز اس سے کہتا ہوا چلنے لگا تو وہ بھی چل پڑا۔چلتے چلتے سرفراز رُکا اور کچھ ڈھونڈنے لگا، احمد اس سے آگے تھا۔

کیا ہوا؟ اس نے پلٹ کر پوچھا۔

کچھ نہیں چلو میں آیا۔ احمد کندھے اُچکا کے مُڑا اور اس کے مُڑتے ہی کسی نے اس کے اوپر بھی ایک بالٹی انڈیل دی۔ میں نے کہا تھا ناں! اس بار میں بدلہ ضرور لوں گا میری جان۔ اور ہنگامہ نئے سرے سے شروع ہو گیا۔

وہ دونوں اندر آئے تو پورے بھیگے ہوئے تھے۔

میرے خدا! تم دونوں نے پھر یہی کھیل کھیلا ہے۔بیمار ہو جاؤ گے دونوں۔ امی نے سرفراز اور احمد کو تولیہ تھماتے ہوئے کہا۔

اس بار اس نے مجھے نہلا ہی دیا لیکن چلیں میں آج ہار گیا اس سے کیوں کہ میرا دوست بس دو ہی دن کی خوشی منا سکتا ہے اس کے بعد تو ہارنا ہی ہارنا ہے اسے۔

سرفراز ساری گفتگو کے دوران صرف مسکرا رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کپڑے بدل لو اب دونوں۔ امی مسکراتی ہوئی کہہ کر اندر سونے چلی گئیں اور وہ دونوں کپڑے بدل کر چھت پر آگئے۔

اب بتاؤ کیسے ہو؟ ارحم کیسا ہے؟ اسے کافی کا مگ تھماتے ہوئے سرفراز نے پوچھا۔

میں بھی ٹھیک ارحم بھی ٹھیک۔

اور کراچی؟

ہاں کراچی بھی ٹھیک۔انابیہ مجھ سے کہہ رہی کہ احمد بھائی سرفراز بہت خطرناک کام کرتا ہے آپ خود سوچیں ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانا کوئی آسان بات ہے کیا؟ احمد نے انابیہ کی نقل اتارتے ہوئے کہا تو سرفراز نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

ہاں! میں نے اسے ایک زیرو کم لکھ کر میسج سینڈ کیا تھا ورنہ تو وہ بے ہوش ہی ہو جاتی۔ دونوں نے تالی مارتے ہوئے ایک اور قہقہہ لگایا۔

ارحم بھی بہت باتیں کرنے لگا ہے، اب آواز دو تو فوراً پلٹ کر دیکھتا ہے۔

ہاں اور اب تو تمہیں غالباً ایک نام اور سوچنا پڑے گا۔ اس بار احمد کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سوچنا کیا ہے سوچ چکا ہوں بیٹا ہو گا تو ارمش، بیٹی ہو گی تو ارمینہ۔ وہ پرجوش سا ہو کر بولا تھا۔سرفراز نے اس کا کندھا تھپکا۔

☆...☆...☆

پاپا یہ ارمش ہے اور ارمش یہ میرے پاپا وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے ارمش انہیں نہیں جانتا تھا مگر پھر بھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے انہیں کہیں دیکھا ہے۔کہاں؟ یہ اسے بھی یاد نہیں تھا۔ السلام علیکم۔ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے سلام کیا۔

وعلیکم السلام!

بیٹھو بیٹا! وہ بہت شفقت بھرے انداز میں بولے۔

میں چائے لاتی ہوں ارمینہ نے یہ کہہ کر کچن کا رُخ کیا۔

معاف کیجئے گا انکل مگر... کیا ہم مل چکے ہیں؟ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔

مجھے نہیں لگتا میں تو زیادہ تر وقت گھر میں گزارتا ہوں اور جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے تمہیں نہیں دیکھا اس سے پہلے۔ وہ مسکرائے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہو سکتا ہے میرا وہم ہو۔

کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں بیٹا جنہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ برسوں سے ان چہروں سے واقف ہیں مگر حقیقت میں وہ انجان ہوتے ہیں۔ وہ مسکرایا مگر خاموش ہی رہا۔

تم ایک اچھے انسان ہو۔مجھے خوشی ہوئی کہ تم ایک اچھا کام کر رہے ہو۔ اگلے چند منٹوں میں وہ قدرے بے تکلف ہو گئے۔ارمش نے انہیں ARI مینوفیکچررز کے بارے میں بتایا۔ان کی مصروفیات کچھ کم تھیں مگر وہ معذور ہونے کے باوجود گھر پر آرام نہیں کرتے تھے۔انہوں نے ایک فیکٹری ڈال رکھی تھی جس کے وہ ہفتے میں ایک یا دو دورے کیا کرتے تھے۔ان کی معذوری کے بارے میں اس نے پوچھا، نہ انہوں نے بتایا۔ارمینہ چائے لیے اندر داخل ہوئی۔

کافی باتیں نہیں کر لی آپ دونوں نے۔ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

یہ لیں بابا

ارے پہلے اسے چائے دو۔

آپ بڑے ہیں اس لیے پہلے آپ کو دے دیتی ہوں۔ پھر اس نے اگلا کپ ارمش کے آگے کر دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس میں چینی نہیں ہے ساتھ وہ جتانا نہیں بھولی۔

کیوں؟ پاپا حیران ہوئے۔

میں چینی نہیں پیتا چائے میں انکل۔ کہتے ہوئے اس نے شکریہ کے ساتھ کپ لے لیا۔

پاپا ارمش جاننا چاہتا ہے کہ ہمیں پاکستان میں کیوں رہنا چاہیے جب کہ باہر رہ کر ہم زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ چائے پیتے پیتے دونوں نے ہی رُک کر سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔ارمش کو امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح براہِ راست یہ موضوع چھیڑ دے گی۔اس نے تو یونہی سوچ میں گم اپنی الجھن کا جواب مانگا تھا۔اسے احساس ہوا تھا کہ اس نے ارمینہ کو undersestimate کیا تھا اس نے ارمینہ کو جی بھر کر گھورا۔ نتیجتاً وہ تھوڑا جھینپ بھی گئی۔

آئی ایم سوری انکل یہ بہت بچگانہ سا سوال ہے میں نے یونہی اس سے ذکر کر دیا تھا۔ وہ شرمندہ ہوا۔

نہیں ارمش یہ بچگانہ سوال نہیں ہے یہ واقعی وہ سوال ہے جس کا جواب ہم بھولتے جا رہے ہیں کہ ہمیں پاکستان میں کیوں رہنا چاہیے... تم نے ایک درخت کو دیکھا ہے کبھی؟ اس کے تین حصے ہوتے ہیں اس کا تنا، اس کی جڑیں اور اس کے پھل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پھول۔ پھلوں اور پھولوں کو بہت غرور ہوتا ہے کہ وہ درخت کو اہم اور پرکشش بناتے ہیں اور تنے کو غرور ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے درخت کھڑا ہے مگر جانتے ہو سب سے ضروری حصہ ہوتا ہے اس کی جڑیں جو اصل میں اس درخت کو اس کی جگہ قائم رکھتی ہیں، اسے زندگی بخشتی ہیں۔ پھل پھول اور تنے کے بغیر بھی جڑیں زندہ رہتی ہیں مگر جڑوں کے بغیر پھل پھول زندہ نہیں رہ سکتے اور جڑوں کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ان میں عاجزی ہوتی ہے غرور نہیں ہوتا۔وہ پس پردہ رہتی ہیں اور اپنے آپ کو، اپنی اہمیت کو اور اپنے کمالات کو دنیا کے سامنے شوکیس میں رکھ کر پیش نہیں کرتیں۔جانتے ہو یہ ملک ہماری جڑ ہے، بہت عاجز مگر سب سے اہم، سب سے کام کا حصہ اور ہم پھل پھول سے زیادہ کی اہمیت نہیں رکھتے۔اگر جُڑے ہیں تو زندہ ہیں۔کٹ کے گر گئے تو پیروں کے نیچے روندے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مر جاتے ہیں۔میں جانتا ہوں تمہیں لگتا ہے تم پاکستان سے باہر رہ کر زیادہ ترقی کر سکتے ہو مگر ایک پتے کی بات بتاؤں تمہیں... پاکستان میں رہ کر تم پاکستان کی ترقی میں حصہ لے سکتے ہو کیوں کہ تم میں قابلیت ہے۔زندگی کے بیس سال ہماری نسل پاکستان کے پیسوں پر جیتی ہے پڑھتی لکھتی ہے اپنے آپ کو قابل بناتی ہے اور پھر جب وقت آتا ہے قرض اتارنے کا تو اس ملک کے بجائے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کسی اور ملک جا کر اس کی خدمت کر کے اپنی زندگی گزار دیتی ہے۔ارمش یہ ملک بہت تکلیف سے اپنے نوجوانوں کو خود سے کٹتا ہوا دیکھتا ہے مگر کچھ نہیں کہہ پاتا۔ میں یہ نہیں کہتا انسان ترقی نہ کرے لیکن اگر وہ اس ملک میں رہ کر ترقی کرے گا تو اس ملک کی بھی ترقی ہو گی... یاد رکھنا ارمش اس مٹی سے جڑے ہو تو زندہ ہو جو کٹ کے گر گئے تو کچھ بھی نہیں۔

وہ سُن سا بیٹھا تھا اور کوئی اس کے اندر چیخ چیخ کر اس سے شکوہ کر رہا تھا۔اس سے چائے نہیں پی گئی تھی۔اس نے چائے کا ایک گھونٹ تک نہیں لیا تھا۔زندگی میں اس کو بہت کم لوگوں نے آئینہ دکھایا تھا۔سرفراز محمود ان میں سے ایک تھے۔

اس مٹی سے جڑے ہو تو زندہ ہو ... اور وہ اپنے آپ کو مار رہا تھا۔ جو کٹ کے گر گئے تو کچھ بھی نہیں...

بس یہ ٹاپک ختم ہو گیا ارمش تم کہیں نہیں جا رہے۔ اسے پینٹنگ والے فیصلے کے بعد بابا کا ایک اور فیصلہ درست لگا۔اس نے کبھی بابا یا ارحم بھائی کی طرح ملک کیلئے والہانہ جذبات دل میں نہیں رکھے تھے۔کوئی اس کو کہتا ملک کی اس کی زندگی میں کیا اہمیت ہے تو وہ بس سوچ میں پڑ جاتا۔کسی نے اس کو ملک کی یہ اہمیت نہیں بتائی۔اس نے ہمیشہ اپنی ترجیحات میں اپنا بزنس اور اپنا کیریئر رکھا تھا۔ارمش

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

رضا ابراہیم کی زندگی میں اندھیرا تھا جس کی وجہ سے وہ نہیں جان پایا تھا کہ گھر کا مطلب کیا تھا؟ سائباں کسے کہتے تھے اور تحفظ کیا شے تھی؟ اس کے اندھیروں میں کہیں سے چند جگنو آنے لگے تھے جن میں پہلا ہیری تھا جو آکر چلا گیا تھا مگر جس کی روشنی اب بھی اس کے اِردگرد تھی، دوسری ارمینہ تھی جس کی باتیں اسے سوچنے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں اور ارمینہ کا ہاتھ تھامے ایک اور جگنو تھا جو اس کے اندھیروں میں اجالا کرنے آگیا تھا... سرفراز محمود...

تمہیں میری باتیں بری یا تلخ تو نہیں لگی ناں؟ وہ جسے کسی اور دنیا سے باہر آیا تھا۔

بری؟ نہیں انکل مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے مجھے ان باتوں کی بہت ضرورت تھی۔

اس کی بات پر وہ پورے دل سے مسکرائے تھے مگر وہ مسکرا نہیں سکا تھا۔

چائے پی لو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ انہوں نے اس کے جامد ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔اس نے خود کو کمزور کہنا شروع کر دیا تھا۔اسے لگا وہ اب تک اپنی زندگی ضائع کرتا آیا تھا۔انیتس سال کی عمر میں جیسے کسی نے اس میں دوبارہ زندگی کی رمق پھونکی تھی۔وہ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد باہر آگیا۔

مل گیا جواب؟ وہ نرم سے لہجے میں پوچھا جانے والا سوال تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں مل گیا۔تمہارا شکریہ کہ تم مجھے یہاں لے آئی۔ یہ کہتا ہوا وہ مڑا اور گاڑی کا دروازہ کھولا۔

مجھے لگا تمہیں ضرورت ہے... ویسے تو تمہیں اخلاق سیکھنے کی بھی بہت ضرورت ہے اور یہ بھی کہ لڑکیوں سے کیسے بات کرتے ہیں اور یہ بھی کہ ایک ڈاکٹر اور ایک چور کی شکل میں کیا فرق ہوتا ہے؟

وہ اس کی طرف پشت کیے مسکرا رہا تھا۔وہ جانتا تھا وہ بھی پیچھے کھڑی مسکرا رہی ہو گی۔سن گلاسز لگانے کے بعد وہ پلٹا۔ اور تمہیں ضرورت ہے تھوڑا کم بولنے کی، چائے کیسے بناتے ہیں یہ بھی سیکھنے کی اور کبھی موقع ملا تو میں تمہیں بتاؤں گا چائے کیسے بناتے ہیں؟

تم بتاؤ گے مطلب؟ تم مجھ سے اچھی چائے بنا لیتے ہو؟

نہ صرف چائے تھوڑی بہت کُکنگ بھی کر لیتا ہوں بزنس ٹور پر آسٹریلیا جاؤں تو ہوٹل میں نہیں رُکتا بلکہ فلیٹ ہے وہاں میرا، وہیں رکتا ہوں تو ظاہر ہے کھانا بھی خود ہی بناتا ہوں۔ اسے حیرانی ہوئی۔

I can bet میں تم سے بہتر چائے بناتی ہوں۔

تو پھر تم نے شاید اچھی چائے پی ہی نہیں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دیکھیں گے! یہ competition ضرور ہو گا۔

بالکل! anytime جیب میں ہاتھ ڈالے وہ بہت مزے لے لے کر اس کی چائے کی برائی کر رہا تھا حالاں کہ وہ جانتا تھا اگر یہ مقابلہ واقعی ہوتا تو وہ بہت بُری طرح ہار جاتا۔

خداحافظ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا۔

وہ ارمش کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں آگئے تھے۔انہوں نے فرید بابا سے کہہ دیا تھا کہ اب وہ سونے جا رہے ہیں لہٰذا کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔کمرے میں آنے کے بعد وہ ویل چیئر کو چلاتے ہوئے کھڑکی کی جانب لے آئے۔انہیں اس وقت کھلی ہوا کی بہت ضرورت تھی۔نیند خیر ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

پاپا یہ ارمش ہے۔ اگر ارمینہ انہیں نام نہ بھی بتاتی تب بھی وہ پہچان سکتے تھے کہ وہ کون تھا۔دیکھنے میں وہ بالکل اپنے بابا جیسا تھا مگر اس کی آواز اور اس کا لہجہ ان سے مختلف تھا۔احمد رضا بہت بے دھڑک بولنے والوں میں سے تھے مگر وہ ایسا نہیں تھا۔اس کی باتوں میں ایک ٹھہراؤ تھا، لہجے میں اگر زیادہ مٹھاس نہیں تھی تو لہجہ سخت بھی نہیں۔ کوئی محض اس کے لہجے سے کبھی اس کے موڈ کا اندازہ نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لگا سکتا تھا۔احمد رضا اگر ایک کھلی کتاب تھے تو وہ ایک پہیلی جیسا تھا۔اس کے گرد ایک دائرہ تھا جس کے اندر اس نے کسی کو آنے کی اجازت نہیں دی۔سرفراز محمود یہ بات اس سے ایک ملاقات میں ہی جان گئے تھے۔وہ صرف اپنے بابا جیسا دِکھتا تھا مگر ان جیسا تھا نہیں۔ان کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مُسکراہٹ لہرائی تھی۔ یادوں کے جھروکوں سے کسی نے چپکے سے ان کے حال میں جھانکا۔کبھی کبھی صرف ہم ہوتے ہیں، زندگی ہوتی ہے اور زندگی کی چند یادیں ہوتی ہیں اور جب ان تین کی جگہ ہو تو پھر اگلی کوئی چیز انسان کو اہم نہیں لگتی۔

☆...☆...☆

اس نے پلٹ کر دیکھا تو چھت کے دروازے پر انابیہ کھڑی تھی۔اس پل اسے احساس ہوا کہ کچھ لوگوں کو بس ایک نظر دیکھ لینا ہی کائنات ہوتا ہے۔آسمانی رنگ کے لباس پر گہرے نیلے رنگ کی شال پہنے وہ بڑی بڑی آنکھوں سے ان دونوں کو گھور رہی تھی۔

سرفراز کیا تم نے ابھی ابھی کہا کہ تم نے 2500 نہیں بلکہ 25000 فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگائی؟ اس بار سرفراز کو جھٹکا لگا تھا اور احمد کی ہلکی سی ہنسی کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

نہیں تو ایسا تو نہیں کیا یار میں نے۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ چلتی ان دونوں کے سامنے آگئی تھی۔

جھوٹ مت بولو میں نے ابھی ابھی سُنا کہ تم نے ایک زیرو کم لکھ کر سینڈ کیا تھا سرفراز میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ اتنی اونچائی پر کھڑے ہونا بھی کیسا لگتا ہے اور تم نے وہاں سے چھلانگ لگا دی؟

بھئی اب یہ بحث آپ دونوں مل کر کریں مجھے ذرا بھوک ستا رہی ہے تو میں نیچے چلا۔

انابیہ کے سر پر ہاتھ رکھنے کے بعد وہ نیچے ہو لیا اور جاتے وقت وہ انابیہ کی پشت پر کھڑا ہو کر سرفراز کو چڑانا نہیں بھولا تھا۔

مصیبت کے وقت پہ کبھی میرے کام نہیں آتا۔ وہ مصنوعی غصے سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

اچھا! تم مجھے مصیبت کہہ رہے ہو؟ اس نے سن لیا تھا۔

ارے نہیں یار ادھر آؤ۔ وہ اسے لیے چھت پر بڑی ایک بڑی سی چارپائی تک آیا جس پر وہ دونوں بیٹھ گئے۔

اب بتاؤ! وہ ڈھائی ہزار تھا یا پچیس ہزار؟ وہ کش مکش میں پڑ گیا تھا کہ انابیہ کو کیا بتائے۔وہ واقعی اتنے ہی کمزور اعصاب کی تھی کہ سُن کر ہی بے ہوش ہو جاتی۔ لیکن سرفراز کو خاموش بیٹھا دیکھ کر وہ خود ہی جواب سمجھ گئی تھی۔بے ہوش نہیں ہوئی تھی مگر اس کی آنکھیں ضرور پھیل گئی تھیں۔

سرفراز تم کیوں کرتے ہو اس قسم کے الٹے سیدھے کام؟

ارے میں اکیلا نہیں تھا ہم پورے سات کیڈٹس تھے اور ایسے ہی تو نہیں کود گئے تھے پیراشوٹ تھے ہمارے پاس۔تم بھی ناں بچی کی بچی رہو گی۔ذرا دل بڑا کرو اپنا اور تھوڑا دماغ بھی۔

نہیں کر سکتی میں کم از کم تمہارے معاملے میں... میں بہت کمزور ہوں اور ہمیشہ ایسی ہی رہوں گی۔ وہ اٹھ کر جانے لگی تھی۔

سنو! وہ اس کی آواز پر رُکی مگر پلٹی نہیں۔

ایسی ہی رہنا۔ اس کے جملے پر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا، جو ہتھیلی چارپائی پر ٹکائے اسے مُسکرا کر دیکھ رہا تھا۔اس بار وہ بھی پوری مُسرتوں کے ساتھ مسکرائی اور بنا کچھ کہے نیچے آگئی۔

وہ نیچے آئی تو احمد پراٹھے کو ہری چٹنی سے لگا کر کھانے میں مصروف تھا۔امی جی توے پر دوسرا پراٹھا سینک رہی تھی۔ آپ تو سونے چلی گئی تھیں امی جی! اس نے انہیں جاگتے دیکھ کر حیرت سے کہا۔

ہاں مگر کچن میں کھٹ پٹ کی آواز پر باہر آئی تو احمد نظر آگیا بھوک لگی تھی اُسے تو میں نے کہا میں پراٹھے بنا دیتی ہوں۔ احمد بے شرموں کی طرح مُسکرایا۔احمد کو دیکھ کر واقعی لگتا تھا کہ وہ بھوکا تھا حالاں کہ دو گھنٹے پہلے ہی اس نے کھانا کھایا تھا۔

آپ کو پتا ہے امی جی! سرفراز اس بار کس اونچائی سے چھلانگ لگا کر آیا ہے پورے پچیس ہزار فٹ سے۔ انہوں نے کچھ پل اس کی طرف دیکھا پھر کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔

دیکھ لیا میری امی جی کتنی بہادر ہیں سب پتا ہے انہیں۔ سرفراز سیڑھیوں سے اترتا ہوا آیا۔

ارے بیٹا یہ بچپن سے یہی سب تو کرتا آیا ہے۔کبھی کہیں سے کود جاتا ہے کبھی کہیں سے دیوار پھلانگ جاتا ہے۔بس اللہ نے اسے پر نہیں دیئے تھے، اب جب وہ بھی نصیب ہو گئے ہیں تو کہاں رُکے گا یہ۔ ان کی بات پر اسے تھوڑی شرمندہ ہوئی تھی۔سرفراز اب احمد کے پراٹھے میں سے نوالہ توڑ کر کھا رہا تھا۔

اچھا امی جی کی ہونے والی بہو اب تم اپنے گھر کی طرف جاؤ اور اب اپنی رخصتی کے دن ہی آنا۔ احمد نے اسے چھیڑا تھا۔

ہاں اب جا کر آرام کر لو کل ویسے ہی مایوں ہے پھر تھکنا ہے تمہیں۔

جی خدا حافظ امی جی!

خدا حافظ بچے! امی جی نے اس کا ماتھا چوما تھا۔وہ جاتے جاتے ایک نظر سرفراز پر ڈال گئی تھی۔

انسان کا تجزیہ کیا جاتا تو پتا چلتا کہ انسان کیا ہے، صرف محبت... کبھی لوگوں سے، کبھی عادتوں سے اور کبھی چیزوں سے... اور انابیہ سر تا پا محبت تھی۔کمزور سا دل رکھنے والی، جلدی رو دینے اور جلد ہی ہنس دینے والی۔وہ چلی گئی تھی اور اب شاید اسے تب نظر آتی جب وہ اس کی شریکِ حیات کے روپ میں ہوتی۔وہ بلاوجہ مسکرا رہا تھا... مسرت میں خوشی میں... اطمینان اور سرشاری اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

احمد نے اس کے ہاتھ کی پشت پر چپت لگائی تو وہ ہوش میں آیا۔

ایک نوالہ کھا لیا اب بس میں اپنے پراٹھے میں سے نہیں دوں گا۔ احمد نے ڈھٹائی سے اس سے کہا تو وہ اس کے انداز پر مُسکرا کر رہ گیا...

☆...☆...☆

گھر آیا تو بابا اسٹڈی میں تھے وہ اپنے کمرے میں جانے کی بہ جائے اسٹڈی میں ہی آگیا۔وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ ان کے پاس کیوں جا رہا تھا۔ اس کا دل اسے ان کے پاس لے جا رہا تھا یا شاید وہ شرمندہ تھا۔

السلام علیکم بابا! وہ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔اس کے آنے پر چونک گئے جیسے یقین نہ کر پا رہے ہوں کہ وہاں ارمش تھا۔ وعلیکم السلام آؤ۔ وہ ان کے سامنے ہی ایک چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوئے؟

نہیں! میں بس یونہی ہسٹری لے کر بیٹھ گیا تھا اور کوئی کام نہیں تھا تو۔

آپ کو آئین سٹائن کی بائیو گرافیز کا بہت شوق ہے ناں۔ ان کی کولیکشن آئین سٹائن پر لکھی گئی کتابوں سے بھری پڑی تھی۔

ہاں بہت کچھ سیکھنے کو مل جاتا ہے۔ ان کے درمیان ایک بار پھر خاموشی در آئی۔

ہیری ہوم کہاں تک پہنچا؟ کچھ لمحوں بعد انہوں نے پوچھا۔

جی بلڈنگ ریڈی ہے بس پینٹ وغیرہ کا کام چل رہا ہے۔

ہونہہ! اسد نے بتایا تھا کہ تم اب آفس کم جاتے ہو زیادہ تر وہیں ہوتے ہو۔ اسد اس کا بزنس پارٹنر بھی تھا اور کلاس فیلو بھی اور ان کی فیملیز بھی ایک دوسرے سے واقف تھیں۔

جی بابا! وہاں کام دیکھنا پڑتا ہے اور... میرا دل چاہتا ہے وہاں جانے کو... مجھے بہت سکون ملتا ہے وہاں۔

احمد رضا نے اس کے چہرے کے تاثرات جاننے کی کوشش کی مگر وہ جان نہیں پائے۔

چلو اچھا ہے۔کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتانا۔

جی بابا! وہ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

احمد رضا اسے جاتا دیکھتے رہے۔آج انہیں اس میں کچھ بدلاؤ نظر آیا۔وہ ان سے عام طور پر نظریں نہیں ملا کرتا تھا۔نظریں اس نے آج بھی نہیں ملائی تھیں مگر آج اس نے اپنی گردن بھی نہیں اٹھائی۔وہ صرف گردن جھکائے ٹیبل پر دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔وہ ہمیشہ انہیں افسردہ سا لگتا تھا مگر آج وہ انہیں ہارا ہوا لگ رہا تھا۔انہیں فکرلاحق ہوئی وہ ان کا چھوٹا بیٹا تھا وہ اقرار کرتے انکار کرتے وہ انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔

ارحم ہمیشہ سے بہت فرماں بردار رہا تھا، جو انہوں نے کہا اس نے مانا تھا۔انہیں اس پر زیادہ توجہ نہیں دینی پڑی تھی۔ارمش ایسا نہیں تھا۔وہ ہر چیز پر بہ آسانی تیار نہ ہوتا، پورے لاجک اسے چاہیے ہوتے تھے۔اسے کسی چیز سے روکا جاتا تو اس کی وجہ بتانی پڑتی۔کچھ غلط تھا تو کیوں تھا؟ یہ جانے بغیر کبھی ارمش غلط کو غلط نہیں مانتا تھا۔انہوں نے اس پر بہت محنت کی تھی۔وہ غلط نہیں تھا۔اس بار احمد رضا ناکام ہوئے تھے، ارمش رضا ابراہیم کے دماغ کو dictate کرنا حماقت تھی وہ جانتے تھے۔

اسٹڈی سے باہر آتے ہی وہ اپنے کمرے میں آگیا تھا۔اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی اس نے کبھی بابا کے سامنے اپنے آپ کو پشیمان ہوتا محسوس نہیں کیا تھا مگر آج وہ واقعی ان سے ہارا تھا۔

بابا اسے بہت عزیز تھے۔بچپن سے وہ قدرے خاموش اور ایک سنجیدہ رہنے والا بچہ تھا مگر وہ بابا کے آتے ہی جیسے چارج ہو جاتا تھا اور دن بھر کی روداد انہیں سناتا تھا۔ان کی چیزیں جگہ پر رکھتا تھا، چاہے جتنی بھی دیر ہو جاتی ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ دور ہو گئے تھے محبت وہ ان سے آج بھی اتنی ہی کرتا تھا۔اس نے اپنی کمپنی کا نام ARI ارمش رضا ابراہیم نہیں بلکہ احمد رضا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ابراہیم کی نیت سے رکھا تھا مگر انہیں یہ بات کبھی نہیں بتا پایا تھا۔جھجک تھی یا انا، وہ خود نہیں جانتا تھا مگر ان دونوں کو ایک دوسرے کا خیال تھا اور پرواہ تھی اس بات سے دونوں واقف تھے۔

وہ فریش ہو کر کچن میں کافی بنانے آگیا۔کافی کا مگ لے کر وہ کمرے میں واپس آگیا۔رات کو فریش ہو کر وہ ایک کپ کافی ضرور پیتا تھا اور یہ کام وہ خود کرتا تھا کیوں کہ سارے نوکر اس وقت تک اپنے کوارٹرز میں جا چکے ہوتے تھے اور وہ ان کو تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔کمرے میں آکر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک فولڈر میں جا کر پلے (Play)کا بٹن دبایا۔موبائل میں سے ارمینہ کی آواز آنے لگی۔

بہت لمبا نام نہیں ہے؟ پورا لیتے لیتے ٹرین چھوٹ جائے۔ وہ مسکرایا تھا۔

ہاں گھڑی سات منٹ پیچھے ہو تب بھی ٹرین چھوٹ جاتی ہے۔ یہ اس کی اپنی آواز تھی۔

وہ اتفاق تھا ورنہ میری گھڑی بالکل ایکوریٹ ہوتی ہے۔شاید اس کے سیل ختم ہونے والے ہیں۔

ایک اور بات بتاؤ تمہیں میں چور لگتی ہوں؟

ایسا تو نہیں ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو تمہارے ساتھ چلتی تمہاری مدد کیلئے۔

اس نے وہ ریکارڈنگ چاربار سنی تھی۔وہ نہیں جانتا تھا اس نے ارمینہ کی آواز کیوں ریکارڈ کی تھی۔اس نے کسی کام سے موبائل نکالا تھا اور رکھنے کے بجائے اسے ریکارڈنگ پر لگا کر یونہی بٹن دبا دیا تھا۔اسے اس کی آواز بہت اچھی لگی تھی۔اس کی آواز میں بہت دل فریب کھنک تھی۔وہ اردو بھی بہت اچھی بولتی تھی۔اس کا تلفظ، لفظوں کی ادائی بہت سادہ مگر خوبصورت تھی اس نے ریکارڈنگ بند کر دی مگر اس کے کانوں میں وہ آواز پھر بھی رس گھولتی رہی۔کافی ختم کرنے کے بعد اس نے اپنے آفس کا کام ختم کیا جو ہیری ہوم کی وجہ سے رہ گیا تھا اور پھر وہ سونے کے لیے لیٹ گیا اس کی طبیعت اب بوجھل نہیں رہی تھی۔

☆...☆...☆

وہ آج اپنی ڈیوٹی ختم کر کے سیدھا ہیری ہوم آگئی تھی۔وہاں چند ورکرز تھے۔ابھی ارمش نہیں آیا تھا۔بلڈنگ کے کلر کا کام تقریباً ختم ہونے پر اس نے بلڈنگ کا ایک جائزہ لیا، پینٹرز کو کچن کے رنگ کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور پھر باہر آکر بیٹھ گئی۔ارمش کے جانے کے بعد اس کے بابا بہت سے عجیب ہو گئے تھے۔کھانا نہیں کھا رہے تھے کسی سے بات نہیں کر رہے تھے، حتیٰ کہ ارمینہ سے بھی نہیں جب کہ عام طور پر وہ فرید بابا سے بھی گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔

اسٹڈی میں بھی جانا انہوں نے بند کر دیا تھا وہ اپنے کمرے میں بیٹھے رہتے یا ٹی وی پر نیوز دیکھتے رہتے۔ارمینہ نے وجہ جاننے کی کوشش کی تو وہ ٹال گئے تھے مگر وہ ان کے لیے پریشان تھی کچھ تھا جو بے چین کیے رکھتا تھا۔

وہ اپنی کہنی گھٹنے پر ٹکائے چہرے کو ہاتھ کا سہارا دیئے گہری سوچ میں گم تھی۔ اسے خیال بھی نہیں ہوا کہ کسی نے اس کے دوپٹے کا کنارہ زمین سے اٹھا کر اس کے قریب چبوترے پر رکھا تھا۔

آج تم سوچنے کا کام کیسے انجام دے رہی ہو؟ ارمش کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی تھی بلوکلر کی جینز پر وہ وائٹ شرٹ پہنے آستینوں کو کہنیوں تک موڑے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

ایسا بھی کیا سوچ رہی تھیں کہ تمہیں پتا ہی نہیں چلا کہ تمہارا دوپٹہ گندا ہو رہا ہے۔ اس نے اس کے دوپٹے کے کنارے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اوہ! مجھے واقعی نہیں پتا چلا۔

جبھی تو پوچھ رہا ہوں کہ عادت کے خلاف سوچنے کا کام کیوں کر رہی تھیں؟ Its dangerous for you Dr. Armeena

ہاں ایک تم ہی تو ذہین ہو اس پوری دنیا میں۔ وہ چڑ کر بولی تھی۔

جسے سوچنے کا ہنر آتا ہے۔ ایک وقفے کے بعد اس نے اضافہ کیا تھا۔

نہیں خیر ایسا بھی نہیں ہے آئین سٹائن کو بھی سوچنے کا ہنر آتا تھا۔

اوہ! تو آئین سٹائن کے بعد ذہین ترین انسان تم ہو۔ اس نے کندھے اچکائے تھے جیسے اقرار کر رہا ہو کہ ہاں میں ہی تو ہوں۔

اس نے ہونٹ بھینچ کر اسے گھور کر دیکھا تھا اور وہ اپنے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ سجا کے بلڈنگ کی طرف بڑھ گیا۔بلڈنگ کے اندر بہت سے مزدور کام کر رہے تھے اور وہ وہاں موجود انجینئرز اور آرکیٹیکٹ سے بات کرنے لگا جن کو اس نے خاص طور پر بلوایا تھا۔بلڈنگ کے حوالے سے ساری معلومات لے کر اور انہیں رخصت کر کے وہ آیا تو ارمینہ اب بھی وہیں چبوترے پر بیٹھی تھی مگر اب اس کے ہاتھ میں ایک پتا تھا جو شاید کہیں سے اڑ کر اس کے پاس آپہنچا تھا وہ پتے کو توڑ نہیں رہی تھی بس اسے ہاتھ میں پکڑے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تو اس نے پتے سے نظر ہٹا کر اس کی طرف دیکھا

۔ کیا ہوا؟ اس بار ارمش نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں۔ وہ واپس پتے کو دیکھنے لگی تھی۔پاپا کا خیال اس کے ذہن میں ویسا ہی تھا۔

گھر چلی جاؤ تم شاید تھک گئی ہو۔

نہیں میں ٹھیک ہوں۔تمہاری طرح مجھے بھی یہاں سکون ملتا ہے۔

وہ کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا اور اس نے اپنی توجہ پھر پتے پر مرکوز کر لی تھی۔

یہ لے لیں باجی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکا ہاتھ میں ایک تھیلی لیے کھڑا تھا۔اس نے تھیلی لی تو وہ فوراً چلا گیا وہ اس کے متعلق پوچھ بھی نہیں پائی تھی۔ارمینہ نے شاپر کھولا تو اس میں سینڈوچ تھا، ساتھ کولڈڈرنک کا ایک کین بھی تھا۔اسے حیرت ہوئی اسے سمجھنے میں کچھ پل لگے کہ یہ کس نے بھیجا ہے۔اس نے ارمش کو دیکھا،بلڈنگ کے گیٹ پر کھڑا اس آدمی کو پیسے دے رہا تھا جو اسے وہ تھیلی دے کر گیا تھا، وہ ایسا ہی تھا۔اسے احسان جتانا نہیں آتا تھا وہ خاموش رہتا تھا مگر اس کا عمل اس کے کردار کی گواہی دیتا تھا ارمینہ نے اپنی مسکراہٹ نہیں روکی تھی وہ واقعی بھوکی تھی مگر ٹینشن میں اسے احساس نہیں ہو پایا اس نے سینڈوچ ختم کر لیا تھا مگر اس کے ہاتھ میں ڈرنک اب بھی تھی۔

ارمینہ ایک منٹ اندر آؤ گی کچھ کام ہے۔ ارمش نے کہا تو وہ اس کے پیچھے اندر چل گئی۔ ڈسپنسری اس طرف ہے بتاؤ یہ ٹھیک ہے؟ اتنی جگہ کافی ہے؟ وہ سنجیدگی

سے پوچھ رہا تھا اور وہ اس جگہ میں ننھے سے کلینک کو سمانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ارمش ہر چیز پرفیکٹ چاہتا تھا۔

ہاں بالکل! اتنی جگہ میں equipments تو آرام سے آجائیں گے۔ اس کے جواب کے بعد اس نے مزدوروں کے عملے کو ڈسپنسری کی طرف لگا دیا تھا۔

میرے کلاس فیلوز اور چند جاننے والے Peadiatricians ہیں، ان سے بھی بات کر لوں گی میں کوئی نہ کوئی ضرور آجائے گا۔ویسے بھی ڈاکٹرز بڑے نرم دل ہوتے ہیں۔ پورا جملہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے آخر میں اپنا چہرہ بہت معصوم بنا لیا تھا۔

چلو دماغ نہ صحیح دل ہی صحیح، کچھ تو ہے۔ اس نے بھی سنجیدگی سے ہی جواب دیا تھا۔

تم پریشان کیوں تھی ویسے؟ اس کے سوال پر اس کے چہرے پر لکیریں واپس آگئی تھیں۔

کچھ نہیں پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اب بھی نہیں ہے مگر یہ نئی بات نہیں ہے اکثر ایسا ہو جاتا ہے ان کے ساتھ سر میں درد رہتا ہے، چڑچڑے ہو جاتے ہیں،

کسی سے بات نہیں کرتے، کھانا نہیں کھاتے پھر خود ہی کچھ دن میں ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ارمش اس کی بات پر حیران ہوا تھا اور ساتھ پریشان بھی۔

کوئی اور کام نہیں تو میں جاؤں؟

ہاں!Sure وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ابھی وہ دروازے پر پہنچی تھی جب اس نے اپنے پیچھے بھگدڑ مچتی محسوس کی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں واپس اندر آئی تو اندر کا نظارہ دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ارمش فرش پر بیٹھا مسلسل ایک مزدور کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ارمینہ کو دیکھتے ہی اس نے اسے بلایا۔

شکر تم گئی نہیں۔ وہ خود بھاگتی ہوئی اس کے قریب گئی اس نے فوراً اس مزدور کی نبض دیکھی جو چل رہی تھی مگر ہلکے ہلکے۔

انہیں باہر لے کر چلو ارمش اور کوئی پانی لے آئے پلیز۔

ارمش اس مزدور کو اٹھا کے باہر دالان میں لے آیا اور ارمینہ ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی اور سر کو پنجوں کی سطح سے کچھ نیچے ڈھلکائے ہوئے انداز میں رکھا۔کچھ لمحوں بعد اس مزدور کے جسم نے حرکت کرنا شروع کر دی تھی اور دھیرے دھیرے وہ ہوش میں آگیا تھا۔

یااللہ تیرا شکر۔ ارمش کے منہ سے اتنی دیر میں یہ پہلا لفظ نکلا تھا۔اس نے مزدور کو پھر ٹھیک سے بٹھایا اور اس کے لئے جوس منگوایا۔مزدور کی حالت اب بہتر تھی۔ اس نے ارمش کے ہاتھوں کو دیکھا، ان میں لرزش تھی اور چہرے پر خوف سا تھا، اسے اس پر ترس آیا۔وہ اس کے پاس آگئی۔

وہ ٹھیک ہیں اب۔ اس نے تسلی دینے والے انداز میں اس سے کہا۔

ہاں الحمدللہ۔تھینک یو۔

میں نے کیا کیا؟ میں نہ بھی ہوتی تو تم لوگ اتنا کام تو کر ہی لیتے۔

پھر بھی شکریہ۔ وہ مسکرائی تھی۔

تم ٹھیک ہو نا؟

ہاں مگر کچھ دیر کیلئے لگ رہا تھا جیسے میری بھی سانس اٹک گئی۔

تو اب بحال ہو گئی؟ ورنہ تمہیں بھی جوس نہ پلانا پڑ جائے۔

میں اورنج کے علاوہ ہر فلیور انجوائے کرتا ہوں، خاص طور پر ایپل۔

تمہیں واقعی ضرورت ہے کیا؟

نہیں مستقبل میں میرے ساتھ ایسا کچھ ہوا تو اس کے لیے بتا رہا ہوں پتا چلا تم اورنج منگوا لو اور مجھ سے پیا نہ جائے۔ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

ایسے وقت میں بھی تمہیں یاد رہے گا کہ تم اورنج جوس نہیں پیتے؟ وہ اس کی غیر سنجیدہ انداز میں کی جانے والی گفتگو پر محظوظ ہوئی تھی۔

نہیں تمہیں یاد رہے گا کہ میں اورنج جوس نہیں پیتا۔ کہنے کے بعد وہ واپس ڈسپنسری کا رخ کر گیا۔

ارمینہ۔ وہ جانے لگی تو ارمش نے پیچھے سے آواز دے کر اسے روکا۔

یہ بے ہوش کیوں ہوا تھا؟

کمرے میں پینٹ کی بُو بہت زیادہ تھی۔ مسلسل اسی ماحول میں رہنے کی وجہ سے ان کا دماغ Saturate ہونے لگا تو وہ بے ہوش ہو گیا تھوڑا سا آگے چل کر اس نے پوچھا۔

یہ لوگ رات کو بھی یہیں سوتے ہیں کیا؟

ہاں! کیوں کہ بہت دور کے علاقوں سے آئے ہیں تو اس لیے انہیں یہیں رہنا پڑتا ہے۔

تو انہیں کہو کہ اندر نہ سویا کریں یہاں باہر سو جایا کریں تاکہ تازہ ہوا ملتی رہے۔

ٹھیک ہے خداحافظ۔ ! اس کو ضروری ہدایات دے کر وہ گھر آگئی تھی۔

اگلے دن جب وہ آئی تو اسے پتا چلا کہ ارمش نے تمام مزدوروں کیلئے رہنے کا انتظام کر دیا ہے۔اب انہیں وہاں سونے کی ضرورت نہیں تھی۔وہ صبح صبح آجاتے اور رات کو کام سے فارغ ہو کر سونے کے لیے اسی گھر میں چلے جاتے جو ارمش نے ان کیلئے قریب ہی کرائے پر لے لیا تھا۔ارمینہ جانتی تھی وہ سمجھ دار ہے لیکن مہذب اور پُرخلوص بھی ہے۔یہ اسے آہستہ آہستہ پتا چل رہا تھا۔ وہ اپنا بیگ سائیڈ پر رکھ کر ڈسپنسری کی طرف آگئی فرنیچر آگیا تھا تو اب اسے سیٹ کیا جانا تھا۔وہ الماریاں اور بیڈ ٹیبلز وغیرہ سیٹ کروا رہی تھی جب اسے ارمش آتا دکھائی دیا اس کے ساتھ ایک چودہ پندرہ سال کا لڑکا تھا جسے لیے وہ اندر آرہا تھا۔

مجھے لگا آج تم نہیں آؤ گے۔ ارمینہ نے اس کے قریب آنے کے بعد کہا۔

تم اپنی instincts پر بالکل یقین مت کیا کرو کبھی ٹھیک نہیں ہوتیں۔

ارمینہ نے برا سا منہ بنایا۔اس کے ساتھ کھڑا لڑکا پہلے ارمش کی بات پر مسکرایا پھر ارمینہ کی شکل دیکھ کر اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

بڑی ہنسی آرہی ہے نا؟ اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی غصے سے اسے گھورا تو وہ ذرا جھینپ گیا۔ارمش نے ان کا تعارف کروایا۔

یہ عمر ہے اور عمر یہ چور ہے۔ اسے اپنا تعارف زہر لگا تھا جب کہ وہ لڑکا اس بار باقاعدہ ہنسا تھا۔

میں کوئی چور نہیں ہوں ڈاکٹر ہوں ڈاکٹر ارمینہ۔

ہاں وہی۔ ارمش نے بے پروائی سے کندھے اچکا کر کہا۔

وہی کا کیا مطلب؟ تمہیں ڈاکٹر اور چور میں فرق نظر نہیں آتا؟

سوری ارمینہ! ارمش بھائی مذاق کر رہے تھے۔ اس بار اس لڑکے نے معصومیت سے کہا... اب ارمینہ نے نظریں اس لڑکے کی طرف کر لی تھیں۔

ارمینہ عمر کا گھر نہیں ہے اس لیے میں اسے گھر لے کر آیا ہوں۔ ارمش عمر کو دیکھ کر مسکرایا تھا مگر عمر مسکرا نہیں سکا تھا بس اس نے گردن جھکا لی تھی۔ارمینہ جانتی تھی یہ تشکر کا احساس تھا۔وہ ایک پل میں پچھلے لمحے کی خفگی بھلا بیٹھی تھی۔ عمر کون تھا اور کیوں آیا تھا ارمینہ سمجھ گئی تھی۔عمر ہیری ہوم کا پہلا اسٹریٹ چائلڈ تھا جو induct ہونے جا رہا تھا۔افتتاح سے بھی پہلے ہیری ہوم کو اپنی فیملی ملنا شروع ہو گئی تھی۔ارمینہ کو احساس ہو رہا تھا کہ ارمش نے ٹھیک کہا تھا، خوشی طمانیت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ہیری ہوم کی بنیاد رکھ کر اگر وہ مطمئن تھے تو آج اسے آباد

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہوتا دیکھ کر اور چہروں پر مسکراہٹ دیکھ کر وہ لوگ خوش ہوئے تھے وہ دونوں اندر چلے گئے تو وہ واپس ڈسپنسری میں مصروف ہو گئی۔

کچھ دیر بعد عمر لوٹا تو ارمش بھی ساتھ تھا۔عمر بہت بدلا ہوا لگ رہا تھا ارمش نے اس کو صاف کپڑے دلوائے تھے۔وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آیا تو ارمش ہاتھ سے اس کے بال صحیح کر رہا تھا وہ بے ساختہ مسکرائی اسے ہیری یاد آگیا تھا۔

اس نے ایک مہینے کے اندر اندر ہیری ہوم کا افتتاح کرنے کے بارے میں سوچ رکھا تھا۔کام بھی اپنے وقت کے حساب سے پرفیکٹ ہو رہے تھے۔ارمینہ نے ڈسپنسری کا کام سنبھال رکھا تھا۔وہ ایک ڈاکٹر اور ایک Peadiatrician کو ہیری ہوم کا حصہ بنا چکی تھی۔سکول کی ذمے داری ارمش نے ایک پروفیسر کو دی تھی جو ریٹائرڈ تھے اور ارمش کے جاننے والوں میں سے بھی تھے ان کے under آنے والے بہت سے نئے لڑکے لڑکیوں نے جو حال ہی میں اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے ہیری ہوم کا حصہ بننے کی خواہش کی تھی اور ارمش نے ہنسی خوشی سب کو ہیری ہوم کی فیملی میں شامل کر لیا تھا۔پہلے وہ ایک تھا تو اسے سب مشکل لگتا تھا اب اس نے ایک خاندان اکٹھا کر لیا تھا۔اس کو سپورٹ کرنے والے ساتھ دینے والے اور سراہنے والے لوگوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا ان میں سرفہرست ارمینہ تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس نے پہلے دن سے اس کا ساتھ دیا تھا وہ اس کیلئے blessing تھی۔اس نے اس بات کا اعتراف ارمینہ کے سامنے نہیں کیا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے یہاں تک آنے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔اس کی آرگنائزیشن رجسٹرڈ تھی مگر وہاں کا ہیلتھ کیئر یونٹ اور ڈسپنسری ارمینہ نے ہی رجسٹرڈ کروایا تھا۔وہ جہاں جاتی ہیری ہوم کے پمفلٹس لے جاتی اور لوگوں کو ہیری ہوم کے بارے میں بتاتی۔پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا، یوتھ آرگنائزیشنز اور ہر اس پلیٹ فارم پر جہاں ہیری ہوم کا تعارف چاہیے تھا ،اس نے کرایا تھا۔ سکول کا کام بھی شروع میں اس نے ہی سنبھالا تھا۔وہاں کی کنسٹرکشن، کلر، فرنیچر اور ضرورت کی دوسری تمام اشیا جو وہاں ہونی چاہیے تھیں، موجود تھیں اور یہ سب ارمینہ کی بدولت تھا۔ریذیڈنسی اور میس وغیرہ وہ خود دیکھ رہا تھا۔اس نے کہیں کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔فرنیچر سے لے کر استعمال کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ہیری ہوم میں موجود تھی۔

☆...☆...☆

اس نے لاؤنج کی گھڑی میں وقت دیکھا سات بج چکے تھے اور باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔کچھ گھبراہٹ میں اس نے نمک کی برنی شیلف پر رکھی۔پاپا ٹھیک آٹھ بجے کھانا کھاتے تھے یہ ان کی عادت تھی اور ان کے گھر کا اصول تھا۔وہ آج ہیری

ہوم نہیں گئی تھی کیوں کہ آج پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ان کے سر میں پھر ویسا ہی درد اٹھا تھا جو ہر تھوڑے وقفے سے ہوا کرتا تھا ان کی آنکھیں دھندلانے لگتی تھیں۔آج صبح بھی ان کی یہی حالت تھی تو اس نے ارمش کو بتا دیا تھا کہ آج وہ نہیں آئے گی۔دوپہر تک وہ بہتر محسوس کرنے لگے تھے اور سو بھی گئے تھے۔ ارمینہ نہیں جانتی تھی یہ مسئلہ ان کے ساتھ کب سے تھا۔ بہت سے ڈاکٹرز ان کا معائنہ کر چکے تھے۔وہ کسی بات کی ذرا سی بھی ٹینشن لیتے تو ان کے سر میں ٹیسیں اٹھنے لگتیں، خون کی گردش میں اضافہ ہوتا تو درد میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ارمینہ نے کئی بار ان سے پوچھا تھا مگر ہمیشہ خاموش رہتے مگر جب وہ بڑی ہوئی تو اسے اندازہ ہوگیا کہ کچھ تو ہے جو انہیں پریشان رکھتا ہے اور اسے اپنے تک ہی رکھتے تھے۔

ڈوربیل بجی تو اس نے فرید بابا سے گیٹ کھولنے کا کہا۔کچھ ہی دیر میں فرید بابا ارمش کے ساتھ اندر آرہے تھے۔اس کے ہاتھ سے چمچ گرتے گرتے بچا تھا۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہارے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آگیا ان سے ملنے، کہاں ہیں وہ؟ سو تو نہیں رہے؟

سو رہے تھے مگر اٹھ گئے ہیں مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے، دواؤں کی وجہ سے کچھ سر بھاری ہو رہا تھا تو فریش ہونے گئے ہیں۔

اوہ! چلو پھر میں انتظار کر لیتا ہوں۔

ہاں ضرور! بیٹھو۔ وہ لاؤنج سے کرسی لینے جانے لگی تو وہ اس سے پہلے خود ہی کرسی لے آیا۔

ویسے تم کر کیا رہی ہو؟ اس نے کچن کے شیلف پر پھیلے سامان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

اوہ یہ! پاپا کو تھوڑا لائٹ کھانا کھانا ہے تو میں ان کے لیے ویجیٹیبلرائس بنا رہی تھی۔

اوہ اچھا وہ کچن شیلف پر ہی کہنی ٹکائے اسے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔وہ پھرتی سے ہر کام کر رہی تھی جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ روز ہی کچن میں آتی تھی۔

پاپا کو آٹھ بجے کھانا چاہیے ہوتا ہے لیکن میں آج لیٹ ہو گئی ہوں۔ وہ ارمش کی طرف پشت کیے اپنے کام میں مگن بول رہی تھی۔ارمش چیئر سے اٹھ کر اب کچن کے اندر آگیا تھا اس نے باسکٹ سے تمام سبزیاں الگ الگ کرنا شروع کر دی اور پھر وہ چھری ڈھونڈنے لگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ کیا کر رہے ہو تم؟ وہ اس کی حرکات و سکنات دیکھ کر بولی۔

تمہاری ہیلپ! لیٹ ہو رہی ہو ناں؟

لیکن تمہیں کرنے کی ضرورت نہیں میں کر لوں گی۔

ہاں کر لو گی مگر اس چوتھے گیئر کی اسپیڈ سے کرو گی تو یا تو ہاتھ جلا لو گی یا کاٹ لو گی۔ اس نے اس کے ہاتھ سے چھری لے لی اور پھر وہ سبزیاں کاٹنے لگا اس کا ہاتھ کسی ماہر شیف کی طرح چل رہا تھا۔ارمینہ کچھ دیر اس کے ہاتھوں کی حرکت کو دیکھتی رہی پھر اپنے کام میں لگ گئی اس نے دس منٹ کے اندر اندر وہ ساری سبزیاں چھیل کر کاٹ کر اس کے آگے پیش کر دی تھیں۔

ارمش آیا ہے کیا؟ ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔وہیل چیئر پر بیٹھے ارمینہ کو وہ پہلے سے بہت فریش لگ رہے تھے۔

السلام علیکم انکل!

وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہو؟

میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟ ارمینہ نے بتایا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں آپ سے ملنے آگیا۔ ارے ہاں بیٹا! سر میں درد تھا ذرا۔ یہ لڑکی بہت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

exaggerate کر دیتی ہے اور ارمینہ یہ کیا کرروا رہی ہو تم اس سے؟ کیوں خانساماں بنا دیا بے چارے کو؟

پاپا میں نے نہیں کہا اسے خود ہی شوق ہو رہا تھا تو میں کیا کروں۔

حد کرتی ہو! ارمش آؤ باہر آجاؤ۔

جی ! وہ ہاتھ دھونے سنک کی طرف چلا گیا اور وہ اپنی ویل چیئر کھسکاتے صوفوں کی طرف بڑھ گئے۔اتنے میں ارمینہ اس کے لیے ٹشو لے آئی تھی۔

شکریہ وہ کچن سے جانے لگا تو ارمینہ نے اس سے کہا۔

یہ مت سمجھنا میں نے تمہاری ہیلپ کی ہے۔میں نے سوچا انکل کو ایک دن تو ڈھنگ کا کھانا ملے۔ کہتا ہوا وہ کچن سے باہر چلا گیا اور وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔

کہو بھئی کیسا جا رہا ہے ہمارا ہیری ہوم؟

آپ کی دعائیں ہیں انکل بہت اچھا جا رہا ہے۔کام تو تقریباً ختم ہو چکا ہے۔بس اگلے ہفتے افتتاح ہے۔آپ بھی آیئے گا۔مجھے بہت خوشی ہو گی۔

بیٹا میرا آنا ذرا مشکل ہے۔تمہیں پتا ہے میں گھر سے ذرا کم نکلتا ہوں۔

جانتا ہوں مگر آپ میری inspiration ہیں، میں چاہتا ہوں آپ وہاں ہوں۔

وعدہ نہیں کرتا مگر کوشش کروں گا۔ ان کے جواب پر وہ مسکرا دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آٹھ بج گئے ہیں اور کھانا ٹیبل پر لگ گیا ہے۔چلیں آجائیں باقی باتیں ڈنر ٹیبل پر۔ وہ اعلان کرتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔کچھ دیر بعد وہ لوگ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ رہے تھے اور ارمینہ ایئرپورٹ کا کوئی قصہ دونوں کے گوش گزار کر رہی تھی۔ کتنی دفعہ کہا ہے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھ کر باتیں نہیں کرتے مگر تمہیں سارے دن کی کہانیاں کھانے کی میز پر ہی یاد آتی ہیں۔ اس کے قصے سے تنگ آکر سرفراز صاحب نے کہا۔

کیا کروں پاپا اس وقت میرا دماغ فارغ ہوتا ہے۔مجھے وہ سب کچھ یاد آجاتا ہے اور میں آپ کو بتاتی جاتی ہوں۔ جبھی تمہیں ہر روز کھانے کے دوران پھندا لگ جاتا ہے۔ وہ سنجیدگی اور نرمی سے بولے تھے۔ارمش دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔کہیں نہ کہیں اسے ارمینہ سے کامپلیکس ہوا تھا۔اس کے پاپا ارمش کی پرواہ کرتے تھے اس سے محبت بھی کرتے تھے مگر اس کا اس طرح اظہار نہیں کرتے تھے جو ارمینہ کو سننا نصیب تھا۔ارمش اور اس کے پاپا کے بیچ کسی قسم کا کوئی کھچاؤ نہیں تھا مگر اس نے تو ابھی تک ان کو ہیری ہوم کی افتتاحی تقریب کے بارے میں بھی نہیں بتایا تھا۔اسے کچھ شرمندگی ہوئی وہ اب ٹیبل پر بیٹھ چکے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمش آیا تھا تو کچھ اچھا بنا لیتیں ارمینہ! اسے بس ویجیٹیبل رائس کھلا کر بھیج دو گی تم؟

نہیں انکل میں بس آپ سے ملنے آیا تھا مگر ویجیٹیبل رائس تھے اس لیے کھانے بیٹھ گیا۔میں سادے کھانے کا شوقین ہوں۔ویسے بھی بابا کہتے ہیں سادے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

ان کے ہاتھ یک دم رک گئے تھے اور چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے مگر کسی نے محسوس نہیں کیا۔

ارے واہ! میرے پاپا کا بھی یہی خیال ہے لیکن میرے پاس اس کی ایک لوجک ہے۔پتا ہے سادہ کھانا کم کھایا جاتا ہے اس لیے اس میں برکت ہوتی ہے۔ It s human behaviour اگر کھانا من پسند نہ ہو تو پیٹ جلدی بھر جاتا ہے اس لیے زیادہ بچ جاتا ہے۔

ارمینہ انہوں نے اسے گھورا تو وہ خاموش ہو گئی۔

فرید بابا میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔چلیں جلدی آجائیں باقی کام بعد میں مل کر لیں گے۔ اس نے فرید بابا کو بلاتے ہوئے کہا۔

اچھا بیٹا! وہ آکر ٹیبل پر بیٹھ گئے تھے۔ارمش کیلئے یہ سب کچھ نیا تھا۔اس گھر میں بہت اپنائیت تھی۔ارمینہ کا گھر چھوٹا تھا مگر خلوص اور محبت سے بھرپور تھا۔ان کے پاس جو جیسا تھا وہ اس میں خوش تھے۔ان کی زندگی مکمل تھی کہیں کوئی خلا نہیں تھا۔خلا اگر کہیں تھا تو اس کی اپنی ذات میں تھا۔کم از کم اس نے یہی سوچا تھا۔

ارمینہ سبزیوں کو دیکھ کر ہی لگ رہا ہے کہ یہ ارمش نے کاٹی ہیں۔ وہ کھانا کھا چکے تو بولے۔

کیوں آڑھی ٹیڑھی ہیں؟ اس نے مکمل سنجیدگی سے چمچہ منہ میں ڈال کر کہا۔

نہیں بہت سلیقے سے کٹی ہوئی ہیں۔ وہ جانتی تھی جواب یہی آئے گا مگر وہ پھر بھی کچھ شرمندہ ہو گئی تھی اور ارمش کے چہرے کی مسکراہٹ نے اسے مزید شرمندہ کر دیا۔

مگر ذائقہ ویسا ہی ہے جیسا ارمینہ بی بی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ فرید بابا واحد تھے جو اس کی مسکراہٹ کی خاطر اس کی حمایت میں بولے تھے۔اس کی مسکراہٹ واقعی دیدنی تھی۔

ارمش مجھ سے زیادہ یہ لڑکی فرید بابا کی لاڈلی ہے۔

انکل! فرید بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں ذائقہ واقعی اچھا ہے اور یہ ارمینہ کے ہاتھوں کی ہی وجہ سے ہے۔ وہ یک ٹک ارمش کا چہرہ دیکھنے لگی۔یہ پہلی بار تھا جب اس نے واقعی اس کی تعریف کی تھی وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔وہ لوگ کھانا کھا چکے تو ارمش جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔اس نے پہلے ارمینہ کے پاپا سے ہاتھ ملایا۔

اپنا خیال رکھا کریں انکل۔

تم آتے رہا کرو بیٹا مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب تم آتے ہو۔ وہ مسکرائے تھے۔

جی ضرور آؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے فرید بابا سے بھی ہاتھ ملایا۔ارمینہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

تو آج تم نے فائنلی قبول کر لی میری کوئی اچھی بات۔

اگر تم ویجیٹیبل رائس کی بات کر رہی ہو تو میں تمہارے پاپا کے سامنے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس میں نمک تیز ہے انہیں برا لگتا۔ اس نے معصومیت سے فقرہ مکمل کیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ اندر آگئی تھی۔

☆...☆...☆

السلام علیکم امی! گھر آتے ہی اسے امی نظر آگئی تھیں۔

وعلیکم السلام ارمش کہاں ہوتے ہو تم بیٹا؟ نہ دن کا پتا نہ رات کی خبر۔

کہیں نہیں ہوتا امی عیش کر رہا ہوں۔ اس کے جملے پر وہ ہنس دی تھیں۔

اکیلے اکیلے عیش کر رہے ہو میرے بھائی؟ وہ ارحم کی آواز پر یکدم پلٹا تھا۔

ارحم! وہ ایک لمحہ میں ارحم کے گلے جا لگا تھا۔

تمہیں نہیں پتا ارحم تمہیں دیکھ کر میں کتنا خوش ہوں۔

مجھے پتا تھا بھائی تم مجھے مِس کر رہے ہو گے اب ہر کوئی ارحم رضا ابراہیم تو نہیں۔ ارمش اس کے جملے پر مُسکرایا تھا۔

ٹھیک کہا! ہر کوئی ارحم نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک بار پھر ایک دوسرے کے گلے لگے۔

شام سے آیا ہوا ہے یہ اور تمہارا پوچھے جا رہا ہے۔ امی نے اسے بتایا تھا۔

بھابھی اور امل کہاں ہیں؟

وہ لوگ بھی سنڈے تک آجائیں گے۔

ارے یار تمہیں پتا ہے ناں مجھے تم سے زیادہ انتظار امل کا ہوتا ہے تم اسے ہی نہیں لائے۔ امل ارحم کی چار سالہ بیٹی تھی۔اس کے نہ آنے پر ارمش نے شکوہ کیا تھا۔

ہاں جانتا ہوں! مجھ سے زیادہ وہ تمہاری سگی ہے مگر میں جلدی آگیا، بیگم صاحبہ کو کچھ دن اپنی امی کے ہاں گزارنے تھے۔ چلو ٹھیک ہے مان لیتا ہوں۔

کھانا لگا دوں میں اب؟ ارحم کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے کہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ وہ کھانا کھا چکا تھا مگر اس نے ظاہر نہیں کیا وہ ارحم کا دل رکھنا چاہتا تھا۔

جی لگا دیں امی! مجھے بھی اس کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔

کیا مجھے نہیں پوچھو گے تم دونوں؟ بابا کی آواز پر وہ دونوں پلٹے تھے۔

آئیں بابا سب ساتھ کھاتے ہیں۔ ارحم نے فوراً بابا کو بلایا تھا۔

ارمش ہیری ہوم کی کا افتتاح کب ہے یار؟ وہ لوگ کھانا کھانے بیٹھ چکے تھے تو ارحم نے سوال کیا۔

ہاں وہی بتانے والا تھا اگلے ہفتے ہے انشاء اللہ! اتوار کے بعد رکھیں گے تاکہ بھابھی اور امل بھی شامل ہو جائیں۔

خوش رہو اللہ تمہیں کامیابی دے۔ بابا نے فوراً کہا تھا اور وہ کھانا کھاتے کھاتے رُک گیا تھا۔اسے ایسے جملے کم ہی سننے کو ملتے تھے۔اس نے گردن نہیں اٹھائی بس پلیٹ میں چمچ گھمانے لگا۔زندگی میں انسان چاہے کتنا ہی اناپرست کیوں نا ہو، کتنا ہی لوگوں کو یقین دلاتا پھرے کہ اسے محبتوں کی ضرورت نہیں مگر جب اسے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

خلوص اور محبت کی پھوار نصیب ہوتی ہے تو وہ کسی ترسے ہوئے کی طرح پوری بانہیں پھیلا کر اسے اپنے وجود میں اتار لینے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔

اسے ذرا بھی بھوک نہیں تھی مگر پھر بھی وہ سب کے ساتھ چند نوالے کھا کر فارغ ہوا۔کھانے کے بعد سب کے لیے چائے اور اس کے لیے کافی بنائی گئی تھی، یہ معمول تھا، سب چائے پیتے تو وہ کافی ہی پیتا تھا، اسے چائے سے رغبت نہیں تھی۔

کتنے دن کے لیے آئے ہو ارحم؟ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بابا نے سوال کیا۔

دس دن کے لیے بابا۔

ہوں! تمہاری ڈیوٹیز تو صحیح جا رہی ہے ناں؟

جی بابا! بلکہ بہت اچھی، رضوان سر بہت تعریف کر رہے تھے میری۔ ارحم کے جواب پر ان کے چہرے پر فخر کی چمک ابھری تھی۔جب کہ اس کا چہرہ کچھ مرجھا گیا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ اسے ارحم سے کوئی حسد تھا مگر جب بھی بابا ارحم کی تعریف کرتے یا کوئی اور ارحم کی تعریف کرتا تو اسے عجیب سا احساس کمتری ہونے لگتا تھا... کیوں کہ جب بھی کوئی ارمش کے بزنس کی تعریف کرتا تو بابا کا چہرہ سپاٹ ہی رہتا، جیسے انہیں فرق ہی نہ پڑا ہو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

امی اور بابا سونے چلے گئے تو وہ اور ارحم اوپر اس کے کمرے میں آگئے۔

یہ بتاؤ یہ این جی او کا خیال کہاں سے آیا تمہیں؟ ارحم نے کاؤچ پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔ارمش پہلے ہی بیڈ پر لیٹ چکا تھا۔

شاید قسمت میں تھا میری۔ پھر اس نے ساری کہانی ارحم کو سنا دی۔

بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کے واقعات میں چھپی نصیحت کو ڈھونڈ لیتے ہیں اور اس سے بھی کم وہ ہوتے ہیں جو اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔تم نے دونوں کام کئے ہیں۔I am proud of you my brother!وہ مسکرا دیا۔

بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو سو جاؤ کل بات کرتے ہیں۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ارحم نے کہا۔

نہیں نہیں یار ارحم بیٹھ جاؤ اتنے دن بعد تو تمہاری شکل دیکھنا نصیب ہوئی ہے۔ ارمش نے کہا تو ارحم ہنس دیا۔

☆...☆...☆

وہ ہیری ہوم کے دروازے پر کھڑا ہیری ہوم کا بورڈ دیکھ رہا تھا جو ابھی ابھی لگا تھا۔اس نے ایک نگاہ بورڈ پر ڈالی پھر ایک مسرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ برابر میں کھڑے عمر کو دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بولو کیسا لگ رہا ہے عمر؟

بہت زبردست ارمش بھائی۔ عمر اب پہلے سے زیادہ بہتر ہو گیا تھا۔اتنے دن میں اسے بات کرنے کا طریقہ، کپڑے پہننے کا ڈھنگ، چلنے کا سلیقہ اور لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب سکھانے والا ارمش بھی تھا اور ارمینہ بھی، دونوں کو ہی اس سے کچھ خاص لگاؤ تھا۔وجہ شاید یہ تھی کہ وہ ہیری ہوم میں آنے والا پہلا بچہ تھا۔

ہارن کی آواز پر وہ دونوں پلٹے۔گاڑی میں ارمینہ اور اس کے پاپا بیٹھے تھے۔وہ چلتا ہوا ان کی کار کے پاس آیا۔عمر بھی ان کے ساتھ تھا ارمش نے انہیں کار سے نکلنے میں مدد دی وہ اب اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے ہیری ہوم کے دروازے اور بورڈ وغیرہ کا جائزہ لے رہے تھے۔

انکل آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔مگر آپ نے کل آنا تھا ناں۔افتتاحی تقریب تو کل ہے۔ سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔

جانتا ہوں کل ہے مگر میں آج ایک کام سے شکرپاراں جا رہا ہوں۔ پرسوں تک آؤں گا اس لیے افسوس کہ کل شرکت نہیں کر پاؤں گا۔ ارمش کے چہرے پر اداسی واضح تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

معاف کرنا بیٹا ضروری کام ہے جبھی میں آج آگیا تاکہ تمہاری محنت کو سراہ تو سکوں۔ وہ مسکرایا تھا۔

چلیں کوئی بات نہیں آپ اندر تو آئیں۔

عمر اور ارمینہ بھی ان دونوں کے پیچھے چل دیئے۔وہ ابھی اندر نہیں گئے تھے۔ کسی نے ارمش کو آواز دے کر روکا۔

مسٹر ارمش رضا ابراہیم آپ ہیں؟

جی ہاں میں ہوں۔ دیکھئے آپ کی این جی او غیر قانونی ہے۔آپ اسے اناگریٹ نہیں کر سکتے۔ اور ارمش کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔

☆...☆...☆

ان کا نکاح ہوئے ایک گھنٹہ ہوا تھا۔اب وہ مہمانوں سے مل رہا تھا۔آج کا دن سرفراز کی زندگی کا سب سے خوبصورت بہار لے کر آیا تھا۔ آج اس کی زندگی کا ایک مقدس حصہ بن گئی تھی۔سرخ جوڑے میں سجی وہ کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔امی جی کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔خوشی ان کے چہرے پر آنسو بن کر چھلک رہی تھی اور آج انہوں نے اپنے آنسو نہیں چھپائے وہ یہ سرشاری سب کو دکھانا چاہتی تھیں۔زندگی میں خوشی کے جتنے بھی پل تھے ان کے بیٹے کی ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مرہون منت تھے۔آج شادی میں آنے سے قبل انہوں نے اس کی نظر بھی اتاری اور اسے ڈھیر ساری دعائیں بھی دی تھیں۔کچھ قبول ہو جانے والی تھیں اور کچھ اللہ کو منظور نہیں تھیں۔

☆...☆...☆

آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ میری این جی او آفیشلی رجسٹرڈ ہے۔میں نے سارے ریکوائرڈ ڈاکیومینٹس خود جا کر جمع کروائے تھے، کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ آپ چاہیں تو میرے لیگل ایڈوائزر سے بات کر سکتے ہیں۔ وہ ان کی بات پر ایک دم ہی پریشان ہو گیا تھا۔

دراصل آپ نے جو کاغذات جمع کروائے ہیں، وہ میچ نہیں ہورہے۔آپ نے مسٹر ڈینیل ہیریسن کو بھی ٹرسٹی بنایا ہے جبکہ انہوں نے ودڈرال کی درخواست جمع کرائی ہے۔جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا آپ اسے اناگریٹ نہیں کر سکتے۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

اس این جی او کے ٹرسٹی وہ تمام لوگ تھے جو اس کی کمپنی کا بورڈ تھا۔ڈینیل ہیریسن وہ آسٹریلین نیشنل تھا جو ان کے ساتھ اس بورڈ میں شامل تھا۔اس نے ٹرسٹی بنانے سے پہلے ہر ایک سے اجازت لی تھی اور سب نے ہامی بھری تھی۔ڈینیل نے بھی،

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بلکہ وہ تو بہت خوش تھا۔البتہ ان میں سے کسی کا بھی این جی او سے ویسا لگاؤ نہیں تھا جیسا ارمش کا، مگر بہر حال وہ اس کا حصّہ ضرور تھے۔

سر مجھے تھوڑا وقت دیں میں اس مسئلے کا حل نکال لوں گا، میں مسٹر ڈینیل سے بات کر لوں گا۔مگر آپ افتتاح ہو جانے دیں سب تیاریاں مکمل ہیں۔

جب تک کاغذات verify نہیں ہو جاتے اور یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا آپ افتتاح نہیں کر سکتے۔

تو پھر میں یہ مسئلہ آج ہی حل کر دوں گا۔ اس نے اپنا موبائل نکال کر ڈینیل کا نمبر ڈائل کیا۔اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ارمش کو غصہ نہیں آ رہا تھا بلکہ ڈینیل کے رویئے پر حیرانی ہو رہی تھی۔وہ ایسا نہیں تھا کہ اسے اس طرح بتائے بغیر withdrawal لے لیتا، مگر اب وہ غائب تھا۔

ارمش اب کیا کرو گے؟ ارمینہ نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔عمر بھی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

اناگریشن ہو گی ارمینہ انشاء اللہ۔ اس نے یقینی انداز میں کہا اور جانے لگا۔

ارمش اس کے عقب میں سرفراز انکل کی آواز سنائی دی۔

انکل آئی ایم سوری! آپ پہلی بار آئے اور آپ کو یہ سب دیکھنا پڑا۔

نہیں بیٹا کوئی بات نہیں مگر میری ایک بات سنتے جاؤ۔ وہ ان کے قریب آیا اور گھٹنوں کے بل ان کے آگے بیٹھ گیا۔انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر مسکرا کر کہا۔

مومن مشکل کے وقت گھبراتا نہیں ہے، میں جانتا ہوں ہیری ہوم کا افتتاح کل ہو گا لیکن یادرکھنا جب انسان کچھ برا کرتا ہے تو سب آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔مگر جب انسان کچھ اچھا کرتا ہے تو مشکلات گِدھوں کی طرح اس پر حملہ کرتی ہیں۔ان گِدھوں کو آزمائش سمجھنا اور دُعا کرنا کہ اللہ تمہیں ان گِدھوں سے محفوظ رکھے۔میں بھی دُعا کروں گا۔

شکریہ انکل ۔اس نے ان کے ہاتھ پر ایک بوسہ دیا اور گاڑی میں بیٹھ کر لمحے بھر میں غائب ہو گیا۔

☆...☆...☆

وہ گھر آگئے تھے اور گھر آتے ہی انہوں نے کسی کو فون کیا۔

ہیلو ڈینیل! تم نے ایک اچھا کام کیا ہے۔تمہارا شکریہ۔ انہوں نے کال ریسیو ہوتے ہی انگریزی میں کہا۔

Pleasure is all mine جواب مختلف انگریزی لہجے میں آیا تھا۔پھر انہوں نے فون رکھ دیا۔وہیل چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے وہ مطمئن تھے۔

ارمش فوراً آفس آیا اور اس نے باقی سب سے پوچھا۔کسی کو ڈینیل کے اس فیصلے کے بارے میں نہیں پتا تھا بلکہ سب حیران تھے۔اس نے اندر آ کر ڈینیل کے آسٹریلین آفس کا نمبر ڈائل کیا۔فون ریسپشنسٹ نے اٹھایا۔

ڈینیل سے بات کروائیں میں ارمش رضا ابراہیم ہوں۔ اگلے لمحے فون پر ڈینیل تھا۔

ڈینیل تم نے ٹرسٹ سے ودڈرال کی اپیلیکیشن فائل کی ہے؟

ہاں ارمش۔

کیوں؟ اور وہ بھی آج؟

کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ ہیری ہوم گرو کرے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ڈینیل ۔

اگر تمہاری این جی او میں کوئی غیر ملکی ٹرسٹی شامل ہے تو تم غیر ملکی طور پر اپنی این جی او کیلئے فنڈز جمع نہیں کر سکتے تھے اور میں ایسا نہیں چاہتا۔میں چاہتا ہوں تمہارا فنڈ دنیا کے ہر ملک سے آئے، خود آسٹریلیا میں بھی میں نے بہت سے لوگوں سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

رابطہ کیا ہے، جو تمہاری این جی او کو سپورٹ کرنا چاہتے ہیں مگر میں جب تک بورڈ آف ٹرسٹیز میں شامل ہوں تم غیر ملکی ڈونیشنز نہیں لے سکتے ارمش۔

میں یہ بات بہت پہلے سے جانتا ہوں ڈینیل۔میں نے تمہیں اپنی مرضی سے شامل کیا تھا سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔ہم ہمیشہ ساتھ رہے ہیں ڈینیل، تم نے ہر موقع پر میرا ساتھ دیا ہے تو پھر اب؟؟؟

میں جانتا ہوں ارمش تم خود سے کبھی نہیں بولتے مگر میں ہیری ہوم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتا کیوں کہ میں تم سے اور ہیری ہوم سے بہت پیار کرتا ہوں یار۔یہ مت سمجھو کہ میں ہیری ہوم کا حصہ نہیں ہوں۔میں ہوں، تم جب چاہو گے میں حاضر رہوں گا۔مجھے ٹرسٹ کے اس قانون کا پہلے نہیں پتا تھا مجھے کل ہی پتا چلا، ورنہ میں پہلے ہی یہ کام کر لیتا تاکہ تمہیں پریشانی نہ ہوتی اب مجھے پتا چلا تو میں نے آج ہی درخواست ای میل کر دی۔ ارمش کچھ بول نہیں پایا۔

دس منٹ کے راستے میں نہ جانے کتنے وسوسے کتنے خوف تھے اسے اور اب دس منٹ بعد یہ سب blessing in disguise تھا۔اسے ڈینیل پر پیار آرہا تھا۔

تم جانتے ہو ڈینیل تم ایک ایسے آسٹریلین ہو جو پاکستانی بھی ہے۔ دوسری طرف ڈینیل کی ہنسی کی آواز گونجی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کیوں نہیں ارمش! پاکستان سے محبت کسے نہیں ہو گی؟ آخر یہ ارمش رضا ابراہیم کا ملک ہے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

شکریہ۔

شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں ارمش، بس ہیری ہوم کی اناگریشن اسپیچ میں ایک بار ڈینیل ہیریسن کا نام ضرور لینا مجھے خوشی ہو گی۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی تمہیں ڈینیل۔

کچھ لمحوں بعد وہ واپس اپنی کار میں آ بیٹھا۔لوگ کس طرح آپ کی زندگی میں اپنی وقعت کو بڑھا لیتے ہیں۔سارے راستے وہ ڈینیل کو وعدہ خلاف سمجھتا آیا تھا مگر ڈینیل نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔وفاداری، ایمان داری، محبت، دوستی اور بہت کچھ۔وہ ڈینیل ہیریسن کا مقروض تھا، احسان مند تھا۔دراصل وہ وہیل چیئر پر بیٹھے اس انسان کا احسان مند تھا جس نے ڈینیل کو اس قانون کے بارے میں بتایا تھا۔

اللہ نے ارمش کو گِدھوں سے پناہ دے دی تھی۔

اس نے ایک دن میں اتنی بھاگ دوڑ کبھی نہیں کی تھی۔اس نے ڈینیل کا نام ٹرسٹیز کی فہرست سے نکال دیا تھا اور تمام دستاویزات کو دوبارہ compile کر کے انہیں ای میل کر دیا تھا مگر شام چھے بجے تک اس کے پاس جوابی ای میل نہیں تو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس کی امیدیں ڈوبنے لگیں۔وہ ہیری ہوم کے آفس میں بیٹھا اپنا لیپ ٹاپ کھولے اسی ای میل کے انتظار میں تھا، جو اس کے لیے بہت اہم تھی وہ پچھلی دو راتوں سے نہیں سویا تھا مگر پھر بھی اس کی آنکھوں میں کہیں نیند نہیں تھی۔

ارمینہ اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔اس کی نظریں بھی اسکرین پر جمی تھیں۔

ارمش ڈر لگ رہا ہے مجھے کل کی ساری تیاریاں پوری ہیں اگر میل نہیں آئی تو؟

اس نے لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے سوال کیا تو ارمش نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

کب تک اس اسکرین کو تکتے رہیں ! چلو angry birds کھیل لیتے ہیں۔ ہر چیز سے بے نیاز اس نے کہا تو ارمینہ کو لگا اس کی دماغی حالت درست نہیں۔

اتنے مشکل وقت پر تمہیں angry birds کا خیال کہاں سے آگیا؟

تمہاری شکل دیکھ کر۔ یہ کہتا ہوا وہ واقعی گیم کھیلنے لگا۔

جب میل آئے گی تو نوٹیفکیشن آ جائے گا۔relax ارمینہ خود بھی جانتی تھی کہ ارمش صرف situation کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا ورنہ اندر سے وہ بھی اتنا ہی پریشان تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اسی لمحے لیپ ٹاپ کی اسکرین چمکی اور ارمش نے بے ساختہ کہا یااللہ تیرا شکر! ارمینہ کی خوشی کے مارے آواز ہی نہیں نکلی تھی۔وہ بس میل کو بار بار پڑھ رہی تھی جو اجازت نامہ تھا اور یقینا ارمش کی محنت اور بھاگ دوڑ کے نتیجے میں آیا تھا۔ وہ لوگ کل افتتاح کر سکتے تھے۔ارمش کو میل پڑھ کر احساس ہوا کہ زندگی آپ کو کس کس طرح باور کراتی ہے کہ آپ بے بس ہیں بس ایک ذات ہے جس کے کُن کا آپ کو ہر بار انتظار کرنا پڑتا ہے، آپ چاہے اپنا سوفیصد ہی کیوں نہ دے دیں وہ چاہے گا تو ہو گا نہیں چاہے گا تو نہیں ہو گا۔

☆...☆...☆

فجر کی اذانیں کب شروع ہوئیں انہیں پتا ہی نہیں چلا تھا۔یہ ان کا معمول تھا۔وہ جب بھی شکرپاراں کے اس قبرستان آتے۔یوں ہی اردگرد سے بے خبر ہو جاتے تھے۔وہ روتے نہیں تھے بس وہاں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے۔وہ دو قبریں تھیں بالکل ساتھ ساتھ، وہ ان دونوں قبروں کے پائنتی بیٹھ کر گھنٹوں گزار دیتے، بنا ایک آنسو بہائے، بنا ایک لفظ کہے۔وہ آتے تھے سلام کرتے تھے اور پھر تلاوت شروع کر دیتے تھے۔تھک جاتے تو رک جاتے، سانس بحال ہونے پر وہ پھر شروع

کر دیتے اور یہ عمل تب تک جاری رہتا جب تک فرید بابا آکر ان کو وہاں سے لے نہ جاتے۔

فرید بابا کو ہدایت تھی کہ وہ انہیں فجر سے پہلے وہاں سے نہ لے جائیں تو وہ فجر کی اذانوں پر ہی آتے، پھر وہ مسجد میں فجر کی نماز ادا کرتے اور پھر وہیں سے ایئرپورٹ چلے جاتے اور کراچی واپس آجاتے اگر ان کی فلائٹ میں وقت ہوتا تو وہ مسجد میں ہی ٹھہر جاتے۔فریدبابا کو اکثر تشویش ہوتی تھی کہ وہ اپنا گھر ہوتے ہوئے بھی وہاں کیوں نہیں جاتے مگر انہوں نے کبھی فرید بابا کو اس بات کا جواب نہیں دیا البتہ وہ فرید بابا کو ہر مہینے شکرپاراں کے اس گھر کی صفائی کرنے ضرور بھیجا کرتے تھے۔

☆...☆...☆

چاچو اس نے دور کہیں سے امل کی آواز سنی تھی اور پلٹ کر دیکھا تھا وہ دونوں ایئرپورٹ کے لاؤنج سے باہر آرہے تھے۔ دیکھو اس نے بابا کے بجائے چاچو کہا ہے۔ ارحم نے شکایت کی تو وہ ہنس دیا۔اتنے میں وہ بھاگتی ہوئی ارمش کے پاس آگئی تھی اور اس کی گود میں چڑھ گئی۔

کیسی ہے میری جان امل؟ اس کے گالوں پر پیار کرنے کے بعد اس نے پوچھا۔

میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں چاچو؟

آپ آگئیں تو میں ٹھیک ہوں۔السلام علیکم بھابھی کیسی ہیں آپ؟

و علیکم السلام میں ٹھیک ہوں اور یہ لڑکی تو اپنی نانو کے ہاں بھی نہیں رک رہی تھی۔ایسی دیوانی ہے تمہاری۔ اس بات پر وہ ہنس دیا۔

چلو بھئی گھر چلتے ہیں اب امی بابا انتظار کر رہے ہیں۔ ارحم کے کہنے پر وہ لوگ گاڑی کی طرف چل دیئے۔امل اب بھی ارمش سے باتوں میں مصروف تھی۔

وہ لوگ گھر آئے تو امل اپنے دادا اور دادی سے بھی بہت محبت سے ملی۔گھر میں یک دم رونق دگنی ہو گئی تھی۔وہ لوگ اب ڈنر ٹیبل پر اکٹھے تھے۔

ارمش تمہیں بہت مبارک ہو ہیری ہوم کے لیے اور بہت سی دعائیں بھی۔ تھینک یو بھابھی۔

اس نے مسکرا کر رحمت کو جواب دیا۔

کل تقریب کب ہے؟ بابا نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

بابا نو بجے۔آپ آئیں گے؟ انہوں نے کچھ وقت لیا پھر گردن ہلا کر ہامی بھر لی۔

کل وہ ارمینہ محمود سے پہلی بار ملنے والے تھے۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پروگرام شروع ہو چکا تھا اور اسٹیج پر چڑھے چند بچے فیض احمد فیض کی نظم پڑھ رہے تھے۔ہم دیکھیں گے۔وہ مصروف ہونے کے باوجود رک کر ان کی وہ نظم سُن رہا تھا۔تمام ٹرسٹیز وہاں موجود تھے۔ارحم، رحمت اور امل بھی وہیں تھے۔ارمش دروازے پر کھڑا سب کا استقبال کر رہا تھا۔ربن کاٹنے کی باقاعدہ تقریب وہ بابا کے ہاتھوں کروانے والا تھا۔بابا اور امی ابھی تک نہیں آئے تھے وہ خود صبح نو بجے شروع ہونے والی تقریب کے لیے صبح چھے بجے سے یہاں موجود تھا۔ایسا کوئی کام نہیں تھا کہ اسے اتنا جلدی آنا پڑتا، بس گھبراہٹ تھی جیسے سکون نہ آرہا ہو، اس نے سادہ سا سیاہ شلوار قمیص زیب تن کر رکھا تھا، آستینوں کو عادتاً کہنیوں تک موڑے سلیقے سے بالوں کو سنوارے ہاتھ کی کلائی پر اپنی سب سے پسندیدہ گھڑی پہنے آج سب سے سادہ مگر سب سے منفرد لگ رہا تھا۔ساڑھے نو ہو چکے تھے مگر ارمینہ اب تک نہیں آئی تھی۔اسے تشویش ہونے لگی حالاں کہ اس نے خاص طور پر آج اپنی ڈیوٹی سے چھٹی لے رکھی تھی۔دروازے پر کھڑے وہ اس کو کال ملانے لگا اور کال ملاتے ملاتے باہر آگیا تھا جب اس نے ارمینہ کو دیکھا، اس نے ایش گرے رنگ کا خوبصورت لباس پہن رکھا تھا جو اس کے پیروں تک جا رہا تھا۔دوپٹے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کو بہت سلیقے سے کندھے پر ڈال رکھا تھا۔بال اس کے ایک طرف سے پن سے رکے ہوئے تھے جب کہ دوسری طرف سے کھلے ہوئے تھے۔

ارمینہ آج تک اسے صرف پیاری لگی تھی مگر آج خوبصورت لگ رہی تھی۔اسے اپنے اردگرد میں لوٹ آنے میں چند پل لگے تھے اور پھر اس نے ارمینہ کو کسی رکشے والے سے بات کرتے دیکھا تھا۔ساتھ میں جاوید بھائی بھی کھڑے تھے۔اس نے رکشے پر غور کیا تو رکشہ بہت تباہ حال نظر آرہا تھا۔اب اسے حالات کی کچھ کچھ سمجھ آرہی تھی۔

وہ کچھ پریشان سی گاڑی سے اُتری تھی دیر ہو جانے کی وجہ سے اس نے جاوید بھائی کو گاڑی کی رفتار تیز کرنے کا کہا تھا اور اب ہیری ہوم کے گیٹ سے کچھ قریب اس کی گاڑی ایک رکشے سے جا ٹکرائی تھی۔اس کی گاڑی کو تو خیر کچھ خاص نقصان نہیں پہنچا مگر رکشے پر پڑنے والے ڈینٹس کی تعداد کچھ زیادہ ہی تھی۔وہ باہر آتے ہی بہت شرمندہ ہوئی۔

میں معذرت خواہ ہوں دراصل ہمیں بہت جلدی تھی۔مجھے بہت افسوس ہے۔

کوئی بات نہیں بیٹا ہو جاتی ہے غلطی۔ رکشے والے نے ملال سے رکشے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں آپ مجھے بتائیں میں آپ کو اس نقصان کی رقم ادا کر دیتی ہوں۔

ارے نہیں بیٹا تم جاؤ تمہیں جلدی ہے۔

جاوید بھائی آپ بتائیں تقریباً کتنی رقم کا نقصان ہوا ہے ان کا؟ اس نے اب جاوید بھائی کو مخاطب کر کے کہا۔

بی بی جی تقریباً چھے سے آٹھ ہزار کا تو ہو گا۔ وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی پھر وہ اپنے کانوں میں موجود نگوں کے چھوٹے سے سونے کے بُندے اتارنے لگی۔

یہ لے لیں آپ میرے پاس ابھی اتنی رقم نہیں ہے مگر ان کی مالیت تقریباً اتنی ہی ہے، آپ یہ رکھ لیں۔

ارے کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا؟ بیٹیوں کا زیور اتار کر اسے بیچ کر ہم گھر کا چولہا نہیں جلاتے۔ وہ کچھ دیر کیلئے گنگ سی ہو گئی تھی۔وہ بہت عام سا شخص تھا میلے سے کپڑوں میں ملبوس، اس کے دانت دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ وہ کثرت سے پان کھانے والا تھا ایسے انسان سے اسے ایسی بات کی توقع نہیں تھی مگر وہ پھر بھی اسے اخلاقیات کی قدریں اور انسانیت سکھا رہا تھا۔اسے خوشی ہوئی، لوگ چاہے کیسے بھی تھے، اپنے ملک کے تھے، اپنے تھے، وہ اسے نہیں جانتی تھی مگر پھر بھی اس آدمی نے اسے اپنی بیٹی کا درجہ دے دیا تھا۔

یہ پاکستان کے سوا کہیں نہیں ہوتا ہو گا اور اسلام کے سوا کوئی مذہب انسان کو اتنا عظیم نہیں بناتا ہو گا۔ اس نے فخر سے سوچا اور مسکرا دی۔

کیا ہوا ارمینہ؟ پیچھے سے آتی ارمش کی آواز پر وہ پلٹی پھر اس نے ارمش کو ساری بات تفصیل سے بتائی تو ارمش نے اپنا والٹ نکالا۔

یہ لیں آپ یہ تو رکھ سکتے ہیں ناں؟ اس نے پیسے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بہت عزت سے انہیں مخاطب کیا۔

ارے میں نے تو کہا اس کی ضرورت نہیں۔

ضرورت نہیں یہ حق ہے آپ کا، رکھ لیں۔ اس نے ان کے ہاتھ میں پیسے تھمائے۔

خوش رہو بچوں یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔

معاف کر دیجئے بی بی جی! پتا نہیں کیسے گاڑی لگ گئی۔ جاوید بھائی نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

کوئی بات نہیں جاوید بھائی گاڑی کو گیراج میں دے دیں۔ وہ اس کی ہدایت کے بعد وہاں سے چلے گئے۔

اندر چلیں؟ ارمش نے ارمینہ سے کہا۔وہ جو گم صم کھڑی تھی، اس کے مخاطب کرنے پر چونکی۔

ہاں وہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

تمہیں دیر کیوں ہو گئی؟ یقینا سو رہی ہو گی۔ اس نے غصے سے ارمینہ کو گھورا۔

جی نہیں! میں سو نہیں رہی تھی اصل میں ڈیوٹی پر چلی گئی تھی۔کچھ ایمرجنسی تھی میں صبح چار بجے وہاں گئی جاوید بھائی کے ساتھ۔بے چارے جاوید بھائی کو بھی صبح چار بجے اٹھ کر آنا پڑا۔میں آٹھ بجے آئی جب دوسرے ڈاکٹرز آگئے تو بس اسی لیے دیر ہو گئی۔

اچھا چلو معافی ہے پھر تو۔

میں نے مانگی تو نہیں ہے۔

میں دے رہا ہوں تو لے لو۔

نہیں چاہیے۔ اس نے مُسکرا کر جواب دیا۔

ٹھیک ہے اگر لے لیتیں تو تمہیں بتا دیتا کہ تم اچھی لگ رہی ہو۔اب تو ایسے لگ رہا ہے جیسے میرے ساتھ کوئی اسٹیل راڈ چل رہی ہے جو ابھی ابھی پالش ہو کر آئی ہے۔ اس نے اس کے ایش گرے لباس کو اسٹیل راڈ سے ملا دیا تھا۔وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

تمہارا سینس آف ہیومر بہت بُرا ہے ارمش۔

ہاں مجھے پتا ہے۔ ساری بات کرتے کرتے وہ گیٹ تک آگئے تھے۔

ارمینہ تم تو آج بالکل پرنس لگ رہی ہو۔ عمر نے اسے دیکھتے ہی بہت صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تو ارمینہ نے کچھ جتانے والے انداز میں ارمش کو دیکھا۔

وہ سلیپنگ بیوٹی جو جادو کی وجہ سے گہری نیند سو جاتی ہے وہ والی شہزادی۔ عمر نے اضافہ کیا تو ارمش کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔عمر ارمش کے ساتھ رہ رہ کر اسے تنگ کرنا سیکھ گیا تھا۔

وہ اسے ارمینہ ہی کہتا تھا۔حالاں کہ وہ اس سے عمر میں بہت بڑی تھی مگر اسے اچھا لگتا تھا۔وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی بہت عزت کرتا تھا۔عمر کے لہجے میں ہمیشہ ارمینہ کیلئے محبت ہوتی تھی جیسے چھوٹے بھائیوں کے لہجے میں ہوا کرتی ہے، وہ اسے تنگ کرتا تھا، اس سے ضدیں بھی کرتا تھا اور اس نے ضد کر کے ارمینہ سے فرسٹ ایڈ کی تمام چیزیں بھی سیکھ لی تھیں۔وہ اتنے عرصے میں واقعی ارمینہ کو چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز ہو گیا تھا۔

عمر میری نظروں سے دور ہو جاؤ اور ہاں سنو تم بھی کسی الہ دین سے کم نہیں لگ رہے ہو۔ اس کی گھیر والی شلوار اور کرتے پر اس نے مصنوعی غصے سے تبصرہ کیا۔

وہ بدلے پر ہنسا اور دونوں اندر آگئے۔ارمش واپس گیٹ پر چلا گیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ اندر آئی تو اندر کے انتظامات نے اسے حیران کر دیا۔ہر چیز بہت خوبصورتی سے سجی ہوئی تھی۔یہ سجاوٹ اور انتظام اس نے اور ارمش نے مل کر کیا تھا مگر ہر چیز کو پیش کرنے کا کام ارمش کا تھا۔آنے والے مہمانوں میں زیادہ تر ارمش کی کمپنی سے تعلق رکھنے والے، اس کے بھائی اور اس کے پاپا کے جاننے والے تھے۔کچھ ہیومن رائٹس اور دیگر این جی اوز سے تعلق رکھنے والے افراد اور ارمش کے دوست بھی تھے۔

اسٹیج سے اب کچھ بچے نظم پڑھنے کے بعد نیچے اُتر رہے تھے اور شرکا تالیاں بجا رہے تھے۔پھر اس نے کچھ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو اسٹیج پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ جو ہیری ہوم کی پالیسیز اور طریقۂ کار کے بارے میں ایک پریزنٹیشن دینے والے تھے۔وہ خود چند جاننے والوں سے ملنے لگی۔کچھ دیر بعد اس نے ارمش کو کسی کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔وہ ایک بہت گریس فل سی شخصیت تھی، بلیک پرنس سوٹ میں ملبوس اس شخص کے نقش ارمش سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ارمش ان کے برابر چلتا ہوا ہو بہ ہو ان کی جوانی کی تصویر لگ رہا تھا۔ان کے ساتھ ایک خاتون تھیں، سادہ مگر قیمتی لباس میں ملبوس چہرے پر مسکراہٹ سجائے شفقت سے ارمش کی طرف دیکھ رہی تھیں۔وہ انہیں لئے پہلی قطار تک آیا اور اب انہیں لوگوں سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ملا رہا تھا، چند منٹوں بعد وہ بیٹھ گئے، اسٹیج پر ان کی آمد کی وجہ سے رکی ہوئی پریزنٹیشن پھر شروع ہو گئی وہ کونے میں کھڑی ارمش کا چہرہ دیکھ رہی تھی جو یک دم کھل اٹھا تھا۔

کیا یہ تمہارے پیرنٹس ہیں ارمش؟ اس نے موقع ملتے ہی ارمش سے پوچھا۔

ہاں! تم ملو گی؟

ان کا چہرہ دیکھ کر لگتا ہے جیسے بہت سخت مزاج ہے ان کا۔

تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟ اس نے مسکراہٹ دبائے پوچھا۔

ڈرنے کی کیا بات ہے اس میں؟ میں تو بس ویسے ہی تبصرہ کر رہی تھی۔

ہاں ہیں تو وہ سخت مزاج... فوجی زیادہ تر ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ہاں میرے پاپا کو بھی اکثر لوگ یہی کہتے ہیں۔ ارمینہ کی نظریں اب بھی سیاہ سوٹ والے اُس شخص پر ٹکی تھیں جو پہلی قطار میں بیٹھے تھے۔

وہ فوجی ہیں ارمینہ؟ حیرت ہے اب تک لاعلم رہا میں۔

ہاں اتفاق ہے مگر میرے پاپا حقیقتاً ایسے نہیں ہیں، ان کا مزاج بہت نرم ہے، آئی ہوپ تمہارے بابا بھی ایسے ہی ہوں۔

نہیں وہ واقعی سخت مزاج ہیں اور ڈاکٹرز تو انہیں ویسے ہی سخت ناپسند ہیں۔انہیں لگتا ہے ڈاکٹرز صرف پیسے بناتے ہیں، قصائی ہوتے ہیں۔

معصوم انداز میں وہ کہتا گیا اور ارمینہ کے چہرے پر بدلتے رنگوں سے محظوظ ہوتا گیا۔

چلو آؤ میں تعارف کروا دوں۔ وہ چلنے لگا مگر ارمینہ اپنی جگہ کھڑی رہی، وہ واپس آیا پھر اس نے نرمی سے ارمینہ کا ہاتھ تھاما جیسے کوئی بہت احتیاط سے اپنی من پسند شے کو تھامتا ہے، اسے لیے وہ فرنٹ کی طرف جا رہا تھا۔

بابا! یہ ارمینہ ہے جس نے مجھے ہیری سے ملوایا تھا اور ارمینہ، یہ میرے بابا۔ انہوں نے مڑ کر اس کو ایک نظر دیکھا تو پھر وہ اس کو دیکھتے ہی چلے گئے۔شناسائی تھی یا حیرانی؟ ارمینہ سمجھ نہیں سکی۔مگر ان کے چہرے کے تاثرات نے کچھ پل کیلئے اسے منجمد ضرور کیا تھا۔

احمد رضا ابراہیم ان آنکھوں کی بناوٹ نہیں بھول سکتے تھے۔انہوں نے بہت سال بعد وہ چہرہ اور وہ آنکھیں دیکھی تھیں جو انہیں ماضی میں لے گئی تھیں۔ارمینہ کا چہرہ انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا مگر اس کے چہرے میں کسی کی بہت مشابہت تھی، کسی بہت خاص کا چہرہ ان کی آنکھوں کے آگے لہرا گیا۔

احمد دیکھو اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔ ان کے کانوں میں کسی کی آواز گونجی تھی۔

میں نے اس کا نام ارمینہ رکھا ہے۔

اس کے بال سیاہ ہیں دیکھو میرے جیسے۔ سرگوشیاں بڑھتی جا رہی تھیں، انہیں یک دم گھبراہٹ ہوئی۔

ارمش مجھے پانی لا دو تھوڑا سا۔ ارمینہ کے چہرے سے نظر ہٹانا مشکل تھا۔

جی بابا لاتا ہوں۔ وہ فوراً چلا گیا۔

السلام علیکم انکل۔ بہ مشکل مسکرا کر اس نے سلام کیا۔

ارمینہ کی آواز میں جادو ہے احمد۔

وعلیکم السلام۔ انہوں نے بہت مشکل سے بہت دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔

ارمش پانی لے آیا تو انہوں نے ارمش کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔اب وہ خود کو سنبھالنے کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اتنے میں ارمینہ ارمش کی امی سے ملنے لگی، وہاں سے جاتے ہوئے انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی جو خود انہیں گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔وہ کچھ دیر پہلے بہت مختلف تھے اب وہ ارمینہ کو بہت تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔ارمش بابا کے آجانے سے بہت خوش تھا۔احمد رضا سب سے مل رہے تھے ہنس کر مسکرا، کر پھر اس نے ارمینہ کو ان سے ملوایا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تو انہوں نے پانی مانگا، تب پہلی بار اس نے ان کے چہرے پے بے زاری کے آثار دیکھے تھے۔مگر پھر اپنا وہم سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیا۔ اب وہ اسٹیج کا رُخ کر رہا تھا، وہ روسٹرم تک آیا پھر اس نے بابا کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ اپنی گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کو تک رہے تھے، پھر اس نے امی کو دیکھا جو مسرت بھری آنکھوں سے اسے سننے کی منتظر تھیں ان کے ساتھ ہی رحمت اور امل بھی موجود تھے، اس نے ارمینہ کو دیکھا وہ بھی مُسکرا رہی تھی، اس نے آغاز کیا:

السلام علیکم خواتین و حضرات... مجھے امید ہے ہیری ہوم کی اس افتتاحی تقریب میں شرکت کر کے آپ لوگ اتنے ہی خوش ہوں گے جتنا کہ میں۔ہیری ہوم کی بنیاد ایک کہانی ہے، خوبصورت کہیں یا دکھ بھری، یہ دیکھنے والے کے تصور پر منحصر ہے۔ہیری ہوم میرے لیے ایک بہت مقدس جگہ ہے اور یقین مانیں میں یہ میڈیا کو بتانے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

اللہ، میرا دل اور میرے اردگرد کے چند افراد جانتے ہیں کہ ہیری ہوم میرے لیے کیا ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے یہ ایک مثبت قدم ثابت ہو۔زندگی میں ہم کہیں نہ کہیں ایک ایسے راستے پر کھڑے ہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جاتے ہیں جہاں ہمیں انتخاب کرنا پڑتا ہے اپنے فائدے اور اپنے ساتھ بہت سوں کے فائدے کے بیچ، تو دوستوں اگر آپ کو بھی کسی ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے تو میری رائے ہے کہ آپ دوسری آپشن choose کیجئے گا، اس میں سکون ہے، اطمینان ہے بالکل ویسا جو کسی کا قرض اتار دینے کے بعد محسوس ہوتا ہے۔ یقینا ہم مقروض ہیں اس ملک کے، اس ملک کے بچوں اور ہر اس شہری کے جسے بھوکے پیٹ سونا پڑتا ہے... اللہ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے تاکہ ہم کچھ انہیں دے سکیں، جن کے پاس کچھ نہیں۔ہم ذریعہ ہیں وسیلہ ہیں کسی کے رزق کا، کسی کی خوشی کا... تو ہیری ہوم اس راہ پر پہلا قدم ہے، مجھے امید ہے آپ لوگ ہمارا ساتھ دیں گے۔

لیکن ہیری ہوم کا مقصد اتنا ہی نہیں ہے پاکستان کے ہزاروں بچے جو سڑک پر اپنی زندگی شروع کرتے ہیں اور سڑک پر ہی ختم کر دیتے ہیں۔ان میں بہت سے ایسے بچے ہیں جو اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں مگر ہم انہیں ضائع کر دیتے ہیں۔ہیری ہوم کا مقصد ان کے ہنر اور ان کی صلاحیتوں کو دنیا کے سامنے لانا ہے جو یہ جانتے تک نہیں کہ وہ کیا کیا جادو کر سکتے ہیں اور ہیری ہوم کی سب سے اہم وجہ ہے زندگی کی survival! پاکستان کی سڑکوں پر روز مرنے والے ہزاروں بچوں کا survival...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جو معمولی سے زکام سے اور ہلکی سی چوٹ سے بھی مر جاتے ہیں۔ کہتے کہتے اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ زندگی کی کیا اہمیت ہے؟ یہ کتنی قیمتی ہے اور آخر میں ان تمام لوگوں کا شکریہ کرنا چاہتا ہوں جن کے بغیر ہیری ہوم ممکن نہیں تھا۔ میرے تمام بورڈکا جو بہترین میں سے بہترین ہے، میرا بہت پیارا دوست ڈینیل ہیریسن، جس نے آسٹریلین ہوتے ہوئے بھی پاکستان سے ہمیشہ دل سے محبت کی، میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ڈینیل، کم از کم لفظوں میں تو بالکل نہیں۔وہ تمام ورکرز جنہوں نے اپنی محنت اور اپنے دن رات ہیری ہوم کو دیئے، ہمارے تمام اسکول اور ہیلتھ کیئر کے حوالے سے تعلق رکھنے والے افراد اور ہر وہ انسان جس نے کسی بھی طرح ہیری ہوم میں اپنا ہاتھ بٹایا۔ہیری، جس نے مجھے احساس دلایا کہ زندگی قیمتی ہے، صرف چند ایلیٹ کلاس لوگوں کی نہیں بلکہ ہر انسان کی، سڑک کے بھکاری کی بھی، گاڑی صاف کرنے والے بچے کی بھی زندگی اسی طرح قیمتی ہے اور اسے بچانے کا ذمہ ہمارا ہے۔... I will be looking forward to your support and leave towards Harry Home .. Thank you.

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اپنی تقریر ختم کرکے وہ سٹیج سے اتر گیا تھا۔لوگوں کی تالیوں سے ہیری ہوم کا دالان گونج اٹھا تھا، اس نے دور کونے میں کھڑی ارمینہ کو دیکھا، وہ رو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا ہیری ہوم اس کے لیے بھی اتنا ہی خاص اور اہم تھا جتنا خود ارمش کے لیے، ان دونوں کو ہی ہیری کا مسکراتا ہوا چہرہ یاد آرہا تھا جس کے گواہ اس پورے مجموعے میں صرف وہی دونوں تھے، اس نے اپنا دھیان بابا کی جانب کیا، انہیں اب ربن کاٹنا تھا۔وہ انہیں لئے مین گیٹ تک آیا ارمینہ بھی کھڑی تھی۔بابا کے چہرے کی بے چینی واضح تھی، اسے تشویش ہوئی کہ بابا کو اچانک کیا ہو گیا تھا، اس نے ان کے ہاتھ میں قینچی تھمائی اور انہوں نے ربن کاٹ دیا۔ارمش نے ان کے ہاتھوں کی لرزش صاف محسوس کی تھی۔ربن کاٹتے ہی امی بابا چلے گئے اور ان کے اصرار پر ارحم رحمت اور امل بھی چلے گئے۔صبح اس کے چہرے پر آئی چمک ان کے جاتے ہی ماند پڑ گئی۔ تمام کام نپٹاتے ہوئے انہیں شام ہو گئی تھی۔وہاں چند کام سمیٹنے والے ملازمین کے علاوہ ارمینہ، ارمش اور عمر ہی تھے۔تین گھنٹے کی اس تقریب کے پیچھے ان کی تین مہینے کی محنت تھی۔

رات آٹھ بجے کے قریب وہ فارغ ہوئے اور گھر جانے کیلئے نکلے تھے۔

آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔

نہیں جاوید بھائی کو بلا لیتی ہوں وہ آجائیں گے۔ کہتے ہوئے وہ اپنی انگلی سے انگوٹھی اتارنے لگی تھی وہ بہ غور اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی انگلی میں انگوٹھی جا کر پھنس گئی تھی اور اب وہ کوشش کے باوجود اسے نکال نہیں پا رہی تھی۔

رہنے دو میں چھوڑ دوں گا اور ایسا کرو انگوٹھی کے ساتھ اپنی انگلی بھی نکال لو۔ اس کے طاقت کے مظاہرے پر اس نے کچھ اکتا کر کہا۔

کیا کروں یہ نکل ہی نہیں رہی ہے اور اتنی ٹائٹ ہو گئی ہے کہ اب انگلی میں تکلیف دے رہی ہے۔

پہنی کیوں تھی؟

اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ اتنی مشکل ہو گی اسے اتارنے میں۔ وہ اب چلتے چلتے گاڑی تک آگئے تھے۔

دکھاؤ۔ اس نے ہاتھ کی پہلی انگلی میں موجود اس انگوٹھی کو دیکھا جو واقعی اس کی انگلی کو تکلیف دے رہی تھی۔اس نے انگوٹھی کو گھمانا شروع کیا بہت آہستہ آہستہ، ایسے کہ ارمینہ کو تکلیف نہ ہو۔وہ اسے گھماتا گیا اور انگوٹھی کی گرفت انگلی پر ڈھیلی پڑتی گئی۔کچھ لمحوں بعد اس نے نرمی سے اس کی انگلی سے انگوٹھی کو الگ کر دیا

اس کی انگلی پر انگوٹھی کا نشان واضح تھا۔ جو چیز تکلیف دے اسے پھینک دینا چاہیے۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

جس چیز سے محبت ہو اسے نہیں پھینکا جاتا، چاہے وہ تکلیف ہی کیوں نہ دے۔ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

وہ اس کی نیلی آنکھوں کو، اس کی ہر حرکت کو محسوس کر سکتا تھا، جب وہ روتی تھی تو اس کی آنکھیں سُرخ ہونے میں چند لمحے لگتے تھے، جب وہ زیادہ جاگ لیتی تھی تو اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور گہرے ہو جاتے تھے، زیادہ دیر لیپ ٹاپ پر کام کرنے سے اس کی آنکھیں سوجنے لگتی تھیں، اس نے اتنے مہینوں میں اس کی آنکھوں کے تمام رنگ ڈھنگ دیکھے تھے۔پھر بھی ہر بار اس کی آنکھیں اسے پرکشش لگتی تھیں۔نیلے سمندر جیسی گہری، پراسرار، مگر خطرناک حد تک خوبصورت۔اس نے ارمینہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

چلو اب میں تھک گئی ہوں۔ اس کے جملے پر ارمش نے نظریں جھکا لی تھیں... کوئی ارمینہ کو بتاتا کہ یہ جاننے کے لیے کہ وہ تھکی ہوئی ہے، اسے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی۔

بیٹھو۔ کہتا ہوا وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ ایئرنگز تمہیں پسند نہیں تھے کیا جو تم وہ اس رکشے والے کو دے رہی تھیں؟

اسے اچانک خیال آیا تو وہ پوچھ بیٹھا۔

پسند؟... وہ بہت قیمتی ہیں۔مجھے پاپا نے دیئے تھے جب میرا میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا تھا، میں انہیں کان سے نہیں اتارتی۔

تو پھر اسے کیوں دے رہی تھیں؟

کسی کی روزی سے زیادہ اہم تو نہیں تھے ناں؟ میرے کان میں ایئرنگ ہونے سے زیادہ اہم اس کے گھر میں رزق ہونا ہے۔ وہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بول رہی تھی اور ارمش چہرے پر مسکراہٹ سجائے سن رہا تھا۔

تم خوش ہو آج؟ اس نے ارمش کی طرف دیکھ کر اس سے سوال کیا۔

ہاں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے جواب دیا، جواب مختصر تھا۔

نہیں تم خوش نہیں ہو۔ ارمینہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

کیوں؟ وہ حیران ہوا۔

کیوں کہ تمہارے چہرے پر شکنیں ہیں اور تم آنکھیں ملا کر جواب نہیں دے رہے جھوٹ بول رہے ہو سمپل۔ اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آنکھیں اس لیے نہیں ملا رہا کیوں کہ گاڑی چلا رہا ہوں، شکنوں کی وجہ تھکن ہے... سمپل۔ اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

تم جھوٹ بول رہے ہو ارمش۔ ارمینہ نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔اس بار ارمش نے گردن ارمینہ کی طرف موڑی تھی۔

اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟

بس کہہ سکتی ہوں۔ وہ سر جھٹک کر ایک بار پھر گاڑی چلانے میں مصروف ہو گیا۔

ارمش تمہارے بابا جلدی کیوں چلے گئے؟ اس نے سوال کیا تو ارمش کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

معلوم نہیں !شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

ہاں ان کے چہرے سے لگ بھی رہا تھا جیسے وہ پریشان ہیں۔ ارمش بھی سوچ میں پڑ گیا۔ان کے جانے کی اصل وجہ جاننے کا اب اسے تجسس تھا۔

ارے رکو شاید یہ والی اسٹریٹ بند ہے یہاں کنسٹرکشن ہو رہی ہے، تم یہیں روک دو گاڑی میں چلی جاؤں گی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اس نے گاڑی روک دی تھی۔کام جاری ہونے کی وجہ سے گاڑی گلی کے اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔

کیا میں تمہارا شکریہ ادا کروں؟ اس نے شوخ انداز میں پوچھا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ضرورت نہیں۔ وہ مسکرا دیا۔

بہت بہتر! تم کہتے تب بھی میں نہ کرتی... خدا حافظ۔ وہ باہر نکل گئی تھی اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ارمینہ سڑک کے کنارے چلنے لگی اس نے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس کی وہ جانتی تھی ارمش گیا نہیں تھا۔ارمینہ نے پلٹ کر دیکھا اس سے چند قدموں کے فاصلے پر ارمش خاموشی سے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ اچانک رک کر پلٹی۔

تم گئے کیوں نہیں؟

سوچا تم کہیں راستے میں ہی سو نہ جاؤ بہت تھکی ہوئی ہو ناں۔ اس نے شرارت سے کہا۔

فضول باتیں کروانی ہوں تو تم حاضر ہو۔ہے ناں؟ اس نے جواب میں کندھے اچکائے تھے جیسے ہاں ہی تھی۔اب وہ برابر برابر چل رہے تھے۔

تم پر سیاہ شلوار قمیص سوٹ کرتا ہے۔ کچھ لمحوں کے وقفے کے بعد اس نے کہا۔

تمہیں میری تعریف کا خیال کیسے آیا؟

کیوں کہ تمہاری طرح کنجوس نہیں ہوں میں تعریف کے معاملے میں، جو اچھا لگے اس کی تعریف کر دیتی ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تو میں اچھا لگتا ہوں تمہیں؟ اس نے معصومیت چہرے پر سجائے پوچھا۔

میں تمہاری نہیں، شلوار قمیص کی تعریف کر رہی ہوں۔

اچھا مسکراتے ہوئے جواب دے کر ارمش خاموش ہو گیا تھا۔اگر اسے امید تھی کہ ارمش کچھ شرمندہ ہو کر بدلے میں اس کی تعریف کر دے گا تو یہ خوش فہمی ثابت ہوئی تھی۔

تمہارے پاپا کب آئیں گے؟

کل صبح۔ چلتے چلتے اب وہ گھر کے سامنے آگئے تو اس نے چابی سے گھر کا دروازہ کھول لیا۔

خدا حافظ۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے کہا۔

تم روتے ہوئے اچھی لگتی ہو... خدا حافظ۔ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ یہ اس کا تعریف کرنے کا انداز تھا اور وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اسے ہنسنا چاہیے کہ سلگنا چاہیے۔ کبھی کبھی وہ بہت حساس سا انسان بن جاتا تھا کہ اسے اس پر ترس آتا کہ اس سے معصوم کوئی ہے ہی نہیں اور کبھی اسے اس پر اتنا غصہ آتا کہ وہ اسے بے بس ہو کر دیکھتی رہ جاتی۔ارمش اسے کبھی سمجھ نہیں آیا تھا۔

☆...☆...☆

وہ اپنے کمرے میں آئے تو ان کی حالت خراب تھی۔ثمینہ انہیں دوائیں دینے کے بعد خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔اور وہ بستر پر لیٹے آج ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچ رہے تھے۔نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ اسے بھلا نہیں پا رہے تھے۔اس کا چہرہ، اس کی آواز انہیں مسلسل ہانٹ کر رہی تھی۔انہوں نے اسے بس کچھ دیر ہی دیکھا تھا پھر بھی وہ اس کے چہرے کے خدوخال پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔انہوں نے اس پوری تقریب کے دوران اسے وقفے وقفے سے دیکھا تھا وہ بیچ میں چند لمحوں کے لیے روئی بھی تھی، ہنسی بھی تھی اور اسے غصہ بھی آیا تھا۔انہیں اس کے ہر جذبے میں کسی کی جھلک نظر آرہی تھی۔وہ چہرہ جو ان کی زندگی میں ہر چہرے سے زیادہ خاص تھا، وہ نام جو انہیں ہر نام سے زیادہ پیارا تھا۔وہ نام، وہ چہرہ ان کے ذہن سے کبھی محو نہیں ہوا تھا۔

☆...☆...☆

اس نے اٹھ کر کمرے کی کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیئے، ہوا اندر آنے لگی۔ان کی شادی کو ایک ہفتہ گزر چکا تھااور شادی کا ہنگامہ اب قدرے خاموش ہو چکا تھا، احمد بھی کراچی جا چکا تھا۔سرفراز کی زندگی اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتی

تھی۔صبح کے پانچ بجنے والے تھے اور فجر کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں۔اس نے پلٹ کر بیڈ پر لیٹی انابیہ کو دیکھا، وہ بہت گہری نیند میں تھی۔اس کے چہرے کے نقوش لیمپ کی دھیمی روشنی میں واضح تھے۔وہ کھڑکی کے پاس کھڑے اسے دیکھتا رہا پھر جب اذانوں کی آواز اس کے کانوں میں آئی تو وہ جاگنے لگی، اس کے چہرے کے زاویئے بدلے پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔اس نے کھڑکی پر کھڑے سرفراز کو دیکھا تو وہ مسکرائی۔

تم فوجیوں کو خواب آجاتا ہے کیا کہ اذانیں ہونے والی ہیں؟ اس نے نیند سے بوجھل آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

ہاں! یہی سمجھ لو۔

روز اٹھ کے بیٹھ جاتے ہو پہلے سے، شرمندگی ہوتی ہے مجھے۔ وہ چہرے پر ملال سجائے کہہ رہی تھی، وہ ہنس دیا اور بیڈ کے قریب آتے ہوئے اس نے اس کے ماتھے کو نرمی سے چوما۔

تمہیں نہیں معلوم مگر تمہیں اس وقت سوتے ہوئے دیکھنا مجھے کتنا اچھا لگتا ہے۔ اس لیے شرمندہ مت ہوا کرو جلدی اٹھنے میں، میرا بھی کچھ لالچ شامل ہے۔ وہ مُسکراتی ہوئی اٹھی اور وہ دونوں وضو کرنے لگے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ روز کا معمول تھا۔سرفراز روزانہ اذان سے بھی پہلے بے دار ہو جاتا اور یونہی اسے تکتے ہوئے وقت گزار دیتا۔کچھ یہ اس کی عادت بھی تھی، اتنے سال آرمی کی ٹریننگ نے اسے یہی سکھایا تھا۔وہ وقت سے پہلے ہر کام کر لیا کرتا تھا اور جو وقت بچ جاتا اس میں کوئی اور کام کر لیتا۔اس کی یہ عادت اب بھی قائم تھی۔انابیہ نماز پڑھ کر نیچے آتی تھی جب کہ سرفراز نماز مسجد میں ادا کرتا تھا اور پھر وہیں سے جاگنگ کے لیے چلا جاتا تھا۔انابیہ نیچے روزانہ ایک رکوع کی تلاوت امی کے پاس بیٹھ کر کیا کرتی پھر اس کا ترجمہ پڑھتی، پھر وہ ناشتے کی تیاری کرتی اور سرفراز کے لوٹنے پر وہ سب ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرتے، یوں ان کا دن شروع ہوتا تھا۔

امی پشاور والا گھر تیار ہے اور اس میں ضرورت کا سارا سامان ہے۔یہاں سے آپ کو جو جو لے کر جانا ہے مجھے بتا دیں، اب ایک ہفتہ اور ہے بس چھٹیوں کا۔ وہ ناشتہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

یہ گھر وسیم بیچیں گے نہیں سرفراز۔ امی جی نے اس سے کہا۔

امی جی میں جانتا ہوں اور میں نے کہا بھی نہیں کہ یہ گھر بیچیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں اور ہم اکثر یہاں کا چکر بھی لگایا کریں گے اور میں یہاں کی صفائی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بھی کرواتا رہوں گا۔آپ پریشان نہ ہوں اس حوالے سے۔ اس بات پر وہ مسکرائی تھیں۔

انہیں اپنے اس گھر سے بہت محبت تھی۔اب وہ پشاور جا رہے تھے تو انہیں یہ گھر بہت یاد آنا تھا۔گھر سے محبت دائمی ہوتی ہے۔آپ چاہیں یا نہ چاہیں دل میں کہیں نہ کہیں یہ محبت پلتی رہتی ہے۔آپ کو اطمینان گھر میں ہی حاصل ہوتا ہے چاہے آپ کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ جگہ جا بسیں، آپ کو لگتا ہے جیسے آپ سفر میں ہیں اور سفر ہمیشہ گھر پر آکر ہی ختم ہوتا ہے۔ان کا سفر بھی گھر میں آکر ختم ہونا تھا۔

☆...☆...☆

تم دن میں کتنی بار برش کرتے ہو؟ ایک بچے کے دانتوں سے خون رس رہا تھا جسے دیکھ کر اس نے غصے سے سوال کیا۔بچے نے شرمندہ ہو کر اپنی گردن جھکا لی۔ میں نے کہا تھا ناں سب کو دن میں دو مرتبہ لازمی برش کرنا ہے۔ایک مرتبہ صبح اٹھ کر اور ایک بار رات سونے سے پہلے... آئندہ کرو گے؟ اس نے جلدی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گڈ! آئندہ اگر نہیں کرو گے تو ایسے ہی دانتوں سے خون آتا رہے گا پھر سب دانت گر جائیں گے اور کھانا بھی نہیں کھا پاؤ گے۔آئی سمجھ؟ اس نے پھرتی سے ایک بار پھر اثبات میں گردن ہلائی۔

ہر اتوار ہیری ہوم کے سب بچوں کا تفصیلی طبی معائنہ ہوتا تھا۔پھر کسی بچے میں پائی جانے والی بیماری کا علاج کیا جاتا تھا۔دو ہفتوں میں ہیری ہوم میں موجود بچوں کی تعداد بارہ ہوگئی تھی۔ان کی صحت، رہائش اور کھانا پینا ہیری ہوم کی ذمہ داری تھی۔عمر وہاں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا، وہ وہاں ارمش کا دایاں ہاتھ تھا۔وہاں ہونے والی ہر بات کی خبر چاہے وہ مثبت ہو یا منفی ارمش کو دیتا تھا۔ارمش تقریباً ہر روز ایک چکر ہیری ہوم کا ضرور لگاتا تھا۔یہ اس کے روٹین میں شامل تھا۔ فی الحال وہ سب کا طبّی معائنہ اکیلے ہی کرتی تھی اگلے ہفتے سے ڈاکٹر فاروق بھی ان کے ساتھ شامل ہونے والے تھے۔وہ فارغ ہو کر چیزیں سمیٹنے لگی تو عمر اور ارمش آتے دکھائی دیئے تھے۔

کیسا رہا آج کا دن؟ ارمش نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اچھا... مگر بچوں کو برش کرنے کی عادت نہیں پڑ رہی ہے۔خاص طور پر حارث ہر بار اتنے جذبات سے گردن ہلا کر کہتا ہے کہ میں برش کروں گا مگر اگلے ہفتے اس کا وہی حال ہوتا ہے ارمینہ نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

خالدہ آنٹی سے کہہ دوں گا وہ اس پر نظر رکھیں گی۔ خالدہ آنٹی یہاں بچوں کا خیال رکھتی تھیں اور بچوں کو نہلانے دھلانے کی ذمہ داری ان کی تھی۔

ارمش بھائی مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ وہ دونوں خاموش ہوئے تو عمر نے کہا جو اب تک ڈسپنسری کے دروازے پر ہی کھڑا تھا۔

ہاں ہاں کہو۔

وہ میں ایک سال پیچھے ہوں ویسے ہی، تو میں اسی سال میٹرک کا امتحان دینا چاہتا ہوں۔

مگر اب تو صرف دو مہینے ہیں عمر۔دو مہینوں میں تیاری کیسے کرو گے؟ اور ابھی تمہاری base بھی اتنی مضبوط نہیں ہے تم اگلے سال آرام سے امتحان دے دینا۔

نہیں ارمش بھائی میں اسی سال امتحان دینا چاہتا ہوں۔میں نے تھوڑا بہت تو اس گورنمنٹ اسکول میں پڑھ ہی لیا تھا۔نویں کا امتحان دینے کے بعد پڑھائی چھوڑی تھی بیچ میں ایک سال گزرا ہے جو میں نے ضائع کیا ہے۔اب ایک اور سال ضائع

نہیں کرنا چاہتا۔ارمینہ بھی کہہ رہی ہے کہ وہ میری مدد کر دے گی، امتحان کے فارم آگئے ہیں۔میں بھر دوں کیا؟ اس نے پُرامید نگاہوں سے ارمش کو دیکھا۔

اچھا تو ارمینہ محترمہ کی دین ہیں یہ سب۔ اس نے پلٹ کر ارمینہ کو دیکھا، جو کچھ جھینپ سی گئی تھی۔

نہیں ارمش بھائی میں جلد سے جلد اپنی پڑھائی ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ اپنے آپ کو سنبھال سکوں۔

تم جانتے ہو تم سب سے زیادہ سمجھ دار بچے ہو، خیر تمہیں اگر لگ رہا ہے کہ تم کر سکتے ہو تو ضرور کرو یار میں کون ہوتا ہوں روکنے والا۔ وہ مسکرا کر اسے اجازت دے رہا تھا اور عمر بے ساختہ اس کے گلے لگ گیا۔

ارمش بھائی بس آپ ہی تو ہیں میرے لیے، آپ نہیں ہوتے تو میں آج بھی سڑک پر کھڑا لوگوں کی گاڑیوں کے شیشے صاف کر رہا ہوتا۔ آپ مل گئے اسی لیے تو اس قابل ہوا ہوں کہ آپ سے اجازت بھی مانگ سکوں۔ وہ روتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے اسی لیے اس قابل ہوا ہوں کہ آگے پڑھنے کے بارے میں سوچا ورنہ میں تو ہار بیٹھا تھا۔ اس کی ہچکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

ارمش نے آہستہ سے اسے خود سے الگ کیا تو اس کا پورا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ روتے کیوں ہو عمر؟ میں نے بس تمہیں وسائل دیئے ہیں یار محنت تو تم کر رہے ہو اور میں جانتا ہوں تم بہت لائق ہو اس طرح خود کو چھوٹا مت۔ سمجھو بس اللہ سے دعا کیا کرو اپنے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی۔ وہ اس کے دونوں گالوں کو تھامے اس سے کہہ رہا تھا۔

میں ہر نماز میں دعا کرتا ہوں ارمش بھائی، آپ کے لیے بھی اور ارمینہ کیلئے بھی۔ آپ دونوں بہت خاص ہیں میرے لیے، اتنے کہ میں آپ کو بتا بھی نہیں سکتا۔ وہ اب بھی رو رہا تھا۔

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تم نے میرے لیے دعا کی عمر؟ ارمینہ نے ماحول کو خوش گوار بنانے کے لیے اسے چھیڑا تو اس نے مُسکرا کر اپنے آنسو پونچھے...

ہاں تو ہر کوئی تمہاری طرح کافر تھوڑی ہوتا ہے جو نماز ہی نہ پڑھے۔ وہ ہنس دی تھی حالاں کہ نماز کی عادت عمر کو ارمینہ نے ہی ڈلوائی تھی۔ وہ ہر نماز ادا کرنے کے بعد فون کر کے عمر سے نماز کے متعلق پوچھتی تھی۔

تم کہیں بھی پہنچ جاؤ عمر تمہاری حرکتیں نہیں سدھریں گی۔ وہ مصنوعی غصے سے بولی۔وہ بہت دھیمی مسکراہٹ لیے اپنے آنسو پونچھتا وہاں سے چلا گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تمہیں نہیں لگتا یہ بہت حساس ہے؟ اتنی دیر سے خاموش کھڑے ارمش نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

ہونہہ

اسے اپنے لیے کسی ایسی فیلڈ کا انتخاب کرنا چاہیے جس میں زیادہ ہمت نہ کرنی پڑے۔میرے خیال سے اسے آرکیٹکٹ یا آرٹسٹ بننا چاہیے اب دیکھتے ہیں یہ خود کیا کرتا ہے۔

تم تو اس کی کیریئر کاؤنسلنگ کو رہنے ہی دو۔ اس نے ارمش کے انداز پر تبصرہ کیا۔

تم نے کہا تھا اسے ایسا فیصلہ کرنے کو؟ ارمش نے سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

نہیں وہ خود میرے پاس آیا تھا مشورہ لینے۔کل تم آئے نہیں تھے ناں ہیری ہوم۔

ہاں امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ وہ اب اپنے کچھ معمول کے کام کرنے میں مصروف تھا ساتھ ہی ساتھ اس سے بات بھی کر رہا تھا۔

کیوں؟ کیا ہوا انہیں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سانس پھولنے لگا تھا۔ڈاکٹر نے اچانک ایکسرے کروایا تھا، ان کے پھیپھڑوں میں کچھ انفیکشن آیا ہے دوائیں وغیرہ چل رہی ہیں۔

گھر پر ہی ہیں ناں وہ؟

ہاں

☆...☆...☆

وہ ارمینہ کو ایک نظر دیکھ کر نہیں پہچانی تھیں مگر ثمینہ احمد رضا نے احمد رضا کی خاموشی اور طبیعت کی بے چینی ضرور محسوس کی تھی جو اس لڑکی سے ملنے کے بعد پیدا ہو گئی تھی۔پھر انہوں نے ایک دن اسٹڈی میں احمد رضا کو کسی کی تصویر دیکھتے ہوئے پایا تھا۔جب وہ چلے گئے تو وہ اسٹڈی میں واپس آئیں اور کتاب کے اندر سے تصویر نکال کر دیکھنے لگیں۔اس تصویر نے ان کے ہوش اڑا دیئے تھے۔اس تصویر میں ایک چھوٹی بچی تھی چھے یا سات سال کی۔اس کی آنکھیں نیلی تھیں، سونے سی رنگت، بالوں میں پونی بنائے گلابی رنگ کی فراک پہنے وہ بھرپور طریقے سے مسکرا رہی تھیں اور تصویر کے پیچھے احمد رضا کی لکھائی میں بہت خوبصورت انداز میں اس کا نام لکھا تھا اور ساتھ تاریخ بھی لکھی ہوئی تھی۔شاید اس دن کی جب وہ تصویر کھینچی گئی تھی ارمینہ سرفراز محمود، اس تصویر نے ان کے ہاتھوں کو سرد کر دیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ان کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو وہ سمجھ گئیں کہ احمد رضا کی یہ حالت کیوں ہوئی تھی؟ وہ اس لڑکی کا چہرہ اپنے ذہن میں لے آئی تھیں جو تقریب کے دن ان سے ملی تھی وہ ارمینہ تھی جسے دیکھ کر احمد رضا کی حالت ایسی ہو گئی تھی اور وہ ارمینہ تھی، جس کی تصویر وہ گھنٹوں بیٹھے اپنی اسٹڈی میں دیکھتے رہتے تھے۔تصویر اسی جگہ پر رکھ کر وہ باہر آگئیں۔

کچھ دنوں بعد خود ان کے پھیپھڑوں میں انفیکشن ہو گیا۔ ان کی بیماری کی وجہ سے احمد رضا ان کا زیادہ خیال رکھنے لگے مگر وہ ویسے ہی تھے خاموش اور افسردہ۔ان کی طبیعت میں پہلی تبدیلی بہت سال پہلے آئی تھی اور دوسری تبدیلی اب آئی تھی۔ دونوں کی وجہ ایک ہی لڑکی تھی ارمینہ سرفراز محمود، وہ ان کی زندگی کی ہر خوشی اور ہر غم کی وجہ تھی۔

☆...☆...☆

پشاور میں ان کا فلیٹ تین کمروں پر مشتمل تھا۔باہر کی طرف ایک چھوٹی سی بالکونی تھی جہاں پودے رکھے ہوئے تھے۔اور ایک چھوٹا سا لاؤنج جہاں ٹی وی رکھا ہوا تھا۔انہیں شفٹ ہوئے ایک مہینہ ہو چکا تھا۔شکرپاراں جیسا حسن، ہوا، لوگ، محلہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور گھر یہاں نہیں تھے مگر پھر بھی وہ لوگ رہنا سیکھ گئے تھے۔وہ تینوں ایک دوسرے کے لیے کافی تھے، سرفراز نے اپنی ڈیوٹیز واپس جوائن کر لی تھیں۔

وہ اس وقت الماری سے کپڑے نکال رہی تھی جب اس کی نظر اس البم پر پڑی تھی جسے سرفراز نے بہت سنبھال کر یہاں رکھا ہوا تھا۔اس نے البم نکال لیا۔اس میں سرفراز اور احمد کی تصاویر تھیں، ان کے بچپن سے لے کر جوانی تک کی، تقریباً عمر کے ہر حصے کی تصاویر۔وہ البم دیکھ رہی تھی جب سرفراز اندر آیا۔

میرے سب سے قیمتی اساسوں میں سے ایک ہے یہ البم۔ البم پر نظر پڑتے ہی سرفراز نے کہا۔

ہاں! احمد بھائی اور تمہاری کتنی ساری تصویریں ہیں، سب بہت اچھی ہیں۔

ہاں اس نے مسکرا کر کہا۔ایک تصویر کو دیکھ کر وہ رکا۔

پتا ہے ایک دفعہ ہم چھٹیوں پر ایک ساتھ شکرپاراں آئے تھے۔یہ تب کی ہے۔احمد نے میری سب سے پسندیدہ جیکٹ چھپا دی تھی اور پھر میں اسے ڈھونڈتا رہا۔پتا نہیں کتنی دیر وہ آرام سے بیٹھ کر کھانا کھاتا رہا اور مجھے اسے دیکھ کر غصہ آرہا تھا۔ میں نے سارا گھر دیکھ لیا پھر جب وہ کھانا کھا چکا تو اس نے ہاتھ دھوئے اور وہ جس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

چیئر پر بیٹھا تھا اس کی سیٹ اٹھائی اور اس کے نیچے سے میری جیکٹ نکال کر مجھے دی۔

انابیہ مُسکرا کر اس کی بات سُن رہی تھی۔

تو پھر تم نے کچھ کہا نہیں انہیں اتنی آسانی سے تو جانے نہیں دیا ہو گا؟ انابیہ کے تبصرے پر وہ مسکرایا۔

نہیں! میں اگلے دن اس کے لیے ویسی ہی ایک جیکٹ لے آیا اس کا سب سے پسندیدہ بیگ بیچ کر۔ انابیہ زور سے ہنسی۔

میں نے اس سے کہا اگر میرے پاس ہے تو تیرے پاس بھی ہونی چاہیے تب تھوڑی دیر وہ مجھے گالیاں دیتا رہا، پھر ایک قہقہہ لگا کر ہنسا اور جیکٹ پہن لی۔ پھر ہم دونوں نے ایک جیسی جیکٹ پہن کر یہ تصویر کھنچوائی تھی۔ وہ مسکرا کر اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

تم دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہو ناں؟ اس نے مسکرا کر البم انابیہ کے ہاتھ سے لے کر اپنی گود میں رکھ لی۔

انابیہ وہ مجھ سے عمر میں ایک سال بڑا ہے، لیکن میرے لیے وہ بہت سے رشتوں کا نعم البدل ہے۔ دوست ہونے کے ساتھ ساتھ بھائی ہے، ہم راز ہے اور کبھی کبھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مجھے اس میں بابا کی جھلک بھی دِکھتی ہے۔جب وہ مجھے کسی بات سے منع کرتا ہے ڈانٹتا ہے یا گلے لگاتا ہے لوگوں کے دوست ہوتے ہیں مگر جو احمد میرے لیے ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے اس کی باتیں سن رہی تھی اور وہ جو البم سینکڑوں بار دیکھ چکا تھا ایک بار پھر دیکھنے بیٹھ گیا تھا، اسی انہماک اسی دلچسپی کے ساتھ۔کچھ رشتے زندگی میں آپ کو بنے ہوئے ملتے ہیں وہ قسمت ہوتی ہے مگر کچھ رشتے آپ خود بناتے ہیں وہ نعمت ہوتے ہیں۔اس کے لیے بھی احمد کی دوستی نعمت تھی۔گرمی کے بعد ٹھنڈی پھوار کے جیسی، اندھیروں کے بعد نظر آنے والی روشنی جیسی۔

اسی وقت سرفراز کا فون بجا۔

لو! اس کا ذکر کر رہے تھے اور موصوف کی کال آگئی۔ اسکرین پر احمد کا نام چمکتا دیکھ کر سرفراز نے انابیہ سے کہا۔

السلام علیکم! جنت کی حوروں کو انتظار کرنا پڑے گا تیرا کیوں کہ عمر لمبی ہے تیری۔میں اور انابیہ ابھی تیرا ہی ذکر کر رہے تھے اور تیری کال آگئی۔

اچھا! یقینا تم میری کوئی نہ کوئی برائی ہی کر رہے ہو گے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں میں انابیہ کو بتانے لگا تھا کہ بچپن میں تمہیں کتنی بار سچا والا عشق ہوا ہے۔ دوسری طرف احمد کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ تو پھر اس کو یہ بھی بتا دو کہ تمہیں کتنی بار سچی محبت ہوئی ہے۔

میں تو بتا چکا ہوں اسے کہ مجھے ایک ہی بار سچی والی محبت ہوئی ہے۔ اس نے نگاہوں کا رخ انابیہ کی طرف کر کے کہا تو وہ مسکرا دی۔

وہ جانتی تھی گفت گو کچھ لمبی ہونے والی ہے۔وہ دونوں ایک دوسرے سے روزانہ کی بنیاد پر بات نہیں کرتے تھے مگر جب کرتے تو لمبی بات کرتے، وہ وہاں سے اٹھ کر کچن میں آگئی۔اس نے کم از کم اپنی زندگی میں دوستی جیسے رشتے کی یہ شدت کہیں نہیں دیکھی تھی۔زندگی نے انہیں ایک دوسرے کا بہترین غم خوار بنایا تھا۔ اللہ! ان کی دوستی کو ہر بُری نظر سے بچا کر رکھیے گا۔ بے ساختہ اس نے دعا کی تھی۔

☆...☆...☆

مجھے تمہاری امی سے ملنا ہے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ارمش سے کہا وہ جو سن گلاسز آنکھوں پر چڑھا رہا تھا، رک گیا۔

کیوں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں تو ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں خود آجاتی پر مجھے تمہارا گھر نہیں معلوم۔

اگر ایسا ہے تو چلو۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

تمہاری امی سوئٹ ہیں بہت، مجھے ان سے مل کر بہت اچھا لگا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر ارمینہ نے کہا۔

اور بابا؟ اس نے عجیب سا سوال کیا جیسے خود جاننا چاہتا ہو کہ اس کے بابا کیسے تھے۔

وہ بھی اچھے ہیں۔ اس نے بس اتنا ہی کہا۔

سچ یہی تھا کہ اس کو ارمش کے بابا کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے وہ اسے بہت سخت مزاج سے لگے تھے۔اسے یہ بھی عجیب لگا کہ وہ ایک بار بھی ہیری ہوم نہیں آئے۔ارمش نے اتنی محنت کی تھی اور اب جب ہیری ہوم سانس لینے لگا تھا، تب بھی انہوں نے ہیری ہوم کا ایک بھی چکر نہیں لگایا۔گاڑی اس کے گھر کے کارپورچ میں داخل ہوئی، اس کا گھر بہت خوبصورت تھا۔داخلی دروازہ بہت وسیع تھا۔وہ اندر آئے تو اسے کچھ ڈر سا لگا۔احمد رضا سے اس کی پہلی ملاقات کچھ خاص خوش گوار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں تھی، وہ پھر بھی اخلاقیات کی خاطر ارمش کی امی سے ملنے آگئی۔ارمش اس کے بابا کی بہت عزت کرتا تھا تو یہ اس کا بھی اخلاقی فرض تھا۔

چلو آؤ۔ وہ اسے لے کر اندر آگیا۔سامنے صوفے پر احمد رضا بیٹھے تھے۔اس کا حلق خشک ہونے لگا۔

السلام علیکم بابا۔ ارمش کی آواز پر احمد رضا نے سر اٹھا کر ارمش کو دیکھا پھر ساتھ کھڑی ارمینہ کو اور کچھ دیر اپنی جگہ جم سے گئے۔

وعلیکم السلام! اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا چہرہ واپس اخبار کی طرف کر لیا۔ارمش کو کچھ حیرانی ہوئی۔

السلام علیکم انکل۔ اس بار ارمینہ نے سلام کیا۔

وعلیکم السلام۔ انہوں نے گردن اٹھائے بغیر ہی اسے جواب دے دیا۔

بابا ارمینہ امی سے ملنے آئی ہے۔

وہ اوپر ہیں، چلے جاؤ۔ کچھ دیر تک وہ بابا کے رویے پر حیران ہوا پھر ارمینہ کو لیے اوپر آگیا۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اس نے امی کو سلام کیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

امی ارمینہ آپ سے ملنے آئی ہے۔ وہ بیڈ پر لیٹی تھیں جب وہ اندر آئی۔اس کا چہرہ دیکھ کر وہ چونک سی گئیں پھر انہوں نے اپنی گھبراہٹ پر چند لمحوں میں قابو پا لیا۔

السلام علیکم آنٹی کیسی ہیں آپ؟ یہ کہتی ہوئی وہ ان کے قریب گئی۔

پلیز لیٹی رہیے، اٹھیے مت۔ وہ بیڈ سے اٹھنے لگیں تو اس نے انہیں روک دیا۔

وہ ارمش نے بتایا آپ بیمار ہیں۔اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟

اب تو اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں۔شکریہ تم آئیں۔ انہوں نے مُسکرا کر جواب دیا۔ارمش بیڈ سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا جبکہ ارمینہ بیڈ پر ان کے پاس بیٹھی تھی۔ ثمینہ احمد رضا غور سے اس کے چہرے کے نقوش دیکھ رہی تھیں۔

آپ سے مل کر بہت اچھا لگا تھا اس دن۔

مجھے بھی۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا تو اس کا ڈر اور گھبراہٹ کم ہوئی۔

کیا کرتی ہو بیٹا تم؟

ڈاکٹر ہوں آنٹی، جاب کرتی ہوں۔

اچھا! سن کر اچھا لگا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر وہ چند لمحوں تک اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔کوئی سایہ ان کے چہرے سے آکر گزر گیا۔

وہ تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھی رہی جس میں سے زیادہ وقت خاموشی میں گزرا پھر وہ دونوں نیچے آگئے احمد رضا اب صوفے پر موجود نہیں تھے۔ اسے لگا وہ جان بوجھ کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے ہیں کہ کہیں اس سے دوبارہ سامنا نہ کرنا پڑے۔

بابا کے رویے کیلئے سوری۔ اس نے گردن گھما کر ارمینہ کو دیکھا، وہ اس کی کیفیت بھانپ گیا تھا اور کچھ شرمندہ سا لگ رہا تھا، ارمینہ نے جواب نہیں دیا، وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔

ارمینہ۔ اس کی آواز پر وہ چونکی۔

کیا ہوا؟ کیا سوچنے لگ گئی ہو؟

ارمش تمہارے بابا کو میں اچھی نہیں لگتی کیا؟ اس نے اتنی معصومیت سے پوچھا کہ ارمش کو ہنسی آگئی۔

تم یہ کیوں چاہتی ہو کہ ہر کوئی تمہیں پسند کرے؟ کچھ لمحوں بعد اس نے سنجیدگی سے اسے پوچھا۔

ہر کوئی چاہتا ہے۔ ارمینہ نے کہا۔

نہیں۔میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ کوئی مجھے ناپسند نہ کرے اور رہا سوال بابا کا تو وہ ایسے ہی ہیں خاموش رہتے ہیں۔Please don t mind

تم اپنے بابا جیسے ہو بالکل۔

یہ compliment ہے؟

نہیں تبصرہ۔

بہتر ہے تبصرے نہ کرو۔تم جانتی ہی کتنا ہو مجھے؟

بس اتنا کہ تمہیں فل سلیوز سے الجھن ہوتی ہے اور گھڑی کے بغیر تم گھر سے قدم باہر نہیں نکال سکتے اور کھانے میں تمہیں نمک کم پسند ہے اور چائے بغیر چینی کی پیتے ہو اور تمہیں اورنج جوس سخت ناپسند ہے۔ وہ مسکرا کر اسے بتانے لگی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

کیا ہوا؟ کچھ غلط کہا؟

نہیں! میری زندگی میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اتنی باریکی سے میری عادتیں،میری پسند ناپسند یاد رکھیں۔بس امی کو پتا ہوتا ہے یہ۔

نہیں تمہارے بابا کو بھی پتا ہے۔

بابا کو؟ ہاں جب ہم سیڑھیوں سے اوپر جا رہے تھے تو نوکر کو روک کر انہوں نے اورنج جوس کی جگہ ایپل جوس لانے کو کہا تھا۔انہیں پتا ہے تم اورنج جوس نہیں پیتے۔میں نے دیکھا تھا وہ نوکر کو ہدایت دے رہے تھے اسی لیے اوپر کمرے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں سب کے لیے اپیل جوس آیا تھا۔ وہ مسکرا کر اسے بتا رہی تھی اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔اس نے کبھی دھیان نہیں دیا کہ اس کے بابا اس کی پسند ناپسند کو اہمیت دیتے ہیں۔

Doctors are the best observers کچھ اترا کر اس نے کہا تو ارمش بھی مُسکرا دیا۔اس کے بابا کا یہ مثبت پہلو ارمینہ نے اسے دکھایا تھا۔اسے بابا کے حوالے سے انوکھی سی خوشی محسوس ہوئی۔وہ اب بھی بچہ تھا جسے اپنے ماں باپ کی توجہ، ان کی concern سب سے زیادہ عزیز تھی۔اب وہ باہر آگئے تھے۔

وہ رہے جاوید بھائی۔ اس نے گاڑی کھڑی دیکھ کر اس سے کہا۔

تم نے بلا لیا انہیں؟

ہاں!

چلو اچھا ہے... پچھلے ایک گھنٹے سے تمہاری آواز سن سن کر میرے کان میں درد ہو گیا ہے۔ چہرے پر مظلومیت لائے وہ بولا۔

ارمش پاپا کہتے ہیں میری آواز بہت پیاری ہے، تمہارے اپنے کان میں کوئی مسئلہ ہو گا۔ غصے سے کہہ کر وہ پلٹ گئی اور وہ مسکرا کر اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔وہ سوچ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

رہا تھا کہ اس کے پاپا ٹھیک کہتے ہیں، ارمینہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑنے والی اب تک کی سب سے خوبصورت آواز تھی، اس نے اعتراف کیا۔

☆...☆...☆

السلام علیکم پاپا! اس نے جاتے ہی انہیں گلے لگا لیا۔

وعلیکم السلام! کیا ہوا تھک گئیں؟ اسے نڈھال دیکھ کر وہ پوچھ بیٹھے۔

آپ سے دور کتنے گھنٹے گزر گئے ہیں۔آپ کو مِس کر رہی تھی۔ شرارت سے اس نے کہا تو وہ مسکرائے اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

پاپا ! آج میں ارمش کے گھر گئی تھی۔ وہ بیگ رکھتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی۔ ان کے چہرے کا جیسے رنگ اڑ گیا۔

ارمش کے گھر؟ کیوں گئی تھیں؟ وہ سنجیدہ اور قدرے پریشانی سے بولے۔

پاپا ارمش کی امی کی طبیعت خراب تھی ارمش بھی آپ کو دیکھنے آیا تھا تو میں نے سوچا مجھے بھی جانا چاہیے ان سے ملنے۔ ان کے اندر کچھ بولنے کی سکت نہیں تھی، وہ خاموشی سے اسے تکتے رہے۔

پاپا ارمش کی امی بہت اچھی ہیں، بیماری میں بھی وہ مجھ سے اتنے اچھے طریقے سے بات کررہی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور اس کے بابا؟ میکانکی انداز میں انہوں نے پوچھا۔وہ ارمینہ سے نظریں نہیں ملا رہے تھے کہ کہیں وہ ان کی کیفیت نہ بھانپ لے۔

اس کے بابا تھوڑے rude سے ہیں پاپا۔انہوں نے مجھ سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کی۔ سمجھ میں نہیں آیا کیوں؟ مجھے لگا جیسے میں انہیں اچھی نہیں لگی۔ وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھی اور وہ بالکل خاموش تھے۔کچھ دیر انہیں وہاں کا احوال بتانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن سرفراز محمود وہیں بیٹھے رہے۔ ان کے اندر وہیل چیئر گھسیٹ کر کمرے میں لے جانے کی بھی سکت نہیں تھی۔ انہوں نے فرید بابا کو بلایا۔

مجھے کمرے میں چھوڑ آؤ۔ کمرے میں آکر انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

تو تم نے ارمینہ کو پہچان لیا احمد اور اسے ابھی تک معاف نہیں کیا؟مجھے بھی ابھی تک معاف نہیں کیا؟ انہوں نے بے بسی سے سوچا اور رونے لگے...

سرفراز محمود کے رونے کا منظر اگر کوئی اور دیکھتا تو یقین نہ کرتا۔دنیا کے لیے وہ بہت مختلف تھے۔زندگی کی تلخیاں، حادثے، غم انہوں نے کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہیں کئے تھے، حتیٰ کہ ارمینہ کے آگے بھی نہیں۔انہیں اپنے دکھ بانٹنا کبھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آیا ہی نہیں تھا سوائے ایک انسان کے اور وہ ایک انسان ان سے اتنے فاصلے پر تھا کہ وہ اس کے سامنے موجود ہو کر بھی اسے کچھ نہ کہہ پاتے۔

تم نے ارمینہ کو خود سے اتنا دور کیوں کر دیا احمد؟ اتنا دور کہ اس سے بات کرنا تمہاری توہین ہے؟ تم نے اسے دھتکار دیا وہ بھی ایسے کہ اسے پتا تک نہیں چلا۔تم نے اسے خود سے الگ کیوں کر دیا؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مجھ سے جڑی ہے اور میں۔میں سرفراز محمود تو کبھی احمد رضاابراہیم سے الگ ہوا ہی نہیں... میں ہو ہی نہیں سکتا احمد، میں نہیں ہو سکتا۔کسی ایسے انسان سے کیسے الگ ہوا جا سکتا ہے جس نے آپ کو جینا سکھایا ہو، اپنے دکھ کس سے کہوں احمد؟ اپنی تکلیف کس سے کہوں؟

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ان کے اندر دکھ نہیں تھا، خلا تھا۔دکھ بھلائے جا سکتے ہیں پر خلا کو پُر نہیں کیا جا سکتا۔وہ خالی جگہ آپ کو ہر بار نظر پڑنے پر اتنی ہی تکلیف دیتی ہے جتنی پہلی بار سرفراز محمود کی زندگی میں احمد رضا کے نام کا خلا بہت وسیع ہو گیا تھا۔دنیا کا کوئی انسان اسے پُر کر ہی نہیں سکتا تھا۔انہوں نے بہ مشکل اپنے آپ کو بستر پر ڈالا، نیند ان سے کوسوں دور تھی ماضی ان کی ہر سوچ پر غالب تھا انہوں نے تکلیف دہ واقعات کو پھر سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

احمد رضا صاحب اسٹڈی میں آئے تو ان کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی، بے ساختہ ان کا ہاتھ اسی کتاب پر گیا جس میں ارمینہ کی تصویر رکھی تھی انہوں نے پھر تصویر کو دیکھنا شروع کر دیا، اس کا موازنہ شروع کر دیا۔تصویر میں اس کے بال چھوٹے تھے پونی میں جکڑے ہوئے ہوتے تھے، بال اس کے آج بھی پونی میں جکڑے تھے مگر اب وہ پہلے سے زیادہ لمبے ہو چکے تھے۔اس کے چہرے پر آج بھی وہی معصومیت تھی جیسی اس تصویر میں تھی۔انہوں نے جاتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ان کے رویے کی وجہ سے اس پر آنے والی مایوسی واضح تھی۔

کچھ نہیں بدلا سرفراز دیکھ لو سب کچھ ویسا ہی ہے۔یہ ہے تمہاری بیٹی ارمینہ سرفراز محمود! اگر تم نے میری اکلوتی بہن کے ساتھ وہ نہ کیا ہوتا جو تم نے کیا تو آج میں اسے دیکھ کر کِھل اٹھتا، مگر کچھ زخم کبھی نہیں بھرتے ، سدا زیست پر باقی رہتے ہیں تم نے ایسا ہی زخم دیا مجھے۔

وہ نہیں جانتے تھے ان کا مجرم اپنے قیدخانے میں بیٹھا رو رہا تھا اور اپنی آزادی کی رہائی مانگ رہا تھا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

انابیہ رضا ابراہیم احمد رضا ابراہیم کی اکلوتی بہن تھی۔ماں باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اسے بچپن سے اپنی بیٹی کی طرح پالا تھا۔ان کی اس سے محبت شدید تھی۔وہ اسے لے کر حد سے زیادہ possessive تھے۔ان کیلئے وہ ایک کانچ کی گڑیا تھی جسے بڑی محبت سے انہوں نے سرفراز کے حوالے کیا تھا۔وہ مطمئن تھے کیوں کہ وہ سرفراز کو جانتے تھے بلکہ ان سے بہتر سرفراز کو کوئی اور نہیں جانتا تھا اور وہ واقعی خوش بھی تھے۔انابیہ کا چہرہ دیکھ کر ہی انہیں اندازہ ہو جاتا کہ وہ شادی شدہ زندگی میں بہت پرسکون تھی۔

پھر انہیں ایک دن سرفراز کا فون آیا۔

احمد دیکھو اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔ سرفراز نے ارمینہ کی پیدائش کی خبر دی تھی اور ساتھ موبائل پر ارمینہ کی تصویر بھی بھیجی تھی ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور وہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر پشاور چلے گئے تھے۔

اس نے پہلی بار ارمینہ کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔وہ ویسی ہی تھی جیسی سرفراز نے اسے بتایا تھا، پیاری سی گلابی سے چہرے اور نیلی آنکھوں والی۔احمد نے نرمی سے اسے چوما تھا۔

اپنی مصروفیات کے باعث ایک دن پشاور میں قیام کر کے وہ واپس آگیا تھا جب کہ سرفراز، انابیہ اور امی جی، ارمینہ سمیت شکرپاراں آگئے تھے کیوں کہ وہاں سب نیلی آنکھوں والی اس گڑیا کو دیکھنے کے منتظر تھے۔مگر چند دن بعد ہی احمد کو اطلاع ملی تھی کہ امی جان کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔وہ شکرپاراں آنے کیلئے نکل چکا تھا اور اسے راستے میں ہی خبر ملی کہ امی جان اب اس دنیا میں نہیں تھیں۔

سرفراز کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔اس نے خود کو ہسپتال کی راہداری میں کڑی دھوپ میں تنہا کھڑے پایا تھا۔اب نہ کوئی شجر تھا نہ کوئی سایہ! امی جان کے انتقال کے بعد وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا۔وہ لوگ امی جی کو سپرد خاک کرنے کے بعد پشاور واپس چلے آئے تھے مگر سرفراز کی چپ برقرار تھی۔انابیہ سے بھی اس کی گفت گو بہت کم ہو گئی تھی۔وہ گھر آتا تو ارمینہ کے ساتھ کچھ دیر کھیلتا، کھانا کھاتا اور سو جاتا۔انابیہ کو کچھ دن لگا کہ یہ صدمے کی وجہ سے تھا مگر یہ اس کی عادت بنتی جا رہی تھی۔اسے پریشانی ہوئی تو اس نے احمد کو فون کیا۔

وہ امی جی سے بہت محبت کرتا تھا انابیہ ٹھیک ہو جائے گا۔ انہوں نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

جانتی ہوں بھائی مگر وہ خود کو بیمار کر لے گا۔ٹھیک سے کھانا نہیں کھاتا، ہنستا بولتا نہیں ہے مجھ سے بھی ٹھیک سے بات نہیں کرتا۔

کیوں تم سے کیوں ٹھیک سے بات نہیں کرتا؟

بس اس کا دل نہیں کرتا کسی سے بھی بات کرنے کو، وہ آتا ہے ارمینہ کے ساتھ تھوڑا وقت گزارتا ہے اور کھانا کھا کر سو جاتا ہے۔ اب انہیں کچھ تشویش ہوئی۔

اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے ٹھیک ہے میں اس سے بات کر لوں گا تم پریشان نہ ہو۔

جی بھائی اسے سمجھائیں... وہ اپنے آپ پر ظلم نہ کرے مزید...

☆...☆...☆

ہونہہ! فون رکھ کر احمد رضا سوچ میں پڑ گئے۔پھر انہوں نے سرفراز کا نمبر ملایا، چند گھنٹیوں بعد فون اٹھا لیا گیا تھا، سرفراز کی کمزور سی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

ٹھیک ہوں احمد کے حال پوچھنے پر اس نے بس اتنا کہا تھا۔

انابیہ نے کہا تم ٹھیک نہیں ہو، بہت خاموش رہنے لگے ہو۔دیکھو سرفراز مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔تمہاری ایک فیملی ہے تمہیں ان کی دیکھ بھال کرنی

ہے ان کے ساتھ وہی رویہ رکھو جو پہلے تھا انابیہ بہت پریشان رہتی ہے تمہیں لے کر۔

وہ بس یونہی گھر میں بیٹھے بیٹھے سوچتی رہتی ہے احمد میں ٹھیک ہوں رہنے دو اسے اور۔ وہ جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ کیسے رہنے دوں؟ اگر اسے کوئی پریشانی ہے تو ہم دونوں کی ذمے داری ہے کہ ہم اسے دور کریں۔تم ارمینہ کے ساتھ وقت گزارتے ہو تو اس کے ساتھ بھی گزارا کرو۔ویسے بھی وہ اب سارا دن اکیلی ہی ہوتی ہے تم بھی گھر جا کر اس سے بات نہیں کرو گے اسے وقت نہیں دو گے تو وہ اپ سیٹ تو ہو گی۔

ہاں میں سمجھتا ہوں یار مگر گھر بہت خالی خالی لگتا ہے امی جی کے بغیر کچھ کرنے کا کچھ بولنے کا دل نہیں کرتا مگر تم فکر مت کرو میں آئندہ خیال رکھوں گا۔

بہتر! اس کے ساتھ ساتھ اپنا بھی خیال رکھو اور زندگی کی طرف لوٹو۔

گفت گو ختم ہو گئی تو سرفراز نے فون رکھ دیا پھر وہ انابیہ کے بارے میں سوچنے لگا۔احمد ٹھیک کہہ رہا تھا اسے اب انابیہ پر دھیان دینا چاہیے تھا آخر وہ اس کی فیملی تھی۔

تم نے احمد کو فون کیا تھا؟ گھر آکر کھانے کی ٹیبل پر اس نے انابیہ سے پوچھا تھا وہ خاموش رہی تھی۔

میں شرمندہ ہوں تمہیں لے کر کچھ بے پروا ہو گیا تھا۔ وہ نظریں جھکا کر کہہ رہا تھا، انابیہ نے سرفراز کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

میں اپنے لیے نہیں تمہارے لیے پریشان ہوں اس طرح تم خود کو ڈپریشن کا مریض بنا لو گے۔ وہ اس کے جملے اور فکر کرنے والے انداز پر مسکرایا تھا۔

عورت کو ہر اس انسان کی فکر ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے؟ اس نے مسکرا کر انابیہ سے سوال کیا۔

دوسری عورتوں کا تو پتا نہیں مگر مجھے تو ہوتی ہے اور میری زندگی میں تم اور ارمینہ ہی تو ہو، کبھی کبھی مجھے تم سے زیادہ سمجھ دار ارمینہ لگتی ہے۔ اس کے جملے پر وہ ہنس دیا تھا۔

خبردار جو تم آج مجھ سے باتیں کئے بغیر سوئے تو مجھے نیند نہیں آئے گی ورنہ۔ انابیہ محبت سے بولی تھی اور سرفراز اسے دیکھتا رہ گیا۔سرفراز نے بھی اس کے ساتھ برتن سمیٹنے میں اس کی مدد کی پھر وہ کمرے میں آگئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یار! سر میں بہت درد ہو رہا ہے انابیہ مجھے کوئی گولی دے دو۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی سرفراز نے کہا تو وہ واپس گولی لینے کے لیے مڑ گئی واپس آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں گولی تھی دوسرے ہاتھ میں تیل کی شیشی تھی۔

درد تو گولی سے صحیح ہو جائے گا مگر مجھ سے مالش کروا لو تو نیند اچھی آئے گی اور سکون بھی ملے گا۔ وہ اب اسے گولی اور پانی کا گلاس تھما رہی تھی۔

نہیں یار! مجھے الجھن ہوتی ہے اس سے۔ وہ کچھ اکتا کر بولا تھا۔

ہوتی رہے مگر لگوانا پڑے گا۔

تم آرڈر دے رہی ہو مجھے؟ وہ چہرے پر مسکراہٹ روکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

نہیں! اپنا حق استعمال کر رہی ہوں۔ کمر پر ہاتھ رکھ کے اس نے کہا تو وہ ہار مان گیا۔ کبھی کبھی ہار ماننا کتنا اچھا لگتا ہے۔

انابیہ نے اس کے سر میں اپنی انگلیاں گھمانی شروع کر دی تھیں، ارمینہ سرفراز کی گود میں تھی۔

دیکھو اسے! یہ بالکل تمہارے جیسی ہے۔ سرفراز کے تبصرے پر وہ ارمینہ کو دیکھنے لگی۔

اب میرے پاس تمہاری کاربن کاپی بھی ہے۔ انابیہ مسکرائی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں! میں نہ رہوں تو تم اس سے کام چلا لینا۔ وہ میکانکی انداز میں بولی تو سرفراز نے اپنے بالوں میں حرکت کرتا اس کا ہاتھ ایک پل میں پکڑ لیا تھا۔

اس طرح مت کیا کرو انابیہ پلیز۔ وہ سکتے میں آگیا تھا۔

ارے میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔

یونہی بھی مت کہا کرو۔تم نہیں ہو تو دنیا کی ہر چیز بے معنی ہے میرے لیے۔ تمہیں دیکھ کر تو جیتا ہوں میں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

سوری! آئندہ نہیں کہوں گی۔ اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

You ll be a good girl then اس نے اپنے ہاتھ میں موجود اس کا ہاتھ نرمی سے چوم کر کہا تھا۔

اب سو جائیں؟ ختم مالش؟ وہ اٹھتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

سچ بتاؤ؟ تمہیں اچھا محسوس ہوا ناں؟

ہاں تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔واقعی اچھا لگا مجھے۔تیل کا کمال نہیں ہے میری بیوی کے ہاتھوں کا جادو ہے۔ وہ مسکرائی اور ہاتھ دھونے واش روم میں گھس گئی۔

آج تک کبھی احمد کو سرفراز سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔انابیہ اس کے ساتھ جنت جیسی زندگی گزار رہی تھی۔مگر آج انہیں کچھ برا لگا تھا۔انابیہ نے انہیں فون

کر کے سرفراز کے رویے کے بارے میں بتایا تھا، انہیں سرفراز کی تو فکر تھی ہی مگر سرفراز کا رویہ ان کی بہن کے دکھ کا باعث تھا۔یہ بات ان کے دماغ میں اٹک گئی تھی۔اس کے پاس انابیہ سے بات کرنے کا وقت نہیں تھا، کچھ دیر انہیں سرفراز سے شکوہ ہوا پھر احمد نے اپنا دھیان اس بات سے ہٹا لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرفراز بھی نارمل ہو گیا تھا مگر ایک کانٹا احمد کے دل کے کہیں بہت اندر جا کر پیوست ہو گیا تھا۔

☆...☆...☆

ارمینہ بھی بڑی ہو رہی تھی۔وہ وقت سے بہت جلدی بولنا سیکھ گئی تھی۔اس نے اپنی زبان سے پہلا لفظ پاپا کہا تھا۔سرفراز نے خوش ہو کر احمد کو فون کیا تھا۔

جانتے ہو میری بیٹی نے پہلا لفظ پاپا کہا ہے۔ بڑے جوش سے اس نے احمد کو بتایا تھا۔

وہ تمہاری نہیں تم دونوں کی بیٹی ہے۔ احمد نے کہا تو سرفراز کو اس کا رویہ کچھ عجیب لگا تھا۔

تم ہمیشہ اسے میری بیٹی کیوں کہتے ہو؟

احمد یار میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا... جانتا ہوں وہ ہم دونوں کی بیٹی ہے۔

ہاں! خیر مبارک ہو تمہیں۔وقت سے پہلے ہی بڑی ہو رہی ہے۔

ہاں ماشاء اللہ قد لمبا ہے تو بڑی بڑی لگتی ہے۔ وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے فون پر کہہ رہا تھا۔

اچھا یہ بتاؤ کراچی کب آرہے ہو؟ اسے احمد کے لہجے میں اکتاہٹ محسوس ہوئی۔

کل شام تک پہنچ جائیں گے۔ اب احمد چونکا تھا۔

کیا واقعی؟ حیرانی سے پوچھ کر اس نے تصدیق چاہی تھی۔

ہاں سوچا یہ والا ویک اینڈ کراچی میں گزار لیں۔انابیہ بھی سب سے مل لے گی اور ارمینہ بھی۔

چلو ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔

ارمش اور ارحم کیسے ہیں؟ ٹھیک ہیں اب تو دونوں ساتھ اسکول جاتے ہیں۔

سرفراز نے محسوس کیا احمد کے لہجے میں وہ خاص چمک اور شوخی نہیں تھی اور یہ پچھلے کچھ مہینوں سے تھا۔

ٹھیک ہے میں آؤں گا تو ان سے ملوں گا۔

چلو خداحافظ۔

خداحافظ

یہ پہلی بار تھا جب بات ختم کرنے میں پہل احمد نے کی تھی۔وہ حیرت سے فون کو دیکھتا رہا۔دوسری طرف احمد فون رکھ کر بے تاثر سا بیٹھا تھا۔یہ پہلی بار تھا جب احمد، سرفراز سے بات کر کے اور اس کا فون رکھ کے اسے کوئی میٹھی سی گالی دیئے بغیر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

سرفراز اس دن گھر آیا تو وہ کچن میں کچھ بنا رہی تھی۔

خوشبو سے تو لگ رہا ہے کچھ خاص بن رہا ہے۔

ہاں بہت خاص !میں فِش گرل کر رہی ہوں۔ وہ کچن میں کھڑے کھڑے بولی تھی۔

ارے واہ!

تم فریش ہو جاؤ میں کھانا لگاتی ہوں تب تک یہ بن جائے گی۔

ٹھیک ہے۔ وہ اس کا ماتھا چومتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔واپس آیا تو انابیہ ہاتھ پر کوئی کریم لگا رہی تھی۔

یہ کیا ہوا؟

ہاتھ جل گیا۔ وہ اسی مصروف انداز میں بولی تھی۔

دکھاؤ۔ اس کے ہاتھ کی دو انگلیاں لال ہو رہی تھیں جیسے ابھی ابھی جلی ہوں ،اس نے کریم اس کے ہاتھ سے لی اور اس کے ہاتھ پر لگانے لگا۔

کام دھیان سے کیا کرو یار... کچھ نہ کچھ کر کے بیٹھ جاتی ہو اس دن ہاتھ کاٹ لیا تھا، آج جلا لیا۔

جلدی جلدی میں میرے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں تو خودبہ خود ایسا ہو جاتا ہے۔ وہ معصومیت سے بولی تھی۔

تو کیوں کرتی ہو جلدی؟ کھانا تھوڑا لیٹ ہو جائے گا تو بھوک کے مارے بے ہوش تھوڑی ہو جاؤں گا میں۔ وہ کریم لگا چکا تو وہ اٹھنے لگی۔

کہاں؟

کھانا لگا رہی ہوں۔

ضرورت نہیں، میں کر لوں گا بیٹھ جاؤ۔

سرفراز میں کر لوں گی تمہیں چیزیں نہیں ملیں گی۔

مل جائیں گی۔ وہ کہتا ہوا کچن کی طرف بڑھنے لگا۔

ہلکا سا جلا ہے، میرے اتنے نخرے مت اٹھاؤ۔ وہ زور سے بولی کہ کچن تک آواز چلی جائے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ میرا محبوب مشغلہ ہے۔ اس نے بھی کچن سے اونچی آواز میں کہا تھاتو وہ مُسکرا دی۔اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ساری ڈنر ٹیبل سیٹ کر دی اور وہ دیکھتی رہ گئی۔

تم سولجر ہو یا ویٹر؟ اس کے سوال پر وہ ہنسا تھا۔

باہر فوجی ہی ہوں گھر میں آپ جو کہنا چاہیں قبول ہے۔ یہ کہہ کر وہ کچن میں چلا گیا اور گرل کی ہوئی فش پلیٹر میں رکھ کر لے آیا تھا۔پھر لاؤنج میں دوسرے حصے میں گھومتی ارمینہ کو اٹھائے ٹیبل تک آگیا۔

یہ لو۔ وہ خود بھی کھا رہا تھا اور ساتھ انابیہ کے منہ میں بھی لقمے ڈالتا جا رہا تھا۔

میں نے تو سنا تھا فوجی بڑے سخت ہوتے ہیں مگر تم سے زیادہ نرم دل تو آج تک میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔وہ اس کی بات پر مسکرایا تھا۔

مسز انابیہ سرفراز محمود... میں نے بھی آپ سے زیادہ خوبصورت دل رکھنے والی لڑکی نہیں دیکھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

دیکھنا بھی مت۔ وہ شرارت سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

کل کی پیکنگ کر لی؟

ہاں کر لی بس ارمینہ کا کچھ سامان باہر ہے۔

ہونہہ اس نے گردن ہلا دی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں یہ ارمش کے لیے لے لوں؟ ایک فوجی ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھتے ہوئے انابیہ نے پوچھا۔ ہاں لے لو۔

وہ ایئرپورٹ جانے سے پہلے سب کے لیے تحفے لینے آگئے تھے۔سرفراز تین سال میں ارمش سے صرف دو ہی بار مل پایا تھا۔وہ اسے بہت مختلف سا بچہ لگا تھا۔اس کی آنکھیں سیاہ اور چہرہ گلابی سا تھا۔دوسرے بچوں کی نسبت اس نے جلدی چلنا سیکھ لیا تھا۔وہ بولتا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو جاتے، احمد اس نے دوہی ملاقاتوں میں جان لیا تھا کہ ارمش وہ طوطا تھا جس میں احمد کی جان تھی۔احمد ارمش کی ہر چیز کو بھی اتنا ہی عزیز سمجھتا تھا۔ارمش کا کوئی کھلونا ٹوٹ جاتا اور وہ رونے لگتا تو احمد خود اس کے ساتھ بیٹھ کر اسے جوڑنے کی مشقیں کرنے لگتا۔

اس بار سرفراز اور انابیہ نے ان کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی تھی۔پھر وہیں سے وہ ایئرپورٹ کے لیے نکل گئے تھے۔وہ کراچی پہنچے تو شام ڈھل رہی تھی۔احمد انہیں لینے ایئرپورٹ آیا تھا۔احمد کی خوشی ان سب کو دیکھ کر دیدنی تھی۔وہ انابیہ اور ارمینہ سے ملنے کے بعد اس کے پاس آیا۔

تو فرصت مل ہی گئی تمہیں مجھے اپنی شکل دکھانے کی۔ معصوم سا شکوہ کرنے کے بعد وہ سرفراز کے گلے لگ گیا تھا اور سرفراز اس کا ہر رویہ اور ہر لہجہ بھول گیا

تھا۔گھر آتے آتے ان میں بہت سی خوش گوار باتیں ہوئی گھر آکر پر وہ ارحم اور ارمش سے ملا۔کھانے پینے سے فارغ ہو کر وہ دونوں واک کے لیے باہر آگئے تھے۔

کیسی جا رہی ہیں ڈیوٹیز؟ احمد نے چلتے چلتے اس سے سوال کیا جو سیاہ جینز اور آف وائیٹ دھاری دار شرٹ میں ملبوس تھا۔

اچھی جا رہی ہیں یار اگلے سال تک ان شاء اللہ promote ہو جاؤں گا۔

ان شاء اللہ۔ واک کرتے کرتے وہ اب سڑک پر نکل آئے تھے۔

احمد... کیا تم مجھ سے ناراض تھے؟ سرفراز کے اچانک سوال پر احمد نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

نہیں تو۔ احمد نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کیا۔

فون پر مجھے ایسا لگا جیسے تم مجھ سے ناراض ہو۔ سرفراز اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ احمد نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تھا۔

ارے نہیں یار! میں بس انابیہ کی وجہ سے فکرمند ہو جاتا ہوں۔ وہ سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی ہے اور اب ارمینہ کی بھی ذمہ داری ہے تو بس اسی لیے کچھ پریشان ہو جاتا ہوں۔وہ کبھی اکیلی رہی نہیں ہے۔

انابیہ کی فکر مجھے بھی ہے احمد! میں گھر پر نہیں ہوتا تو دس بار اسے فون کرتا ہوں مگر میں اپنی ڈیوٹیز، اپنی شفٹس نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔

ہاں ہاں میں جانتا ہوں اور میں نے ایسا کب کہا ہے۔خیر جانے دو یہ باتیں یہ بتاؤ پان کھاؤ گے؟ اکیلا ہوتا ہوں تو دل ہی نہیں کرتا آج تم ہو تو کھاتے ہیں۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ سرفراز سے کہہ رہا تھا۔

ضرور مگر یاد رکھنا میں مہمان ہوں اور والٹ بھی گھر پر ہے میرا۔ وہ معنی خیز انداز میں کہہ رہا تھا اور ساتھ ہنسی پر قابو پا رہا تھا۔

تیس روپے بھی نہیں ہیں تیرے پاس غریب آدمی؟ اور تو مہمان کب سے ہو گیا؟ چہرے پر سنجیدگی سجائے احمد نے اس سے کہا۔

بس جب سے شادی ہوئی ہے۔اب بہنوئی ہوں تمہارا۔عزت سے بات کیا کرو مسٹر احمد رضا ابراہیم۔ وہ رعب سے بولا تو احمد ایک قہقہہ مار کر ہنسا تھا۔

تم جیسے بہنوئی ہوں ناں تو بس اللہ خیر ہی کرے اور تم تو بھائی ہو اور بھائیوں کو عزت کے ساتھ دو تھپڑ ملتے ہیں اگر وہ بات نہ مانیں تو۔چلو آج کا پان میری طرف سے اگلا تم کھلاؤ گے وعدہ کر رہے ہو... سمجھے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں سمجھ گیا۔ ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا تو احمد پان کی دکان کی طرف بڑھ گیا اور سرفراز نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

سرفراز نے کتنے دن بے سکونی میں گزارے تھے اور یہ سوچ کہ احمد اس سے خفا ہو سکتا ہے اسے مزید بے سکون کر رہی تھی اور اب احمد کے منہ سے اپنی بے عزتی کے چند کلمات سن کر جیسے اسے قرار آگیا تھا۔وہ مسکراہٹ لبوں پر لیے اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔وہ دونوں گھر واپس آئے تو سرفراز سونے چلا گیا اور احمد اپنی اسٹڈی میں واپس آگیا جہاں انابیہ بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

ارے! آپ لوگ آگئے۔ احمد کو دیکھ کر وہ بولی اور ساتھ ہی مسکرائی۔اس کی مسکراہٹ میں ان کی دنیا مقید تھی۔

ہاں آگئے۔تم جاگ کیوں رہی ہو اب تک؟

وہ سرفراز نہیں تھا تو مجھے نیند نہیں آرہی تھی تو میں اسٹڈی میں آگئی۔ارمینہ بھی ثمینہ بھابھی کے پاس ہے وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ آج ارحم ارمش کے روم میں سوئیں گی تو ارمینہ کو بھی اپنے پاس سلا لیا۔

اچھا جی! کیا پڑھ رہی ہو؟ اس کے قریب آتے ہوئے وہ بولے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ بائیو گرافی... آپ کے پاس بہت زبردست کولیکشن ہو گئی ہے بائیو گرافیز کی بھائی۔

ہاں میں زیادہ تر یہی پڑھتا ہوں۔لوگوں کی زندگی ہمیں جو سبق سکھاتی ہے شاید ہی کچھ اور سکھائے۔تمہارے ہاتھ پر کیسا نشان ہے یہ؟

اس کی جلی ہوئی انگلیاں دیکھ کر وہ پوچھ رہے تھے۔

یہ؟ ہاتھ جل گیا تھا، کل میں فش گرل کر رہی تھی۔اسی دوران۔

مگر تمہیں منع کیا ہے ناں کہ ایسے کام مت کیا کرو جب گھر پر اکیلی ہو تو۔ بھائی سرفراز آگیا تھا اور کچھ خاص نہیں جلا وہ بھی ارمینہ کو دیکھنے کے چکر میں ہاتھ جا کر گرل پین پر لگ گیا تھا۔

وہ خاموش رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔

اچھا چلو اب جا کر سو جاؤ سرفراز آگیا ہو گا۔

جی خداحافظ۔

خداحافظ۔ انابیہ کے جانے کے بعد وہ کوئی کتاب نکال کر بیٹھ گئے تھے۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ اگلے دن سب کو لے کر شاپنگ کرنے آگیا تھا۔مختلف دکانوں پر گھومتے ہوئے وہ لوگ کچھ نہ کچھ خرید رہے تھے۔سرفراز نے ارمینہ کے لیے ڈھیروں کھلونے اور کپڑے وغیرہ خریدے تھے پھر وہ ایک فون کا کہہ کر غائب ہو گیا تھا۔

کس کا فون تھا؟ واپسی پر احمد نے اس سے پوچھا تو وہ ٹال گیا۔

کسی کو اور کچھ لینا ہے؟ احمد نے کہا تو سب نے نفی میں گردن ہلائی۔

نہیں چلتے ہیں اب۔ سرفراز کہتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

مگر انابیہ کے لیے تو تم نے کچھ لیا ہی نہیں، ساری شاپنگ ارمینہ کے لیے ہی کی ہے۔ احمد نے پرشکوہ لہجے میں اس سے پوچھا تو انابیہ پیچھے سے آگئی۔

چلیں بھائی اب بھوک لگنے لگی ہے۔ انابیہ نے نڈھال ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں ہاں چلتے ہیں۔ سرفراز کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور احمد اس کی پشت کو تکتا رہ گیا۔

کیا وہ ہمیشہ انابیہ کو ایسے ہی نظرانداز کرتا رہتا ہے اور انابیہ اتنی معصوم ہے کہ اسے اندازہ بھی نہیں۔ اس نے دکھ اور پریشانی سے سوچا پھر ان کے پیچھے چل پڑا۔

سرفراز نے انابیہ کیلئے ایک بہت خوبصورت انگوٹھی خریدی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمینہ کی پیدائش پر اس نے انابیہ کو سونے کے بُندے تحفے میں دیئے تھے اس کے بعد سے اس نے اسے کچھ خاص نہیں دیا تھا۔وہ سوچ کر کراچی آیا تھا کہ اس بار وہ انابیہ کو انگوٹھی لے کر دے گا۔مگر وہ اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا تو اس نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔

انابیہ ارمینہ کو سلا چکی تو اس نے وہ انگوٹھی اسے پہنائی تھی۔

تو یہ تھی وہ فون کال؟ اس کے فوراً بوجھنے پر وہ ہنس دیا تھا۔

ہاں! تمہیں کیسے پتا؟ جیسے میں تمہیں جانتی نہیں سرفراز۔ وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

کیسی لگی تمہیں؟ اس کا ہاتھ تھامے وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

بہت پیاری۔ انابیہ جیسی؟ اس نے شرارت سے کہا۔

نہیں... ارمینہ جیسی۔ وہ ارمینہ کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ دونوں مسکرائے تھے۔

شکریہ۔ anytime سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ بجھاتے اس نے کہا تھا۔

اس سال 23 مارچ کی پریڈ میں، میں پیراٹروپرز کی فارمیشن کو لیڈ کر رہا ہوں۔

اس نے فون رکھتے ہی کھانے کی میز پر اعلان کیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

واقعی؟ مبارک ہو یار یہ تو بہت اعزاز کی بات ہے۔ان شاء اللہ تم بہت اچھا کرو گے۔مجھے یقین ہے۔ احمد نے اسے مبارک باد دی تھی۔اس کی بہترین صلاحیتیں کسی سے چھپی نہیں تھیں۔ایسے میں اسے یہ اعزاز ملنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ جو اسے ملا تھا وہ اس کا حق دار تھا۔وہ خوش بھی تھا۔ایسے پُروقار مواقع قسمت والوں کو ہی ملا کرتے تھے وہ اپنے ملک کا جھنڈا تھامے اور آسمان کی بلندیوں کو دبانے والے چند خوش نصیبوں میں سے ایک تھا۔

پھر اس نے ایک مہینے بعد پہلی بار پریڈ میں اس فارمیشن کو لیڈ کیا تھا۔وہ مظاہرہ اتنا شان دار تھا کہ لوگ کچھ پل کو تالیاں بجانا بھی بھول گئے تھے۔اس کے بعد اس نے اگلے دو سال بھی اس فارمیشن کو ویسے ہی لیڈ کیا مگر چوتھی بار وہ حادثہ پیش آگیا تھا جس نے اس کی زندگی کے سارے رنگ چھین لیے تھے۔اس کے سبز اور سفید رنگ سیاہ پڑ گئے تھے۔

☆...☆...☆

ارمش نے پہلی بار وہ پریڈ پانچ سال کی عمر میں دیکھی تھی۔ پھر چھے پھر سات... پھر آٹھ سال کی عمر سے وہ پریڈ میں نہیں گیا تھا۔وجہ بابا کا جانے کیلئے زور نہ دینا تھی۔وہ پہلے ہمیشہ ان ہی کے کہنے پر پریڈ میں جاتا تھا۔ بابا کا خیال تھا ایسے events

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں شرکت کر کے انسان بہتر پاکستانی بنتا ہے۔اس کا دل اپنے ملک کے لیے دھڑکتا ہے اور وہ رستے سے نہیں بھٹکتا۔مگر اسے ہمیشہ اسے events بہت بور کرتے تھے لیکن وہ پراڑوپرز کے مظاہرے کو بڑے شوق سے دیکھتا تھا۔اسے ان کے پیروں سے نکلنے والا سبز اور سفید دھواں بہت متاثر کرتا تھا۔آٹھ سال کی عمر کے بعد اس نے وہ دھواں، وہ پریڈ کبھی نہیں دیکھی تھی۔

☆...☆...☆

وہ سب شکرپاراں میں موجود تھے۔یہ سرفراز کی پروموشن کی خوشی میں منعقد کی جانے والی دعوت تھی، جو سرفراز نے اپنے گھر میں ہی رکھی تھی۔یہ گھر ان کی وراثت تھا... ان کی یادوں کی... ان کی خوشیوں کی... ان کے بچپن کی، یہ گھر جتنا سرفراز کو عزیز تھا اتنا ہی احمد اور انابیہ کو بھی عزیز تھا۔وہ چھت پر سارا انتظام کر چکا تھا۔کھانا کھایا جا چکا تھا اور اب سب باتوں میں مصروف تھے۔احمد نے سرفراز کو پکارا تو وہ کچھ مہمانوں کو رخصت کر کے ان سب کے پاس آگیا جہاں احمد، ثمینہ اور انابیہ بیٹھے تھے۔بچے پاس ہی کھیل میں مصروف تھے۔تین سالہ ارمینہ ارمش کو پکڑنے کی سعی میں اس کے پیچھے بھاگنے میں مصروف تھی اور ارحم بڑا ہونے کی

وجہ سے انہیں احتیاطی تدابیر برتنے کو کہہ رہا تھا جو ارمش کے کان کے پاس سے بھی نہیں گزر رہی تھیں۔

سرفراز چیئر لے کر ان سب کے پاس بیٹھنے ہی والا تھا جب ارمینہ کے رونے کی آواز آئی تھی۔وہ بھاگتا ہوا ارمینہ کے پاس پہنچا، پیچھے انابیہ، ثمینہ اور احمد بھی آئے تھے۔ارمینہ کے ماتھے سے بہت خون بہ رہا تھا۔سرفراز دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔وہ بہت زور زور سے رو رہی تھی اور سرفراز کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔

انابیہ جا کر روئی لاؤ اتنی دیر میں میں گاڑی نکالتا ہوں اسے ہسپتال لے کر جانا ہے۔ وہ جلدی جلدی میں انابیہ سے کہہ رہا تھا۔ساتھ اس کا ہاتھ ارمینہ کے ماتھے پر تھا۔

اتنی گہری چوٹ نہیں ہے سرفراز ہم گھر پر بینڈیج کر دیتے ہیں خون رک جائے گا۔ انابیہ نے کہا تو وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

انابیہ میں تم سے کہہ رہا ہوں ہم اسے ہسپتال لے جا رہے ہیں سن رہی ہو؟ اس نے سخت لہجے میں کہا اور کھڑا ہو گیا۔ سرفراز ہائپر مت ہو میں اور وسیم لے جاتے ہیں اسے ہسپتال۔ احمد اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

یوں کرو تم اور انابیہ جاؤ میں آتا ہوں۔ کہتا ہوا وہ گھر کے اندر چلا گیا جب کہ سرفراز باہر آگیا۔وہ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا، انابیہ اس کے ساتھ تھی اس نے ارمینہ کو انابیہ کی گود میں دیا اور خود گاڑی چلانے لگا۔ارمینہ کی چوٹ واقعی بہت گہری نہیں تھی مگر اس کے حواس پھر بھی بے قابو ہو گئے تھے۔ اس نے پہلی بار ارمینہ کے جسم کے کسی حصے سے خون نکلتے دیکھا تھا، مزید اس کا رونا اور اس کی سسکیاں اس کے ہاتھ پیر پھلانے کے لیے کافی تھے۔وہ گاڑی کو تقریباً اڑاتا ہوا لے جا رہا تھا اور چند منٹوں میں وہ لوگ ہسپتال پہنچ گئے تھے۔اس نے انابیہ کی گود سے ارمینہ کو لیا اور واپس گاڑی سے اتر کر ہسپتال کی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ جلدی جلدی میں اس نے گاڑی بیچ سڑک پر ہی روک دی تھی۔یہ قریبی اور عام سا ہسپتال تھا جہاں باقاعدہ پارکنگ نہیں تھی۔وہ سڑک پر ہی گاڑی کھڑی کر کے باہر اُتر چکا تھا گاڑی کی دوسری طرف سے انابیہ اتر رہی تھی وہ سرفراز کی رفتار کا مقابلہ مشکل سے کر پا رہی تھی جو اب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔وہ بھاگتی ہوئی ہسپتال کی طرف جا رہی تھی جب ایک دھماکے کے ساتھ ایک ٹرک اسے روندتا ہوا چلا گیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سرفراز کریش کی اس آواز پر پلٹا تھا اور وہیں جم گیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ انابیہ کہاں تھی؟وہاں بس خون تھا، بہت سارا خون۔وہ اب ارمینہ کے ماتھے سے بہنے والا خون بھول چکا تھا۔اس کا رونا بھی بھول چکا تھا۔اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ وہ بس خالی خالی ذہن کے ساتھ وہاں کھڑا تھا۔کوئی آپ سے آپ کی ساری دنیا چھین لے مگر وہ ایک انسان جو آپ کی ساری دنیا ہوتا ہے اس کے چھن جانے کا اندیشہ بھی انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔وہ چھے فٹ لمبا تیس سال کا فوجی مشکل سے مشکل ٹریننگ کو مہارت سے کرتا، جیسے پچیس ہزار فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانے سے ڈر نہیں لگتا تھا آج زمین پر کھڑے ہو کر بھی اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔اس کے بعد سب دھندلا گیا تھا، آوازیں منظر ہر چیز۔کچھ تھا تو صرف سرخ رنگ، اس کا سبز اور سفید رنگ سرخ میں تبدیل ہو گیا تھا... اس کا سیاہ ہونا ابھی باقی تھا۔

☆...☆...☆

وہ ہیری ہوم کے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی جب اس کی نظر ارمش اور عمر پر پڑی تھی۔وہ چلتی ہوئی ان کے پاس آگئی اور ایک درخت سے ٹک کر کھڑی ہو گئی۔اس کی نظریں ارمش پر ٹکی ہوئی تھیں۔اس کے ہاتھ کہنیوں تک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گیلے تھے۔اس کے چہرے پر آئے بال بھی گیلے ہی معلوم ہو رہے تھے۔وہ شاید وضو کر کے آیا تھا۔

درختوں پر سائے ہوتے ہیں... وہ تم سے ڈر جائیں گے دور ہو جاؤ۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا جب کہ عمر ہنسا تھا۔ زیادہ دانت مت نکالو... پڑھائی کرو جا کر۔ اس نے عمر کو ڈانٹا تو وہ کھسیانی سی ہنسی ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

تم سے بڑا سایہ کیا ہو گا ویسے؟ وہ ارمش کی طرف پلٹ گئی تھی۔

سوچ لو... کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ہی سوار ہو جاؤں تمہارے سر پر۔ وہ شرارت سے بولا تھا۔

نہیں میں آیۃالکرسی پڑھ کر نکلتی ہوں تم جیسے سائے سے بچنے کے لیے، ویسے تم کہیں جا رہے ہو؟

ہاں نماز پڑھنے۔ یہ کہتا ہوا وہ باہر کی جانب بڑھ گیا تو وہ اندر آگئی۔

اسے عمر کی پڑھائی میں مدد کرنی تھی جب سے عمر کا ایڈمیشن ہوا تھا اور اس نے امتحان کی تیاری شروع کی تھی وہ بہت مصروف ہو گیا تھا۔دن رات محنت کرتا تھا۔ ارمش بھی یہ دیکھتے ہوئے اسے ہیری ہوم کے حوالے سے کوئی کام نہیں دیتا تھا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بلکہ ہر کام وہ اب خود کرتا تھا۔عمر یا تو خود پڑھتا تھا یا اسکول کے بچوں کو پڑھاتا تھا۔وہ اندر آئی تو عمر پہلے ہی کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔

ارمینہ فزکس پسند نہیں مجھے بالکل... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں فزکس کے بہ جائے دو بار میتھس کا پیپر دے دوں؟ ارمینہ کے اندر آتے ہی اس نے کہا تو وہ اس کی بات پر ہنس دی تھی۔عمر کو میتھس بہت پسند تھا۔وہ بہت شوق سے بیٹھ کر میتھس کے پرابلمز حل کرتا تھا جب کہ فزکس سے اسے چڑ تھی۔

نہیں بھئی... اب فزکس ہے تو ہے، پیپر تو دینا ہو گا۔پیپر ویسے بھی تم نے بہت حد تک کور کر لیا ہے عمر ان شاء اللہ تم پاس کر لو گے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا جب کہ عمر کا چہرہ کچھ لٹک گیا تھا۔

کیا ہوا؟ ارمینہ نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا تھا۔

کچھ نہیں۔ عمر واپس کتابوں کو چھاننے لگا۔

بتاؤ بھی عمر۔ وہ کرسی رکھ کر اس کے آگے بیٹھ گئی تھی۔

ارمینہ میں صرف پاس نہیں کرنا چاہتا میں اچھے مارکس کے ساتھ پاس کرنا چاہتا ہوں۔ارمش بھائی نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے میں انہیں خوش کرنا چاہتا ہوں۔ I want to make him proud ارمینہ اسے دیکھتی رہی۔یہ احسان چکانا نہیں تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

عمر جانتا تھا کچھ احسان چکائے نہیں جا سکتے تھے، یہ احساسِ تشکر تھا جو عمر کی باتوں، رویوں اور اس کے ہر عمل میں واضح ہوتا تھا۔ عمر پتا ہے انسان میں وہ کون سی بات ہوتی ہے جو اسے کامیاب کرتی ہے؟ وہ غور سے ارمینہ کو سن رہا تھا۔

اصل... انسان کو بس اپنا اصل نہیں بھولنا چاہیے۔وہ کیا تھا؟ کیا بنا؟ کیسے بنا؟ کس نے مدد کی؟ کس نے راستے میں دھکا دے کر گرایا؟ یہ سب اگر وہ یاد رکھے ناں تو کامیاب ہوتا ہے۔کیوں کہ یہ سب باتیں اسے ہمت دیتی ہیں... آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں اور تم میں بھی یہ خصوصیت ہے... تشکر اور قناعت... تم نے کبھی بھی خود کو یہ بھولنے نہیں دیا کہ تمہارا اصل کیا ہے اور تم آج جہاں پر ہو وہ کیوں ہو۔میں جانتی ہوں عمر تم ضرور کامیاب ہو گے کیوں کہ تم جیسے لوگ زندگی سے شکایت کرنے کے بجائے اسے بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور پھر اللہ تم جیسے لوگوں کے کام میں برکت دیتا ہے اور تم جیسے لوگوں کے لیے ہی ارمش جیسے لوگوں کو بھیجتا ہے۔تم اسے deserve کرتے تھے اس لیے وہ تمہیں ملا اگر تمہارے بہ جائے کسی ناشکرے کو ارمش ملتا اور اس کا ساتھ دیتا تو اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی اور اس کے وجود کا کوئی فائدہ نہ رہتا...

اللہ بھی اس کا ساتھ دیتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے عمر۔ اپنی بات کے اختتام پر وہ مسکرائی تھی اور اس نے ایک گلاس میں پانی نکال کر اس کے آگے کیا۔وہ جانتی تھی وہ رو رہا ہے۔سر جھکا کر بہت خاموشی کے ساتھ اس نے پانی کا گلاس تھام لیا تھا۔

اب یہ موصوف کیوں رو رہے ہیں؟ دروازے پر ارمش کو دیکھ کر وہ دونوں چونکے تھے۔عمر نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اتنے میں وہ ان کے قریب آگیا تھا۔

کیوں رو رہا ہے یہ ارمینہ؟ اب کیا کر دیا تم نے؟ اس نے توپوں کا رخ اب ارمینہ کی طرف کر دیا تھا۔

ارے بھئی میں نے کچھ نہیں کیا... بس اسے اچانک تمہارا چہرہ یاد آگیا تھا تو اسے رونا آگیا۔ مسکراہٹ دباتے ہوئے وہ بولی تھی۔

تم اس کے سامنے بیٹھی تھیں پھر بھی؟ عمر میری شکل کم از کم اس سے تو زیادہ خوبصورت ہے۔ جملے کا آخری حصہ اس نے عمر سے کہا تھا۔عمر ہنسنے لگا تھا۔ارمینہ کو عمر کو ہنستا دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔ارمش عمر کے قریب ہی چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

اب یہ بتاؤ اور کتنی بار رو گے تم گریجوایٹ ہونے سے پہلے؟ گریجوایٹ ہونے کے

بعد مت رویا کرنا... لڑکیوں کو اچھے نہیں لگتے رونے والے لڑکے۔ جوتے کے تسمے باندھتے ہوئے وہ عمر کو ماہرانہ رائے دے رہا تھا۔

رُلانے والے بھی اچھے نہیں لگتے۔ ارمینہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا تھا۔

ہاں... مگر غصّہ دلانے والے اچھے لگتے ہیں کیوں کہ وہ انہیں متاثر کرتے ہیں ناں۔ وہ عمر کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا مگر اس کا سارا دھیان ارمینہ کی طرف تھا۔

عمر... جب تمہیں کچھ پوچھنا ہو تو مجھے بلا لینا... میں مزید اس کے ساتھ اپنا دماغ ضائع نہیں کر سکتی۔ وہ غصے سے بولی تھی۔

ہاں ویسے بھی تمہارے پاس کم ہے دماغ۔ ارمش کے جملے نے اس کے طیش میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔وہ ایک غصیلی نگاہ ان دونوں پر ڈال کر آگے بڑھ گئی اور گیٹ سے باہر چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد ارمش نے عمر کو ایک فاتحانہ تالی ماری اور دونوں ہنس دیئے۔

کہیں ایسا نہ ہو ارمش بھائی کسی دن واقعی آپ سے نفرت کرنے لگے یہ۔ عمر کتابیں کھولتا کہہ رہا تھا اور کسی فائل تک جاتا ارمش کا ہاتھ وہیں جم گیا تھا۔

کیا کہا؟ اس کے تھمے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر عمر نے پوچھا تو مسکرایا اور بولا:

وہ اتنی اچھی اور اتنے خوبصورت دل کی مالک ہے عمر کہ وہ کبھی کسی سے نفرت کر ہی نہیں سکتی۔ عمر کی جانب پشت کئے وہ میکانکی انداز میں کہہ رہا تھا۔اس نے ریک سے فائل نکالی اور باہر چلا گیا۔عمر نے اس کے منہ سے پہلی بار کسی کی تعریف سنی تھی... وہ بھی ارمینہ کی۔یہ اس کیلئے حیران کن تھا... اپنا سر جھٹک کر وہ واپس کتابوں میں غرق ہو گیا تھا۔

☆...☆...☆

ہیری ہوم کے ابتدائی دن تھے۔انہیں فنڈز کی بہت ضرورت تھی۔بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھاساتھ ساتھ ان کی ضروریات میں بھی۔اپنے اپنے اعتبار سے ہیری ہوم سے جڑا ہر شخص ہیری ہوم کو سپورٹ کر رہا تھا۔مگر پھر بھی ارمش کو اندیشے ستانے لگے تھے۔وہ اپنی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ہیری ہوم پر لگا رہا تھا۔ مگر ایسا ہمیشہ نہیں چل سکتا تھا۔فنڈز کو بڑھانا تھا اور یہ بہت ضروری تھا۔ارمش پُر امید تھا کہ اگر وہ یہاں تک آگیا تھا تو آگے بھی چلا جائے گا۔ہاتھ میں پکڑی فائل کچھ اضطراب کے عالم میں بند کرتا وہ ارمینہ کے پاس آگیا تھا۔وہ ہفتہ وار بچوں کے میڈیکل چیک اپ میں مصروف تھی۔

ارمینہ تمہارے پاپا گھر پر ہیں آج؟

ہاں... کیوں؟ وہ کان سے اسٹیتھو سکوپ نکالتے ہوئے بولی۔

مصروف تو نہیں ہوں گے؟

نہیں مگر ہوا کیا؟

تو ٹھیک ہے آج میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔جاوید بھائی کو مت بلانا مجھے انکل سے ملنا ہے۔ یہ کہہ کر وہ واپس مڑ گیا۔اس نے ارمینہ کا جواب سننے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔وہ کچھ دیر حیران ہوئی پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ وہ لوگ گھر پہنچے تو دروازہ فرید بابا نے کھولا تھا۔ان دونوں نے ایک ہی وقت میں فرید بابا کو سلام کیا پھر وہ اندر آگئے۔ فرید بابا! پاپا کو بتا دیں ان کا چہیتا ارمش آیا ہے وہ خوش ہو جائیں گے۔ ارمش اس کے جملے پر مسکرا دیا جب کہ فرید بابا اندر غائب ہو گئے

۔ تم بیٹھو میں فریش ہو کر آتی ہوں۔

نہ بھی آؤ تو چلے گا۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے مزے سے بولا تھا۔

پتا نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کب دیں گے۔ وہ کہتے ہوئے اندر چلی گئی تھی۔ وہ اسے ڈرائنگ روم کی بہ جائے لاؤنج میں ہی بٹھا گئی تھی۔ سامنے دیوار پر ارمینہ کی ایک بڑی تصویر فریم میں جکڑی ہوئی تھی۔وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔اس کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نظر تصویر میں موجود اس کی آنکھوں پر ٹھہر گئی تھی۔کچھ تھا کچھ جانا پہچانا سا کچھ اپنا اپنا سا... کیا... وہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔اس نے پہلی بار ارمینہ کے پاپا سے ملاقات میں بھی ایسا ہی محسوس کیا تھا۔جیسے وہ ان کو جانتا ہے مگر بہت کوشش پر بھی وہ یاد نہیں کر پایا تھا۔

اس دیوار پر بہت سجتی ہے ناں یہ تصویر؟ لاؤنج کے دروازے سے ارمینہ کے والد ویل چیئر پر دراز اندر داخل ہوئے تھے مگر آج وہ اسے بیمار سے لگ رہے تھے۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں بھی سوجی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں، جیسے کئی راتوں کے جاگے ہوئے ہوں اس نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا تھا۔

جی بہت اچھی تصویر ہے۔

ارمینہ پندرہ سال کی تھی تب کی ہے... کیسے ہو تم بہت دنوں بعد آئے آج؟ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ اس کے قریب آگئے تھے۔ وہ بیٹھ گیا۔

جی انکل... آپ سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا۔

اس کے اس جملے پر ان کے چہرے پر بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ سجی تھی۔

سو بار آؤ بیٹا... خوشی ہوئی مجھے... ارمینہ کہاں چلی گئی؟

فریش ہونے گئی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تم پریشان ہو کیا؟ اس کے چہرے کو پڑھنا اتنا آسان نہیں تھا مگر پھر بھی پتا نہیں کیسے وہ جان گئے تھے کہ وہ واقعی پریشان تھا۔

آپ کو کیسے پتا؟

اگر آپ لوگوں کے چہرے پر رقم دکھ اور تکلیف اور پریشانی نہ پڑھ پائیں تو آپ کے وجود کا کیا مقصد؟ ایک زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

انکل فنڈز کی بہت کمی ہے ہمیں سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں... وہ شکست خوردہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

ضرورتیں کم کر لو۔ بہت سادہ سا حل انہوں نے اسے پیش کر دیا تھا۔

پر انکل ضرورتیں میری نہیں ان بچوں کی ہیں میں کیسے کم کر لوں۔

ہاں مگر تم ان کے سر پرست ہو، کر سکتے ہو۔

میرا دل نہیں مانے گا... جو سہولتیں انہیں دی ہیں وہ واپس لینے کو۔ انہوں نے اس کے کندھے پر اپنا شفقت بھرا ہاتھ رکھا اور کہا:

میں جانتا ہوں ارمش... مگر ایک پر تعیش زندگی سے بہتر ایک اچھی زندگی ہوتی ہے تم انہیں اچھی پرسکون زندگی دو پر تعیش زندگی بے معنی ہو جائے گی۔تم یہ بھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سوچو کہ ہیری ہوم کا پھلنا پھولنا اتنا ضروری نہیں جتنا اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ تم پہلے اسے زندہ رکھو پھر آگے بھی بڑھ جانا پہلی سیڑھی پر قدم رکھے بغیر دوسری سیڑھی چڑھو گے تو گرنے کا خطرہ زیادہ ہو گا۔پتا ہے انسان کو سب سے زیادہ بے سکون کیا چیز رکھتی ہے... اس کا نفس اور اس کی نہ رکنے والی خواہشیں...

تم نے ان بچوں کو بہت سی سہولتیں دی ہیں، چند دن بعد وہ اس کے عادی ہو جائیں گے اور اس سے زیادہ کی خواہش کرنے لگیں گے۔انہیں یہ سب بھی کم لگے گا۔ یہ انسان کی فطرت ہے ارمش اس کے پاس جو ہوتا ہے وہ اسے کبھی کافی نہیں لگتا... اس لیے تم یہ مت سوچنا کہ تم ان کا حق مار رہے ہو۔ان کا حق ہے سر پر چھت، دو وقت کا کھانا، جسم پر لباس، صحت اور تعلیم... ہاں ان میں سمجھوتہ مت کرنا مگر تم نے انہیں جو بے جا آسائشیں دی ہیں جیسے کمروں میں لگے ایئرکنڈیشنرز، کھانے پر کیا جانے والا اہتمام، ہر ہفتے آنے والے کپڑے یہ سب پیسوں کا ضائع کرنا ہے۔تم اپنے دوستوں کو اعتماد میں لو اور باہمی صلاح مشورے سے ان اخراجات کو کم کرنے کی پلاننگ کرو... میں جانتا ہوں یہ بہت حد تک ممکن ہے۔

پتا نہیں آپ میں وہ کون سا جادو ہے جو ہر بار مجھے میری پریشانی سے نجات دلا دیتا ہے۔ وہ اس کی بات پر مسکرا دیئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نجات تو اللہ دلوائے گا... میرا کام بس صلاح دینا ہے وہی دے رہا ہوں۔

نہیں آپ صلاح کے ساتھ ساتھ سکون بھی دیتے ہیں... میں جب بھی یہاں سے جاتا ہوں بہت مطمئن اور پرسکون ہو کر جاتا ہوں۔ ان کا ہاتھ پکڑے وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں ارمش... ہر طرح کے لوگ ملتے بھی ہیں۔ مگر عقل مند انسان وہ ہوتا ہے جو اچھے لوگوں کو دل سے نہ نکلنے دے اور برے لوگوں کو دماغ سے... اچھے لوگ دل کو سکون دیتے ہیں، برے لوگ دماغ کو طاقت دیتے ہیں اور میرے خیال سے دونوں ہی انسان کیلئے اہم ہیں۔ اس نے اس بار جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔اسے کبھی سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس شخص میں وہ کون سی کشش تھی کہ وہ جب بھی پریشان ہوتا یا کنفیوز ہوتا تو ان کے پاس آجاتا تھا اور نتیجتاً اس کی ساری پریشانی دور ہو جاتی۔عمر اکثر اس سے کہتا تھا کہ ارمش بھائی آپ بہت گہرے انسان ہیں آپ ہر مسئلہ فوراً حل کر دیتے ہیں مگر سچ تو یہ تھا کہ بہت سی جگہوں پر آکر وہ بھی ہمت ہار جاتا تھا۔اور پھر وہ یہاں آتا تھا... تالوں کی کنجی تلاش کرنے کیلئے۔

پاپا! اس نے آپ کا سر تو نہیں کھایا آج؟ ارمینہ کی آواز پر وہ حال میں واپس لوٹا تھا۔

نہیں اس کیلئے تم ہو... یہ تو مجھ سے کسی کام کیلئے بات کرنے آیا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آتا یہ ارمش کا رنگ کیوں چڑھ جاتا ہے سب پر۔ وہ جس رفتار سے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اسی رفتار سے واپس چلی گئی تھی اور پھر چند لمحوں بعد وہ دوبارہ لاؤنج میں آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جو اس نے ارمش کی طرف بڑھا دیا۔

یہ کیا ہے؟ ارمش نے اس خاکی لفافے کو دیکھ کر پوچھا۔

وہ میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ کچھ لوگوں نے مجھ سے donations کا کہا تھا وہی والے پیسے ہیں۔

تو اکاؤنٹ میں کیوں نہیں ڈلوائے؟

انہیں اکاؤنٹ کا پتا نہیں تھا تو انہوں نے مجھے پرسنلی دے دیئے...

کس نے؟ ہیں کون؟

ایک کاٹیج انڈسٹری کے مالک ہیں۔ ارمش کو لگا ارمینہ کچھ چھپا رہی تھی۔

ارمینہ اس طرح بغیر تصدیق کے کیسے ڈونیشن لے سکتے ہیں ہم؟

تم بحث کرو۔لے لو...

یار مگر پھر بھی... ارمینہ نے اس کی بات کاٹی تھی۔

ہاں سمجھ گئی تمہیں بھروسہ نہیں مجھ پر میں فراڈ کر رہی ہوں تمہارے ساتھ...

ارمینہ ایسا نہیں ہے ...you know that

تو پھر interogation بند کرو اور یہ رکھو... اس نے ہار مانتے ہوئے لفافہ تھام لیا تھا مگر اسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اچھا ان کا نمبر تو دے دو تاکہ میں شکریہ ادا کر سکوں۔

میں نے کر دیا تھا... کافی ہے۔ یہ کہتی ہوئی اس سے نظریں ملائے وہ اندر چلی گئی تھی ... اسے کچھ شک ہوا پھر وہ اٹھ کر جانے کے لیے آگے بڑھنے لگا۔انکل سے اللہ حافظ کرتا وہ باہر آگیا۔ارمینہ اسے گیٹ تک چھوڑنے نہیں آئی تھی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔کیوں؟ یہ اسے معلوم کرنا تھا...

☆...☆...☆

پلاؤ بنا ہے جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ ارمش۔ اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی امی نے اس سے کہا تھا۔ارحم اناگریشن کے بعد واپس جا چکا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

امی آپ کو کہا ہے آپ کچن کے کام مت کیا کریں ابھی آپ پوری طرح سے ٹھیک بھی نہیں ہوئی ہیں۔

ارے کچھ نہیں ہوتا... چلو آجاؤ۔ وہ سر ہلاتا کمرے کی طرف جانے لگا جب اسے خیال آیا کہ اس نے بابا کو سلام نہیں کیا تھا۔

السلام علیکم بابا!

وعلیکم السلام۔ ان کا جواب سن کر وہ کمرے میں چلا گیا۔فریش ہو کر آیا تو گرم گرم پلاؤ تمام تر اہتمام کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

بابا آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔

ہاں کہو۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ سر جھکا کر کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

میں نے سوچا ہے اس مہینے کمپنی کا اپنا سارا پرافٹ میں ہیری ہوم میں دے دوں۔ فنڈز کی ضرورت ہے بابا۔وہ بھی کھانا کھانے لگا تھا۔

اور یہ کب تک ہو گا؟

جب تک ہمارے فنڈز اور ڈونیشن کافی نہیں ہوتے تب تک۔

اور وہ کافی نہ ہوئے تو؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وقت کے ساتھ ساتھ ہو جائیں گے بابا۔

میری دعا ہے ارمش کہ ہیری ہوم کو ختم کرنے کی نوبت نہ آئے۔ ارمش کے ہاتھ سے چمچہ گرتے گرتے بچا تھا... ہیری ہوم کو ختم کرنے کا تو وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔یہ وہ خیال تھا جو کبھی اس کے خواب میں بھی نہیں آیا تھا۔اسے صدمہ لگا۔بابا اس سے ایسی تلخ بات کیسے کر سکتے تھے۔اس نے محسوس کیا تھا چند دن سے وہ بہت اکھڑے اکھڑے رہ رہے تھے مگر وہ جانتے تھے کہ ہیری ہوم اس کا سب کچھ تھا۔

اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہیں احمد... ثمینہ نے ان کا جملہ سنتے ہی کہا تھا۔ اس سے کھانا نہیں کھایا گیا۔چند لقمے کھا کر وہ اٹھ گیا تھا۔اس کا دل ارمینہ کے ہاں سے واپسی پر جتنا ہلکا تھا اب اتنا ہی بھاری ہونے لگا تھا۔ وہ کمرے میں آگیا تھا۔کچھ دیر بیڈ پر لیٹا رہا مگر نیند اس سے بہت دور تھی۔کچھ دیر بعد وہ باہر لان میں آگیا تھا... بے مقصد ٹہلتے ٹہلتے اسے ایک گھنٹہ گزر گیا تھا جب اس نے لان کے دوسرے حصے سے بابا کو آتے دیکھا تھا۔

بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں ٹہل رہے ہو یہاں... نیند نہیں آرہی؟ اس کے قریب آکر وہ بولے تھے۔

آپ کو بھی تو نہیں آرہی۔ انہوں نے ہاتھوں کو کمر کی پشت پر باندھ کر رخ موڑ لیا تھا۔

مجھے ویسے بھی نیند نہیں آتی اب... زمانہ ہوا چین کی نیند سوئے ہوئے۔

کیوں بابا...؟ کوئی پریشانی ہے؟

ارمش وہ لڑکی جو اس دن تمہارے ساتھ آئی تھی...

ارمینہ؟

ہاں! وہ کون ہے؟

بتایا تو تھا آپ کو بابا... ہیری ہوم میں ڈاکٹر ہے بہت مدد کی اس نے... وہ نہ ہوتی تو شاید ہیری ہوم بھی نہ ہوتا۔

اس کے... گھر والے؟

اس کی امی نہیں ہیں... پاپا ہیں انہی کے ساتھ رہتی ہے کوئی بھائی بہن بھی نہیں ہیں... پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟

بس ایسے ہی وہ مجھے... اچھی نہیں لگتی... اور تمہیں اپنا پرافٹ شیئر دینے کی ضرورت نہیں۔میں دے دوں گا جتنی رقم کی ضرورت ہو۔تم اپنے پیسے بعد کے لیے سنبھال کر رکھو۔ابھی بزنس نیا ہے ایسے رسک نقصان دہ ہوتے ہیں۔

اتنا کہہ کر وہ چلے گئے اور وہ سکتے کے عالم میں وہیں کھڑا انہیں جاتا دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے تین باتیں کہی تھیں، تینوں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔

☆...☆...☆

وہ ہیری ہوم کو رقم پہلے بھی دیتے آئے تھے مگر اس طرح آفر کبھی نہیں دی تھی۔اسے بزنس کے معاملے میں نصیحت بھی کبھی نہیں دی تھی اور ارمینہ... ارمینہ انہیں پسند نہیں تھی... کیوں؟ وہ ایسا کیوں کہہ رہے تھے جب کہ وہ ارمینہ کو پوری طرح جانتے بھی نہیں تھے؟ اس کا دماغ مزید اُلجھتا جا رہا تھا۔

بابا نے اسے کہہ تو دیا تھا کہ وہ اپنا شیئر ہیری ہوم میں نہ دے مگر اس نے پھر بھی ہر مہینے سے کہیں زیادہ رقم اپنے اکاؤنٹ سے ہیری ہوم کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دی تھی۔بابا نے بھی اگلے دن رقم اسے دی تھی اور اسے ارمینہ والے پیسے ابھی تک ویسے ہی رکھے ہوئے تھے مزید اس نے ہیری ہوم کے اخراجات میں بہت حد تک کمی کر دی تھی مگر اسے تشویش تھی کہ ارمینہ کو پیسے کس نے دیئے تھے؟ اس نے عمر سے بھی پوچھا تھا مگر عمر بھی لاعلم تھا۔اگلا ایک ہفتہ وہ ویسے بھی کمپنی کے کاموں میں مصروف رہا تھا اس لیے ہیری ہوم بہت کم ہی آسکا تھا۔وہ

آج بھی بہت تھوڑی سی دیر کے لیے آیا تھا جب اسے ارمینہ آتی ہوئی نظر آگئی تھی۔ارمش کو ایک بار پھر وہی بات یاد آگئی۔

ارمینہ اس کی طرف آفس تک نہیں آئی بلکہ سیدھا ڈسپنسری چلی گئی تھی۔وہاں چیک اپ شروع ہونے میں ابھی وقت تھا کیوں کہ ابھی ڈاکٹر فاروق نہیں آئے تھے۔

کہاں غائب ہو؟ بہت کم آتی ہو آج کل؟ اس نے پہلا سوال کیا اور اس کا چہرہ غور سے دیکھا تھا۔

میں... نہیں تو بلکہ تم کم آتے ہو۔

ہاں آفس میں مصروفیت زیادہ ہے... ویسے بھی میں آج سڈنی جا رہا ہوں۔ وہ حیران ہوئی تھی۔

کیوں؟ کچھ میٹنگ ہے وہاں... اسد بھی ساتھ جا رہا ہے تو میں اور اسد نہیں ہوں گے اور عمر کے بھی اگلے مہینے امتحان ہیں تو تم ذرا خیال رکھنا... یعنی آتی جاتی رہنا اور کوئی مسئلہ ہو تو بتا دینا۔ ارمینہ نے صرف گردن ہلا دی تھی مگر کہا کچھ نہیں تھا۔

کیا ہوا؟ ایک ہفتے سے عجیب سا بی ہیو کر رہی ہو، چپ چپ ہو۔ وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔اسے وہ اس طرح گم صُم اچھی نہیں لگ رہی تھی جبکہ ارمینہ کچھ گھبرا گئی تھی۔

نہیں تو... کچھ بھی نہیں۔ ارمش اس کے کچھ قریب آیا تھا۔

کیا ہوا ہے بتا دو ورنہ سڈنی میں بھی خواب میں آکر ڈراؤ گی تم۔ وہ لب کاٹنے لگی تھی۔

کچھ نہیں ہوا ہے... تمہیں ٹیلی پیتھی... ارمش نے اس کا جملہ کاٹ دیا تھا۔

میں جانتا ہوں تم کچھ چھپا رہی ہو بتا دو اب بہت ہو گیا۔ وہ ہنوز خاموش تھی۔

بولو بھی۔ اب کی بار اس نے کچھ سختی سے کہا تھا۔

وہ ارمش ایک مسئلہ ہے۔ ارمش نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

وہ تو مجھے پہلے دن سے پتا ہے کہ ایک مسئلہ ہے، کیا ہے وہ بتاؤ۔ وہ تذبذب کے عالم میں کھڑی رہی پھر بولی تو بس یہ کہ۔

کچھ نہیں میں گھر جا رہی ہوں ڈاکٹر فاروق سے کہنا آج وہ دیکھ لیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بیگ اٹھائے بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس نے ہیری ہوم کا دروازہ پار کیا۔ارمش اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ رہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ رو رہی تھی۔کیوں؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔وہ بے چین سا اس کے پیچھے آیا مگر وہ جا چکی تھی۔حیرانی اسے اس بات کی نہیں تھی کہ اسے کوئی مسئلہ تھا، پریشانی اس بات کی تھی کہ وہ مسئلہ اس قدر سنگین ہو گیا تھا...

اس نے اپنی گاڑی نکالی اور اس کے پیچھے چل دیا تھا۔

دروازہ حسب توقع فرید بابا نے ہی کھولا تھا۔ارمینہ پہلے پہنچ چکی تھی وہ بعد میں پہنچا تھا۔وہ اندر آگیا تھا۔سلام کرنے کے بعد اس نے ارمینہ کا پوچھا تھا۔

وہ تو اپنے کمرے میں ہیں۔

اس وقت کیسے ارمش؟ وہ فرید بابا کے جواب سے پہلے آگئے تھے۔

انکل ارمینہ ہیری ہوم سے نکلی تو بہت اپ سیٹ تھی کچھ بتا بھی نہیں رہی ہے۔ پریشان ہو گیا تھا میں۔ اس کے جملے پر وہ مسکرائے تھے۔

یہ لڑکی بھی ناں... اس دن تمہارے جانے کے بعد ایک فون آگیا تھا جو میرے سرجن کا تھا۔انہوں نے کہا میری سرجری ہونی ہے بس تب سے اس کا فیوز اڑ گیا ہے۔

کیسی سرجری انکل؟

ریڑھ کی ہڈی کی کوئی سرجری ہے۔مجھے تو پتا بھی نہیں تفصیلات اسے ہی پتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اچھا! جبھی وہ ایک ہفتے سے پریشان ہے۔

ہاں بھئی... ایسے ہزاروں کیسز دیکھ لیتی ہے... اب گھبرا رہی ہے۔ وہ مسکرا دیا۔

انہوں نے اسے آواز دی تو وہ کمرے سے باہر آئی تھی۔

جی پاپا؟ اسے وہاں کھڑا دیکھ کر وہ کچھ دیر کیلئے ساکت رہ گیا تھا۔

دیکھو تم نے ارمش کو بھی پریشان کر دیا... نیچے آؤ۔ وہ اپنے آنسو پوچھتی سیڑھیوں سے نیچے آئی تھی۔سر جھکائے اپنی سرخ ہوتی ناک کے ساتھ وہ خاموش کھڑی تھی۔ارمش کو اس پر ترس آگیا تھا۔

ارمینہ انکل کی سرجری ہے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ یہ علاج کا حصہ ہے وہ بہتر ہو جائیں گے... تمہیں اتنی تو سمجھ ہونی چاہیے۔ وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تھا۔ارمینہ نے اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی ناک کو رگڑا۔ارمش کیلئے یہ نظارہ کچھ دلکش بھی تھا اور کچھ دل خراش بھی، وہ واقعی اسے روتے ہوئے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔اس نے سر جھٹکا تھا۔

فرید بابا... پاپا کی دوپہر والی دوا کا ٹائم ہو گیا ہے انہیں دے دیں۔ وہ فرید بابا کی ہی کی طرف کر کے بولی تھی۔

ارے میری نماز بھی رہ گئی ہے... فرید مجھے کمرے تک لے چلو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ان کے جانے کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ارمش بھی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

پانی دوں؟ کچھ ڈرتے ہوئے ارمش نے سوال کیا تھا۔اس نے گردن نہیں میں ہلا دی تھی۔

سرجری صبح ہے؟

نہیں... تو پھر اس طرح کیوں رو رہی ہو؟

بس ایسے ہی۔

کوئی اور مسئلہ ہے؟

نہیں ...

کسی نے کچھ کہا ہے؟

نہیں ...

تو پھر کیوں اتنا رو رہی ہو؟ شکل دیکھو اپنی۔ اس بار اس نے کچھ اکتا کر کہا تھا۔

کیوں کیا ہوا ہے میری شکل کو؟

موجوجو حوجو لگ رہی ہو... آنکھیں دیکھو بالکل ویسی ہی ہو گئی ہیں رو رو کر اور جاگ جاگ کر۔ اس نے گھور کر ارمش کو دیکھا مگر خاموش رہی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں بتاؤ گی؟

کچھ نہیں میں پاپا کی وجہ سے پریشان ہوں۔

ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں... آج سڈنی جا رہا ہوں ایک ہفتے بعد واپسی ہو گی۔

خدا حافظ ۔کہہ کر وہ اٹھ گیا تھا۔

خدا حافظ ۔وہ بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

ارمش وہاں سے آگیا تھا مگر اس کا دل سکون نہیں پا رہا تھا۔اس کا دماغ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ اتنی امیچور نہیں تھی کہ اس بات پر اس طرح روتی یا تو وہ سرجری سنگین نوعیت کی تھی اور وہ کسی کو بتا نہیں رہی تھی یا پھر کوئی اور مسئلہ تھا... ارمش کے پاس پتا کرنے کیلئے چار گھنٹے تھے پھر اسے سڈنی چلے جانا تھا...

☆...☆...☆

چار بجے کے قریب وہ گھر سے نکلی تھی اور سیدھا بینک گئی تھی۔وہ دس منٹ تک بے مقصد ویٹنگ ایریا میں بیٹھی رہی پھر بغیر کوئی معلومات لیے باہر آگئی۔وہ باہر آئی تو بینک کے دروازے پر اسے ارمش کھڑا دکھائی دیا تھا۔ وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی۔وہ سیڑھیوں کے ساتھ لگی ریلنگ سے ٹک کر ہاتھ سینے پر باندھے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کھڑا جیسے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ وہ واقعی کچھ گھبرا گئی تھی۔

یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے کہ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو ارمینہ؟ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس کے سامنے سے گزر کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

میں نے کچھ پوچھا ہے شاید تم سے۔

مجھے کچھ ضروری کام تھا۔

کیا میں جان سکتا ہوں کیا کام تھا؟

نہیں تم نہیں جان سکتے... اب جاؤ۔ یہ کہہ کر وہ باقی سیڑھیاں اترتی گئی۔ارمش چپ چاپ اس کے پیچھے چلتا رہا تھا۔وہ گاڑی تک آئے جہاں جاوید بھائی گاڑی میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

جاوید بھائی مجھے اور ارمینہ کو ذرا کام سے جانا ہے... میں اسے چھوڑ دوں گا۔ وہ کھڑکی کے اس طرف بیٹھے جاوید بھائی سے بڑے آرام سے کہہ رہا تھا۔ارمینہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا تھا۔

اچھا جی ٹھیک ہے... ارمینہ بی بی میں جاؤں؟ وہ ارمینہ سے تصدیق چاہتے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جی۔ اس نے گردن جھکا کر بس اتنا ہی کہا تھا۔ان کے جانے کے بعد ارمش چل پڑا وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔

تم نہیں بتانا چاہتیں کہ کیا بات ہے؟ اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔وہ اب بھی خاموش تھی۔

ٹھیک ہے مت بتاؤ... مجھے آٹھبجے ایئرپورٹ پہنچنا ہے بیچ میں تین گھنٹے ہیں... پھر میں چلا جاؤں گا تو ایسا کرتے ہیں کہیں گھومتے ہیں۔ وہ پرجوش سا کہہ رہا تھا اور ارمینہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔اس نے کوئی اصرار نہیں کیا تھا سوال ایک بار پوچھا گیا تھا جواب نہ ملنے پر اسے دہرایا نہیں گیا تھا۔

تمہیں شاپنگ کرنا پسند ہے؟

نہیں۔

تو کھانا پینا؟

نہیں۔

تو پھر گیمز کھیلتے ہیں

نہیں۔ تو ایسا کرتے ہیں کسی پل سے چھلانگ لگا لیتے ہیں۔ اس نے اکتا کر کہا تو ارمینہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہی بچتا ہے پھر تو۔ کندھے اچکا کر اس نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

تم ہی کودنا... میں کسی الٹے کام میں تمہارا ساتھ کیوں دوں؟

چلو سیدھے کام میں دے دو... ایسا کرتے ہیں ایگزیبیشن وزٹ کر لیتے ہیں۔میرے پاس کچھ پاسز ہیں اکیلے جا کر میں بور ہو جاتا ہوں... بولو چلو گی؟

میرا حلیہ exhibition والا نہیں ہے ارمش۔

تو میرا کون سا ہے۔ وہ واقعی عام سے کپڑے پہنا تھا مگر پھر بھی اچھا لگ رہا تھا۔

وہ لوگ ہمیں باہر نکال دیں گے ارمش اس حلیے میں دیکھ کر... ہم کہیں سے visitors نہیں لگ رہے ہیں۔

کوئی بات نہیں بھلے باہر نکال دیں مگر تفریح تو ہو جائے گی۔ وہ بڑے آرام سے وہ باتیں کر رہا تھا جو ارمینہ نے کبھی ارمش رضا ابراہیم سے expect نہیں کی تھیں۔وہ ہمیشہ ضرورت کے تحت نپا تلا ہی بولا کرتا تھا مگر آج وہ بول بھی رہا تھا اور بے تکا بھی بول رہا تھا۔اسے عجیب مگر اچھا لگا تھا اس کا سٹریس لاشعوری طور پر کم ہونے لگا تھا۔ارمش نے گاڑی ایگزیبیشن ہال کے سامنے لاکر روک دی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سو چو ارمش... میں نے تو منہ بھی ٹھیک سے نہیں دھویا تھا آتے وقت اور یہ سلیپرز بھی بہت عام سی ہیں... وہاں سب گھوریں گے ہمیں... اتنے ایلیٹ لوگوں کے درمیان کارٹون لگیں گے ہم۔

ارے یار کچھ نہیں ہوتا آجاؤ۔ وہ باہر نکل گیا۔ارمینہ بھی کچھ کنفیوز سی باہر آئی تھی۔وہ اسے لیے مین اینٹرنس تک آیا... وہاں کھڑے گارڈ نے انہیں اوپر سے نیچے تک گھورا پھر ارمش کے پاس دکھانے پر انہیں جانے دیا۔وہ کچھ شرمندگی کے عالم میں اندر آئی تھی۔اس نے ارمش کو دیکھا وہ ہر چیز سے بے نیاز یہاں وہاں دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔اسے حیرت ہوئی مگر وہ اس کے پیچھے چل دی تھی۔وہ کسی یونیورسٹی کے طلبہ کی جانب سے لگائی گئی آرٹ ایگزیبیشن تھی۔وہ دونوں ایک پینٹنگ پر آ کر رک گئے تھے۔

مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی... لوگ ایک ایک گھنٹہ کھڑے ہو کر ایک پینٹنگ کے اندر کیا ڈھونڈتے ہیں۔ ارمش نے شکرپارے کے رنگون کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھاتو وہ مسکرائی۔

آرٹسٹ سمجھ سکتے ہیں...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جو چیز اچھی لگنی ہوتی ہے وہ ایک نظر میں اچھی لگ جاتی ہے جو چیز اچھی نہیں لگنی ہوتی اسے کتنی ہی دیر گھورتے رہو وہ اچھی نہیں ہو سکتی۔

نہیں! کچھ چیزیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اچھی لگنے لگتی ہیں۔ ایک خوبصورت مسکراہٹ ارمینہ کے ہونٹوں پر دوڑ گئی تھی۔

جیسا کہ؟ ارمش سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

جیسا کہ پنک کلر...

پنک کلر؟ وہ اس کی بات پر حیران ہوا، پھر محظوظ ہوا تھا۔

ہاں، مجھے پہلے نہیں پسند تھا اب اچھا لگنے لگا ہے۔

کیوں پنک ہی کیوں؟

پتہ نہیں بس ایسے ہی human behaviour۔کیوں تمہارے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوا؟

مجھے تو جو اچھا لگتا ہے لگتا ہے...جو نہیں لگتا وہ نہیں لگتا۔ ارمش نے اگلی پینٹنگ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا... اس کا چہرہ کچھ بجھ سا گیا تھا۔

بلا کا بے باک ہے۔ ارمینہ نے سوچا تھا۔

کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو گئیں؟ اسے خاموش کھڑا دیکھ کر وہ پلٹا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں کچھ نہیں۔ وہ دونوں اگلی پینٹنگ دیکھ رہے تھے جب کسی نے ارمش کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ چونک کر مڑا اس کے پیچھے چالیس پینتالیس سال کی عمر کا ایک شخص کھڑا تھا، ارمینہ انہیں نہیں پہچانی۔

زوہیب انکل! ارمش نے فوراً انہیں پہچان لیا تھا۔

ارمش تم یہاں کیسے؟ تمہیں تو آرٹ ایگزیبیشنز سے چڑ ہے... میں حیران ہوں تمہیں یہاں دیکھ کر۔ وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

ارادہ نہیں تھا بس یونہی راستے سے گاڑی موڑلی۔

ہاں وہ تو نظر آ رہا ہے کہ ارادہ نہیں تھا۔ ان کا ارادہ ان کے کپڑوں اور حلیے کی طرف تھا۔ارمینہ کو شرمندگی ہوئی جب کہ ارمش ڈھیٹ بنا مسکرا دیا۔

انکل یہ ارمینہ ہے...جانتے ہوں گے آپ۔

ہاں اناگریشن والے دن دیکھا تھا۔ اب وہ ارمینہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ارمینہ یہ اسد کے والد ہیں... انکل زوہیب۔ ارمش نے تعارف مکمل کیا تو وہ سمجھی کہ وہ کون تھے۔اس نے انہیں سلام کیا تھا۔

ارمش میرے خیال سے آٹھ بجے تم لوگوں کو ایئرپورٹ پہنچنا ہے اور تم یہاں گھوم رہے ہو؟

جی انکل جانتا ہوں میں پہنچ جاؤں گا وقت پر۔ وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

تمہاری کوئی منطق میری سمجھ میں تو نہیں آتی ہے... خیر مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم پہنچ جاؤ گے۔ وہ مسکرایا۔

انکل زوہیب ان لوگوں سے مزید باتیں کیے بغیر آگے بڑھ گئے تھے اور ارمینہ زبردستی اس کا آستین پکڑ کر اسے باہر لے آئی تھی۔ ارے کیا ہوا؟ اچھی نہیں لگی ایگزیبیشن...؟ جبھی میں بھی ایسی exhibitions میں بور ہو جاتا ہوں۔ ارمش کی لاپروائی کی انتہا تھی۔

ارمش میں جبھی ڈر رہی تھی کہ کوئی جاننے والا نہ ٹکرا جائے اور وہی ہوا۔

ارے وہ تمہارے جاننے والے تھوڑی ہیں میرے جاننے والے ہیں۔

ہاں تو تمہیں شرمندگی نہیں ہوئی... سوسائٹی میں تمہارا ایک اسٹیٹس ہے اور تم اس طرح گھوم رہے ہو وہ بھی ایسی جگہ پر تمہارا امیج تباہ ہو گا۔

ارمینہ انسان کو جس چیز سے خوشی ملتی ہے جو چیز اسے اچھی لگتی ہے وہ کرنی چاہیے۔ اس کے انداز میں بلا کا اطمینان تھا۔

پھر بھی مجھے بُرا لگ رہا تھا اس طرح اندر جانا۔

اب تو آگئیں نا باہر... چلو۔ وہ واپس آکر گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور ارمش نے گاڑی چلا دی۔کچھ فاصلے پر اس نے پھر گاڑی کو کنارے لگا دیا تھا۔

مونگ پھلی کھاؤ گی؟

مونگ پھلی؟

ہاں کراچی میں تھوڑی سی ہی سردیاں آتی ہیں انسان اسی میں مونگ پھلی کھا کر اپنا شوق پورا کر سکتا ہے ورنہ سارا سال ترستے رہتے ہیں۔ وہ گاڑی سے اتر گیا تھا اور سامنے کھڑے ٹھیلے پر سے مونگ پھلی لینے لگا تھا۔فروری کا مہینہ تھا ٹھنڈ زیادہ نہیں تھی مگر موسم خوشگوار تھا۔وہ سامنے کھڑا نیلی جینز اور ہلکے نیلے رنگ کی عام سی شرٹ میں ملبوس تھا اور مونگ پھلی والے سے جانے کون سی باتیں کر رہا تھا۔ ارمینہ کو لگا جیسے وہ ایک ہفتے کا ایک ہی دن میں بول لے گا۔اسے ہنسی آگئی تھی۔ اگر ارمش کا مقصد اسے بہتر محسوس کرانا یا اسے سٹریس سے نجات دلانا تھا تو وہ بہت حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔وہ واقعی بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھی۔البتہ اس کا مسئلہ وہیں موجود تھا۔

پاپا کے آپریشن کے لیے اسے پیسوں کی شدید ضرورت تھی۔وہ فیکٹری سے آنے والی رقم اور اپنی سیلری سے آنے والی رقم میں سے ان کے علاج کے لیے ہر مہینے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ایک مخصوص رقم نکال کر رکھ دیا کرتی تھی اور وہ رقم اس کے پاس جمع ہو جایا کرتی تھی۔اس کی جمع کی ہوئی رقم دو لاکھ کے قریب تھی۔ ارمش کو اس نے جو رقم دی تھی وہ بھی کسی کاٹیج انڈسٹری کے مالک نے نہیں دی تھی بلکہ ہیری ہوم کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے جمع کیے ہوئے روپے ارمش کو دے دیئے تھے۔تب اسے علم نہیں تھا کہ سرجری اتنی جلدی ہو جائے گی۔اس نے ارمش کو ایک لاکھ کی رقم دی جو وہ مشکل حالات کیلئے جمع کر کے رکھ رہی تھی مگر اسے ان پیسوں کا افسوس نہیں تھا۔پریشانی تھی تو بس یہ کہ اب وہ مزید ستر ہزار کہاں سے لائے گی۔اس نے پاپا سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ابھی آپریشن میں آٹھ دن تھے۔ اسے یقین تھا وہ ان آٹھ دنوں میں کچھ نہ کچھ ضرور کرلے گی۔وہ اسی نیت سے بینک بھی گئی تھی اس درخواست کا پتا کرنے جو اس نے پہلے ہی لون کے لیے جمع کروائی تھی مگر بینک والے اسے پہلے ہی بتا چکے تھے کہ اس کے معاملے میں اسے لون نہیں دیا جا سکتا تھا مگر وہ پھر بھی پرامید تھی اور مطمئن تھی کہ وہ بندوبست ضرور کرے گی۔

ارمش گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ حال میں لوٹی تھی اس کے ہاتھ میں مونگ پھلی کا پیکٹ تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ لو کھاؤ۔ اسے پیکٹ تھماتے ہوئے وہ بولا تھا۔

تھینک یو۔ وہ ایک بار پھر ڈرائیو کرنے لگا۔اب وہ گھر کی طرف جا رہے تھے۔

ویسے ارمش یہ مہربانی کس لیے...؟ یعنی تم جیسا مصروف انسان کو یہ سوٹ نہیں کرتا کہ وہ مجھ جیسی فارغ ڈاکٹر کو لیے پھرتا رہے۔ منہ میں مونگ پھلی کے دانے ڈالتی وہ بولی تھی۔وہ مسکرایا تھا مگر خلاف توقع اس نے کوئی الٹا جملہ نہیں بولا تھا۔ جیسے وہ کسی اور سوچ میں گم ہو۔اس کا موبائل بجا تو اس نے فوراً گاڑی روک کر موبائل نکالا تھا۔اس کے موبائل پر کال نہیں آئی تھی بلکہ میسج تھا۔ارمینہ نے محسوس نہیں کیا تھا مگر میسج پڑھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا... پھر اس نے خاموش نظریں ارمینہ کے چہرے پر جما دی تھیں۔ارمینہ نے اپنے اوپر جمی اس کی نظریں محسوس کیں اور گردن گھما کر اسے دیکھا جو ارمینہ کو تک رہا تھا... گم صم... حیران سا...

کیا ہوا؟

کچھ نہیں۔ وہ جیسے جبراً مسکرایا اور موبائل بند کر کے رکھ دیا اور گاڑی چلانے لگا۔وہ بھی مونگ پھلی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمش left پر لے لیتے تو جلدی گھر آجاتا۔ ارمش نے گھر کا ٹرن مس کیا تو ارمینہ نے اسے ٹوکا تھا۔

جبھی نہیں لیا...

کیوں؟

بس ایسے ہی۔

تم کھاؤ گے؟ اسے یک دم خیال آیا اس نے ایک بار بھی ارمش کو آفر نہیں کی تھی۔

میں مونگ پھلی نہیں کھاتا۔

تو پھر کیوں لی تھی؟

تمہارے لیے لی تھی۔ وہ ونڈ اسکرین سے باہر سڑک پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ باقی سارا راستہ خاموشی سے گزرا تھا۔اس نے کچھ پوچھا نہیں تھا... اس نے کچھ بتایا نہیں تھا۔پھر اس نے گھر کے آگے گاڑی روک دی تھی۔

خداحافظ۔ ارمینہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا تھا۔

خداحافظ۔ وہ جواب دے کر خاموش ہو گیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

شکریہ تمہارا... مونگ پھلی کے لیے اور آرٹ ایگزیبیشن میں ہونے والی عزت افزائی کے لیے۔

ارمش خاموش رہا تھا، بس مسکرا دیا تھا۔ارمینہ کو شدید حیرت ہوئی تھی کہ وہ کیوں اچانک اتنا خاموش ہو گیا تھا۔وہ چلتی ہوئی دروازے تک آگئی تھی۔جب تک دروازہ کھلا نہیں۔وہ ہمیشہ کی طرح وہیں کھڑا رہا پھر دروازہ کھلتے ہی اس کی گاڑی اندھیرے میں کہیں کھو گئی تھی۔اب وہ ایک ہفتے تک اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کے کسی الٹے جملے پر غصہ نہیں کر سکتی تھی، وہ خاموشی سے اندر آگئی تھی۔

☆...☆...☆

گھاس میں چمکے جو تارا سا...

اور پکڑیں تو ہاتھ نہ آئے...

اگلے پل میں انگارا سا...

جلتا بجھتا اڑ جائے...

اب پودوں کی شاخ پہ بیٹھے...

اور پیاری سی آگ جلائے...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

صبح کا وقت تھا... ہیری ہوم کے اسکول میں بچے جگنو نظم دہرا رہے تھے وہ انہیں بہت مزے سے نظم پڑھتے دیکھ رہی تھی۔وہ ایئرپورٹ سے سیدھا یہیں آگئی تھی۔ ساری رات جاگنے کے باوجود اسے نیند نہیں آرہی تھی۔تھکن کا احساس بھی نہیں تھا۔بس اس کا دماغ پاپا کی سرجری میں لگا ہوا تھا۔

ان کی ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن تھا جس کے بعد وہ چل تو نہیں سکتے تھے مگر اپنے پیروں پر کھڑے ضرور ہو سکتے تھے اور اس کے لیے بھی انہیں مہینوں فزیوتھیراپی کی ضرورت تھی۔لیکن کم از کم ان کی ویل چیئر سے جان چھوٹ سکتی تھی اور وہ بے ساکھیوں کے سہارے سے چل سکتے...

بریک ہوتے ہی سب بچے دالان کی طرف آگئے تھے۔عمر اس کے پاس آیا تھا۔

کیا بات ہے... آج چڑیائیں کچھ اداس اداس ہیں؟ آسمان کی طرف دیکھ کر وہ بول رہا تھا۔وہ مسکرا دی تھی۔

اچھا... تو پوچھو چڑیوں سے کہ انہیں کیا ہوا ہے؟

تو بتاؤ کیا ہوا ہے؟ اب وہ براہ راست چڑیا سے پوچھ رہا تھا۔

کچھ نہیں بس چڑیوں کا موڈ آف ہے۔

کیوں... کیا ہوا؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پاپا کی سرجری ہے ناں...

ہاں ارمش بھائی نے بتایا تھا... فکر مت کرو وہ ٹھیک ہو جائیں گے he is a fighter

وہ اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔

آؤ کچھ کھالو ؟

نہیں اب گھر جا رہی ہوں... آج پاپا فیکٹری گئے تھے اب آرہے ہوں گے۔پھر کبھی...

ٹھیک ہے۔ کہتی وہ واپس گھر کی طرف چلی گئی۔

☆...☆...☆

وہ گھر میں داخل ہو رہی تھی جب کسی نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔

ڈاکٹر ارمینہ محمود آپ ہیں؟

جی آپ کیلئے کوریئر ہے اس نے کوریئر ریسیو کیا اور اندر آگئی۔گھر پر فرید بابا اور پاپا نہیں تھے وہ ابھی تک فیکٹری سے نہیں لوٹے تھے۔وہ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔اندر آکر اس نے اس خاکی لفافے کو چاک کیا اور وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی تھی۔اس لفافے میں پیسے تھے اور ساتھ ایک لیٹر تھا۔

موجوجوجو۔ پہلا لفظ پڑھ کر ہی وہ ہل کر رہ گئی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اتنا tale telling چہرہ لے کر تم کم از کم مجھ سے اپنی پرابلمز نہیں چھپا سکتیں میں انکل کے لیے دعا کروں گا... یہ ستر ہزار تمہارے اوپر ادھار ہیں رکھ کر مت بیٹھ جانا واپس کر دینا...اور اگر نہ بھی کرو تو کوئی بات نہیں کیوں کہ انکل کے جو مجھ پر احسانات ہیں اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں... اور اب مت رونا ناک لال ہو جاتی ہے تو واقعی موجوجوجو لگتی ہو... مگر اچھی لگتی ہو!

اللہ راستہ آسان کرے تمہارا اور انکل کا بھی... ارمش۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے وہ خط واپس اسی خاکی لفافے میں ڈال دیا۔وہ تھوڑی دیر ان پیسوں کو اور اس لفافے کو تکتی رہی پھر اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا ... وہ کیسا انسان تھا؟ وہ اس کے پاس ہوتا تھا تب بھی وہ اس کا تصور ذہن سے نہیں نکال پاتی تھی اب وہ اس کے پاس نہیں تھا پھر بھی اس کے عمل کے نتیجے میں وہ اس کے قریب جا پہنچی تھی۔اس کی مشکل کا حل اس لفافے میں تھا جو اس کے ہاتھ میں موجود تھا مگر اس کا ضمیر اسے روک رہا تھا۔یہ پیسے لینا درست نہیں تھا۔یہ حق اسے حاصل نہیں تھا۔یہ ارمش کی ذمہ داری بھی نہیں تھی اسے پوری بھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس نے ایک لمحے میں اپنے آنسو پونچھے اور وہ ارمش کو کال ملا رہی تھی وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔اس نے لگاتار دس مسڈ کالز کر ڈالیں مگر اس نے فون نہیں اٹھایا۔ کچھ غصے میں اس نے اپنا فون بیڈ پر پٹخا اور باہر آگئی تھی۔باہر پاپا آگئے تھے اس نے انہیں سلام کیا۔

چائے پئیں گے یا کھانا لگا دوں؟

طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا تمہاری؟ اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر بولے۔

ٹھیک ہے پاپا

چہرے سے تو نہیں لگتا۔

میں ٹھیک ہوں پاپا... آپ منہ ہاتھ دھو لیں فریش ہو جائیں پھر کھانا ہی کھا لیتے ہیں۔

اچھا۔ کچھ تذبذب میں وہ اندر کی طرف چلے گئے تھے۔

وہ کھانے کی ٹیبل پر بھی خاموش تھی مگر پاپا نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔دو نوالے حلق سے اتارنے کے بعد وہ فارغ ہو گئی تھی مگر ٹیبل پر بیٹھی رہی کیوں کہ یہ ان کے گھر کا اصول تھا جو بھی پہلے کھا لیتا وہ دوسرے کے کھانا ختم کرنے کا انتظار کرتا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آج تم نے پہلے کھانا ختم کر لیا؟ وہ ہمیشہ بعد میں کھانا ختم کیا کرتی تھی۔

جی

کوئی پریشانی ہے ارمینہ؟

نہیں پاپا۔

بیٹا سرجری کو اتنا سوار کیوں کر رہی ہو؟ اس سے پہلے بھی تو ایک سرجری ہو چکی ہے کچھ نہیں ہو گا مجھے۔ اس کا ضبط ٹوٹا تو وہ روتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی تھی۔

مجھے پتا ہے آپ کو کچھ نہیں ہو گا پاپا... میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گی... اللہ سے اتنی دعائیں کی ہیں میں نے... وہ ہمارا... راستہ آسان کر دے گا۔

وہ روتے ہوئے کس کی دعا دُہرا رہی تھی وہ جانتی تھی مگر اسے اس وقت اس دعا کی بہت ضرورت تھی۔

شاباش میرا بچہ... اب جا کر سو جاؤ... بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو۔ وہ اپنے آنسو پونچھتے اٹھ گئی تھی۔کمرے میں آکر اس نے سر کے درد کی وہی دوالی جو وہ اکثر پاپا کو دیتی تھی پھر بیڈ پر آکر لیٹ گئی... وہ پیسے اسی حالت میں سائیڈ ٹیبل پر پڑے تھے... وہ آہستہ آہستہ دوا کے اثر سے نیند میں گم ہو گئی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔اسے سمجھ نہیں آیا کہ وقت کیا تھا۔ سر بھی بہت بھاری بھاری محسوس ہو رہا تھا۔اس نے موبائل آن کر کے دیکھا... آٹھ بج رہے تھے... وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی...

آٹھ بج گئے! کتنی دیر سوتی رہی میں۔ اس نے کمرے کی لائٹس آن کیں تو ایک بار پھر اس کی نظر ان پیسوں پر پڑی وہ سر جھٹکتی انہیں ایسے ہی چھوڑ کر نیچے آگئی تھی۔

پاپا ! آپ نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟ دیکھیں آٹھ بج گئے کھانا بھی بنانا تھا اتنی دیر ہو گئی۔ وہ کچھ ہولائی ہوئی لاؤنج سے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی سر میں بھی درد تھا تو میں نے تمہیں نہیں جگایا۔

مگر کھانا؟

میں نے اور فرید نے فریزر سے کوفتے نکال لیے تھے... وہ تو بنے ہوئے تھے پھر ہم نے اس کا شوربہ خود بنا لیا۔ اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔

کیسے بنا لیا ؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فرید نے مدد کی تھی ناں... فوجیوں کو کھانا بنانا آتا ہے۔میں بتاتا جا رہا تھا۔فرید سب کام کرتا جا رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان کے گرد بازو حائل کیے تھے۔

اٹھا دینا چاہیے تھا مجھے۔

اچھا ہے ناں ... اب پھر رات بھر ڈیوٹی پر جاگو گی۔

ذرا میں بھی تو کھا کے دیکھوں کیا بنایا ہے آپ لوگوں نے۔ دوپہر میں اس سے کھانا نہیں کھایا گیا تھا مگر اب اسے بھوک لگ رہی تھی۔اس نے ایک پلیٹ میں اپنے لیے کھانا نکالا اور ٹیبل پر آبیٹھی تھی۔

ارے واہ! بڑے مزے کا کھانا بنا ہے... پاپا فرید بابا آپ لوگوں کو کافی اچھا اندازہ ہے مصالحوں کا۔ وہ دونوں ہی ہنس دیئے تھے۔وہ کھانا کھا کر پاپا اور فرید بابا کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔فرید بابا پاپا کے پیروں کی مالش کر رہے تھے۔

پاپا ڈاکٹر نے کہا ہے آپ منڈے مارننگ کو ایڈمٹ ہو جایئے گا۔

ہونہہ! انہوں نے گردن ہلا دی تھی۔

آپریشن کا کل خرچہ کتنا بتایا ہے؟ انہوں نے اچانک سوال کیا تو وہ پانی پیتے پیتے رک گئی۔

دو لاکھ کے قریب۔ اس نے اضافی پیسے مائنس کر دیئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور جمع کی ہوئی رقم کتنی ہے؟

وہ بھی دو لاکھ ہی ہے۔

اچھا اگر مزید ضرورت ہو تو بتانا مجھے۔

کیوں؟ وہ اچانک پرجوش ہوئی تھی۔

تاکہ میں کہیں سے ارینج کر دوں۔

کہاں سے؟

دیکھوں گا۔ اس کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

مت دیکھیں... ضرورت نہیں پڑے گی انشاء اللہ۔ وہ جانتی تھی ان کیلئے پیسے ارینج کرنا کتنا مشکل تھا۔دس بجے کے قریب پاپا کے سونے جانے کے بعد وہ واپس اوپر آگئی تھی۔تھوڑی دیر میں اسے ایئرپورٹ کیلئے نکلنا تھا۔اس نے اپنا موبائل اٹھایا تو اس پر اب بھی ارمش کی کوئی کال نہیں تھی۔اسے شدید غصہ آیا... دس مسڈ کالز دیکھ لینے کے بعد بھی اس نے کال نہیں کی کوئی میسج نہیں کیا۔وہ ایک بار پھر اسے کال ملانے لگی تھی۔اس بار اس نے فون اٹھا لیا تھا۔پہلی گھنٹی پر فون ہاتھ میں لے کر بیٹھا ہو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہیلو۔ اس کی آواز سنتے ہی اس کا غصہ جھاگ بننے لگا تھا۔ پھر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

ہیلو۔

کیسی ہو تم؟ اس کا لہجہ اس کی آواز بالکل بے نیاز تھی۔جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

تم نے پیسے بھجوائے ہیں؟ وہ بغیر کسی تمہید کے وہ پوچھ رہی تھی۔

ہاں ! کیونکہ تمہیں ضرورت تھی۔

تمہارے احسان کی ضرورت نہیں میں کر لوں گی پیسے ارینج... تم یہ... واپس لے لو۔

تم کر دینا واپس جب کر سکو... احسان نہیں ہے یہ۔

ارمش مجھے نہیں پتہ یہ پیسے واپس لو تم۔ اس بار اس نے سختی سے کہا تھا۔

ارمینہ... میں یہاں گھومنے نہیں آیا ہوں دیکھو وقت نہیں ہے میرے پاس تم چپ چاپ پیسے رکھو اور انکل کا آپریشن کرواؤ... اب ذرا مجھے جانا ہے... خدا حافظ۔

ارمش... سنو۔

کیا؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں یہ پیسے نہیں لے رہی ہوں... پھر بھی تمہارا شکریہ... خدا حافظ۔ اس نے کہہ کر فون کاٹ دیا تھا۔ارمش کچھ دیر فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا تھا۔

کتنی ضدی لڑکی ہے۔ اس نے زیرلب دہرایا تھا۔سڈنی کے ایک بڑے سے ہوٹل میں بیٹھا وہ اپنے کلائنٹ کا انتظار کر رہا تھا۔اسد اس کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔

کیا ہوا؟ اس نے دیکھ کر بولا تھا۔

کچھ نہیں یار کسی کی بات نہیں مانتی یہ۔

تم بھی کہاں مانتے ہو... ڈیڈ بتا رہے تھے تم کل آرٹ ایگزیبیشن میں گھوم رہے تھے جب کہ ایک گھنٹے میں تمہیں ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔

ارمش نے ایپل جوس کا سپ لیتے ہوئے لاپروائی سے اس کی بات سنی تھی۔

ہاں یار... بس ایسے ہی اچانک آرٹ سے محبت ہو گئی تھی۔

آرٹ سے یا ارمینہ سے؟ جوس پیتے ہوئے وہ رک گیا تھا اس نے اسد کو نہیں دیکھا تھا مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا ہمیشہ کی طرح... ناقابل فہم... اسد کو حیرانی ہوئی تھی۔

محبت... نہیں کرتا میں اس سے۔ آہستہ آہستہ ہر لفظ پر ٹھہر ٹھہر کر اس نے ایک جملہ ادا کیا اور پھر جوس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہاں... ابھی صرف دوست ہو پھر شاید محبت بھی کرنے لگو۔

دوست بھی نہیں ہے وہ میری۔

تو وہ تمہاری دوست بھی نہیں... پھر کون ہے؟

معلوم نہیں... کچھ دنوں سے میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ وہ کون ہے۔

اسد اس کی بات پر ہنسنے لگا تھا... اسے اسد کی ہنسی اس وقت زہر لگی۔

ارمش... محبت ان چیزوں میں سے ہے جس پر انسان کا اختیار نہیں ہے... یہاں پہنچ کر بڑے بڑے چِت ہو جاتے ہیں۔دنیا فتح کرنے والے بھی محبت کے آگے گھٹنے ٹیک بیٹھتے ہیں... پھر تم تو ایک عام سے انسان ہو... اسد چپ ہو گیا تھا۔وہ گہری سوچ میں تھا۔

محبت اس نے ارمینہ کیلئے اس ایک لفظ کے علاوہ کوئی اور لفظ سوچا تھا۔وہ اسے اچھی لگتی تھی کیوں کہ وہ اچھی تھی۔وہ ہر ایک کو اچھی لگتی تھی اس میں کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔مگر ارمش اس کی شخصیت کے پہلو پر غور کرنے لگا تھا اور ہر پہلو اسے خوبصورت لگتا تھا ہنسنے سے لے کر رونے تک غصے سے لے کر معصومیت تک... اس کی ضدیں بھی... وہ اس کے بارے میں سوچتا تو سوچتا ہی رہتا وہ اس کے متعلق ہر بات سے آشنا رہنا چاہتا تھا اس کی ہر خوشی سے ہر دکھ سے

پھر اس کی ہر خوشی کی وجہ بننا چاہتا تھا اور اس کا ہر دکھ سمیٹ دینا چاہتا تھا مگر وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا... کم از کم اسے یہی لگتا تھا۔ وہ عجیب سی الجھن کا شکار تھا۔

اسد یار میں باہر ہوں... ڈینیل مسٹر کلف کو لے آئے تو مجھے کال کر دینا۔

کیوں کیا ہوا؟ اسد کی تشویش پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

بس ایسے ہی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔میں آجاؤں گا جب وہ لوگ آجائیں گے۔

تو تم باہر ہی تو ہو وہ دِکھ ہی جائیں گے تمہیں آتے ہوئے۔

نہیں اگر میں اِدھر اُدھر ہو گیا تو پتا نہیں چلے گا۔

ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

وہ باہر آگیا تھا۔سڈنی میں سردی کراچی کی نسبت کافی زیادہ تھی۔اس نے بلیک ہائی نیک کے اوپر کوٹ پہن رکھا تھا۔لیکن پھر بھی باہر آکر اسے ٹھنڈ کا احساس ہو رہا تھا۔مگر اسے اچھا لگ رہا تھا۔یہ ٹھنڈ اسے عجیب طرح سے پرسکون کر رہی تھی۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور ایک فولڈر میں جا کر پلے کا بٹن دبا دیا۔ارمینہ کی آواز گونجنے لگی تھی... وہی کانوں میں رس گھولتی... میٹھی۔کھنک لیے ہوئے۔

کافی لمبا نام نہیں ہے... پورا لیتے لیتے ٹرین چھوٹ جائے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔یہ اس کی پہلی ریکارڈنگ تھی۔اس نے بعد میں بھی اس کی بہت کی باتیں ریکارڈ کر رکھی تھیں۔آخری ریکارڈنگ پر آکر اس نے ایک بار پھر پلے کا بٹن دبایا۔ نہیں بہت سی چیزیں وقت گزرنے کے ساتھ اچھی لگنے لگتی ہیں۔ وہ آرٹ ایگزیبیشن میں ادا کیے جانے والے الفاظ تھے۔

لیکن مجھے تو تم... کبھی بری لگی ہی نہیں۔ اس نے خود سے کہا تھا... موسم نم ہونے لگا تھا۔ہلکی ہلکی بوندیں گرنے لگی تھیں۔اور اس نے موبائل کی اسکرین پر گری ایک بوند کو انگلی سے صاف کیا اور موبائل اندر رکھ لیا۔

بس مجھے وہ لڑکی اچھی نہیں لگتی۔ بابا کا جملہ یاد آنے پر اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔اسد کی کال آنے لگی تو وہ بغیر رکے اندر چلا گیا تھا۔

☆...☆...☆

سرفراز کو اردگرد کے لوگوں نے بلایا تو وہ ہوش میں آیا تھا اور اس کے آگے چھایا ہوا اندھیرا کچھ چھٹنے لگا تھا۔اسے رنگ نظر آنے شروع ہوگئے تھے مگر بس ایک رنگ وہ پہچان پایا تھا... سُرخ رنگ... وہ ایک جھٹکے سے ہوش میں آیا اور بھاگتا ہوا سڑک کی طرف آیا تھا۔اس کی گود میں ارمینہ اب بھی رو رہی تھی۔

☆...☆...☆

" انابیہ "وہ پوری قوت سے چیخا تھا اسے وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔پھر وہ ذرا اور آگے آیا تو سڑک کی دوسری طرف وہ اسے بے سدھ پڑی نظر آگئی تھی۔

اس کی اپنی گاڑی سے بہت دور خون میں نہائی۔اس کے آسمانی کپڑے اب سرخ ہو چکے تھے۔وہ بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تھا۔

انابیہ

انابیہ خدا کے لیے آنکھیں کھولو پلیز۔ وہ پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔ساتھ کھڑے ایک شخص نے اس کے گود سے ارمینہ کو لے لیا تھا تاکہ وہ انابیہ کو ہسپتال کے اندر لے جا سکے۔اس نے انابیہ کو اٹھایا اور اندر لے آیا۔انابیہ کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا جب کہ ارمینہ کی بینڈیج ایک نرس نے کر دی تھی اور اسے وہیں بٹھا لیا تھا۔اس کے حواس بحال ہونا شروع ہوئے تو اس نے گھر پر احمد کو کال کر کے اطلاع دی تھی۔

کیا ہوا سرفراز؟ احمد... انابیہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے... تم جلدی یہاں پہنچو۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی اور چند لمحوں بعد فون بند ہو گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بلڈ کی ضرورت ہے آپ لوگ بلڈ ارینج کر لیجئے مگر بلڈ بینک یہاں سے دو سڑکیں چھوڑ کر ہے۔اور وہاں اسٹاک کم ہے آپ لوگ اپنے ڈونرز کا انتظام کیجئے۔

میرا اور اس کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے میں دے دوں گا۔ اس نے فوراً نرس سے کہا تھا جو ابھی ایمرجنسی سے باہر آئی تھی۔

بہتر آپ ریسیپشن پر بتا دیں وہ آپ کو بتا دیں گے کہ کہاں جا کر بلڈ دینا ہو گا۔ نرس واپس مڑنے لگی تو سرفراز نے اسے روکا۔

وہ کیسی ہے؟ ٹھیک ہو جائے گی ناں؟

کچھ کہا نہیں جا سکتا... آپ حوصلہ کریں۔ یہ کہتی ہوئی وہ نرس واپس اندر چلی گئی تھی۔دروازے کی آڑ میں اس نے انابیہ کا چہرہ ایک پل کے لیے دیکھا تھا پھر دروازہ بند ہو گیا تھا... اس کا دل بھی بند ہو گیا تھا۔ضبط کا ایک آنسو ٹپکا۔اس نے آنسو پوچھا اور ریسیپشن کی طرف مڑ گیا تھا۔

احمد رضا ابراہیم کی زندگی میں اگر کچھ بہت برا ہو سکتا تھا تو وہ ہو گیا تھا۔سرفراز کے فون کے بعد اس نے ایک لمحہ بھی رکے بغیر ہاسپٹل کا رخ کر لیا تھا۔اس کے ہاتھ اتنے کانپ رہے تھے کہ وہ گاڑی بھی نہیں چلا پا رہا تھا۔نجانے کیسے وہ اور ثمینہ ڈرائیو کرتے ہسپتال پہنچے تھے۔اُترتے ہی باہر اسے سڑک پر ایک جگہ بہت سا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

خون پڑا دکھائی دیا تھا۔احمد سے اندر نہیں جایا گیا تھا۔ثمینہ اس کے ساتھ تھی۔وہ جانتی تھی احمد رضا کیسے دیوانوں کی طرح انابیہ کو چاہتے تھے۔احمد چلتے ہوئے اس جگہ تک آیا تھا جہاں کچھ دیر پہلے انابیہ بے سدھ پڑی تھی۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا تھا۔اردگرد کے لوگوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔

بچی زخمی تھی... اسے ہسپتال لائے تھے جب بچی کی ماں کو ٹرک والا مارتا ہوا چلا گیا۔ کسی نے اس کے بہت قریب کھڑے ہو کر کہا تھا۔

وہ جلدی کر رہی تھی بچی اس کے شوہر کی گود میں تھی۔جلدی کے چکر میں دیکھا ہی نہیں پیچھے ٹرک آرہا تھا۔خون بہت بہ گیا ہے...

آوازیں ان کے کانوں میں ہتھوڑوں کی طرح پڑ رہی تھیں۔ان کی بہن سے محبت کو کسی نے بہت بے دردی سے کچل ڈالا تھا۔وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اندر آگئے تھے۔ثمینہ ان کے پیچھے تھیں۔

سرفراز نظر نہیں آرہا پتا نہیں کہاں ہے۔ ثمینہ نے راہداری کو خالی پاکر کہا تھا۔

اپنی بیٹی کے پاس ہو گا۔ احمد نے بہت عجیب سے لہجے میں کہا تھا کہ ثمینہ نے احمد کو سر اٹھا کر دیکھا۔اسی وقت اندر سے ڈاکٹر باہر آئے تھے۔

مسز انابیہ کے ساتھ...

جی میں ہوں۔ احمد بھاگتا ہوں ان کے پاس پہنچا تھا۔

We re sorry She is expired لفظوں کی گونج احمد کے کانوں میں بس ایک ہی بار ہوئی تھی پھر سب کچھ تھم گیا تھا۔آس پاس کی ہوا احمد کی سانسیں اس کا دل... سب کچھ... اب ماضی کی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ بھائی سرفراز مجھ سے محبت کرتا ہے اور... میں بھی اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔

ان کے کانوں میں کسی کے رونے کی آواز بھی پڑ رہی تھی۔ شاید ارمینہ کی یا شاید ثمینہ کی... وہ فرق نہیں کر پا رہا تھا۔

بھائی ارمینہ کتنی پیاری ہے ناں...

جی میں فش گرل کر رہی تھی تو میرا ہاتھ جل گیا۔

آپ کو بائیو گرافیز بہت پسند ہیں ناں آپ کی سلیکشن واقعی زبردست ہے۔

ابو نہیں تو کیا ہوا... آپ تو ہیں۔

بھائی میں نے آج آپ کو خواب میں دیکھا... آپ سرفراز کے اوپر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ رہے تھے۔

اور پھر کسی کی ہنسی کی آواز... وہ اس ہنسی کی آواز کو پہچان سکتے تھے... لاکھوں میں کروڑوں میں... انابیہ کی ہنسی کی آواز...

بھائی میرے سر میں درد ہو تو میں دوا نہیں لیتی میری بیٹی کے لیے یہ نقصان دہ ہے۔ تھوڑا سا تو درد ہے۔میں برداشت کر لیتی ہوں۔

رونے کی آواز بھی بڑھ رہی تھی اور ان کے ماضی کی آوازیں بھی۔وہ وہیں زمین میں دھنستے چلے گئے تھے۔اس کی بہن کو کتنی تکلیف برداشت کرنی پڑی ہو گی اور وہ برداشت کرتے ہوئے ایک وقت پر ہمت ہار بیٹھی تھی۔ہسپتال کی راہداری میں احمد کا دم گھٹنے لگا تھا۔گردن گھما کر اس نے ثمینہ کی گود میں روتی بلکتی ہوئی ارمینہ کو دیکھا اور غصے کی ایک شدید لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی۔

چپ کرواؤ ثمینہ چونک کر احمد کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں احمد آپ؟ معصوم بچی ہے۔ احمد خاموش ہو گیا تھا۔

وہ اس پر ایک نظر بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔باہر آکر اس نے ہسپتال کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔دکھ اور غم کی انتہا کو وہ آج پہنچا تھا۔آنسو تھمنا مشکل تھا یا شاید یہ آنسو بھی کبھی نہ تھمنے والے تھے۔

ہسپتال کی سیڑھیاں چڑھتا سرفراز اسے نہیں دکھا تھامگر سرفراز نے اسے دیکھ لیا تھا۔

احمد۔ سرفراز نے قریب آکر اسے پکارا تو اس نے چہرہ اٹھایا جو آنسوؤں سے تر تھا۔سرفراز کی روح اندر تک کانپ گئی تھی۔

انابیہ ٹھیک ہے ناں؟ وہ خوف کے عالم میں کہہ رہا تھا۔اس کے اردگرد صرف اندیشے تھے۔

بولو وہ کیسی ہے؟ اس نے پھر پوچھا مگر احمد نے اٹھ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا۔

اس کو موت کی چوکھٹ پر لا پھینکنے کے بعد... تم مجھ سے پوچھ رہے ہو وہ کیسی ہے۔سننا ہے تمہیں تو سن لو... مر گئی ہے وہ سرفراز... تمہاری بیپروائی کی وجہ سے مر گئی ہے وہ... اس کا گریبان پکڑے احمد چیخ رہا تھا جب کہ سرفراز کے ہاتھوں سے دواؤں کا وہ تھیلا چھوٹ کر زمین پر گر گیا جو منگوائی گئی تھیں۔

وہ بالکل بے سدھ تھا... جب کہ آنسو نہ ایک بھی سسکی نہ ایک بھی آہ... اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔احمد کے تھپڑ اور الزامات کا بھی اس پر اثر نہیں ہوا۔ وہ مر گئی ہے۔ بس یہ ایک جملہ اس کے کانوں سے بار بار ٹکرا کر واپس پلٹ رہا تھا... بار بار...

وہ مر نہیں سکتی ... وہ مر نہیں سکتی۔ وہ زیرِلب دُہرا رہا تھا۔

ہاں وہ مر گئی ہے سرفراز تمہاری وجہ سے مر گئی وہ... تم نے صرف اپنی بیٹی سے محبت کی ہے ناں... اولاد کے آگے تم ہمیشہ بھول جایا کرتے تھے کہ وہ تمہاری بیوی ہے تمہاری ذمہ داری... تم نے ہمیشہ اسے اگنور کیا وہ معصوم تھی سرفراز... بہت معصوم... ساری زندگی تم جیسے ناقدرے شخص کے پیچھے خوار ہوتی رہی اور میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں نے تم پر بھروسہ کیا... تم کبھی اس کے لائق نہیں تھے سرفراز تم کبھی اسے ڈیزرو نہیں کرتے تھے۔اب تم گزارو زندگی اپنی بیٹی کے ساتھ جس کے لیے تم نے اپنے اردگرد کے انسانوں کو کم تر جانا... اللہ تمہیں اس کی سزا ضرور دے گا۔تمہاری اس بیپروائی کی جس نے میری بہن کی جان لی... میں آج کے بعد تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا سرفراز میں آج کے بعد تم سے اور تمہاری بیٹی سے عمر بھر نفرت کروں گا۔آج کے بعد سرفراز محمود اور ارمینہ محمود میری زندگی کا سب سے سیاہ باب ہوں گے سرفراز... سب سے سیاہ باب۔

کہہ کر وہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اور سرفراز گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا تھا۔اس نے احمد کا کہا ایک ایک لفظ سنا تھا مگر وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ مر کیسے سکتی تھی وہ نہیں مر سکتی ابھی آدھے گھنٹے پہلے میرے ساتھ آئی تھی... بالکل ٹھیک تھی... آسمانی رنگ کتنا کھلتا ہے اس پر وہ آج کتنی حسین لگ رہی تھی۔ کتنی خوش تھی۔اس نے میری کامیابی پر سارے خاندان کو جمع کر لیا تھا۔ابھی صبح ہی تو اس نے اپنے ہاتھ میں پہنی وہ انگوٹھی دکھائی تھی۔وہ تیار ہو رہی تھی تو میں اسے دیکھ رہا تھا پھر وہ تتلی کی طرح ساری تقریب کے دوران یہاں وہاں پھر رہی تھی، کبھی اپنے بال سنبھالتے کبھی ہنستے کبھی خوشی کے مارے روتے ہوئے پھر میں نے اسے ڈانٹا تھا... کیونکہ ارمینہ کو چوٹ لگی تھی... وہ اس سے آگے نہیں سوچ پایا۔ اس نے یہاں پہنچنے پر ارمینہ کو اس کی گود سے کیوں لے لیا تھااور اندر آگیا تھا۔ حالاں کہ اسے ٹرک کے ہارن کی آواز بھی آئی تھی مگر اس نے دھیان نہیں دیا وہ اتنی جلدی میں اندر بھاگا تھا کہ اس نے رک کر انابیہ کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ نتیجتاً وہ ٹرک سے روندتا ہوا گزر گیا تھا۔

احمد یہ میرا قصور تھا۔کاش میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیتا، کاش گاڑی سڑک کے اِس پار نہیں بلکہ اُس پار لگا دیتا تو وہ نہ ہوتا جو ہوا... کاش... کاش اس بار وہ آواز کے ساتھ بول رہا تھا۔مگر اس کے آنسو اب بھی نہیں بہ رہے تھے۔آنسو غم اور خوشی میں تو آتے ہیں مگر اسے نہ خوشی تھی نہ غم اسے شاک تھا، بے یقینی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھی۔وہ یہ بات ماننے سے قاصر تھا کہ وہ اب نہیں تھی۔کسی ایک انسان کا جانا کتنا تکلیف دہ ہو سکتا ہے... کسی ایک انسان کے جانے سے کس طرح انسان بھیڑ میں تنہا ہو سکتا ہے کس طرح کسی کے جانے سے سر کے اوپر سے آسمان اور پیروں کے نیچے سے زمین کھسک جاتی ہے... اسے لگا وہ کسی بیابان کسی صحرا میں کھڑا تھا۔ بالکل تنہا... انابیہ اس نے بس ایک بار بہت دھیرے سے زیرلب اس کا نام پکارا... پھر وہ رو رہا تھا... اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہچکیوں کے ساتھ۔

ادراک... احساس... اقرار کبھی کبھی کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے یہ اس نے آج جانا تھا۔ کاش کوئی اسے کچھ بتاتا ہی نہ کاش وہ یونہی بے خبر رہتا... کاش وہ احمد سے کچھ بھی پوچھے بنا کہیں بہت دور چلا جاتا انابیہ سے بھی بہت دور چلا جاتا مگر کم از کم اسے یہ تو امید ہوتی کہ وہ زندہ بھی ہو سکتی ہے۔اس نے اس پل اللہ سے ڈھیروں شکوے کیے تھے اور ان میں ایک شکوہ اپنے ہونے کا کیا تھا۔اگر وہ نہیں تھی تو وہ خود بھی کیوں تھا؟

اسے معلوم نہیں وہ کتنی دیر وہاں بیٹھا روتا رہا تھا۔پھر کسی جاننے والے نے اسے کندھے سے اٹھایا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح بغیر ایک بھی لفظ کہے چل دیا تھا۔وہ گھر تک آیا تو اسے وہ گھر جو ہمیشہ جنت لگتا تھا آج جہنم لگ رہا تھا... ایک ایسی جہنم

جس کی آگ میں اب اسے ساری عمر جلنا تھا... قطرہ قطرہ پگھلنا تھا۔اذیت کے احساس کے ساتھ... قصور وار ہونے کے احساس کے ساتھ... اس وقت اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر... اس نے اپنی قسمت کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا۔

☆...☆...☆

اس نے ان پیسوں کو واپس اسی پیکٹ میں ڈال کر اس لفافے کو فولڈ کر کے الماری میں رکھ دیا تھا۔وہ ارمش کے آتے ہی وہ پیسے اس کے حوالے کر دے گی، یہ سوچتے ہوئے وہ ایئرپورٹ جانے کی تیاری کرنے لگی اور جاوید بھائی کے ساتھ ایئرپورٹ چلی گئی۔کام زیادہ نہیں تھا اس لیے وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی کتاب پڑھنے لگی۔جو اس نے پاپا کی اسٹڈی سے نکال کر بیگ میں ڈالی تھی۔کتاب کے صفحے میں سے ایک تصویر گری جسے وہ فوراً پہچان گئی، وہ اس کی امی کی تصویر تھی۔ہو بہ ہو اس کے جیسے نقوش بالوں کا رنگ سب ایک سا تھا۔بس آنکھوں کا رنگ مختلف تھا۔جو شاید واحد شے تھی جو انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتی تھی اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

پاپا امی کو بہت یاد کرتے ہیں... میں جانتی ہوں۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔اس نے اپنی امی کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارا تھا اور جو گزارا تھا وہ بھی اسے کچھ

خاص یاد نہیں تھا مگر پھر بھی وہ اپنی امی سے محبت کرتی تھی... ہر بیٹی ہر اولاد کی طرح اس نے تصویر واپس رکھی اور وہ کتاب پڑھنے لگی جب اس کا فون بجا ارمش کا نام اسکرین پر چمک رہا تھا... گھنٹی بجتی رہی پھر اس نے اکتا کر فون اٹھا لیا۔

ہیلو

مصروف ہو؟ ہیلو کا جواب دیئے بغیر اور کسی سلام دعا کے بغیر ارمش کے سوال کیا۔

ہاں۔

کیا کر رہی ہو؟

کتاب پڑھ رہی ہوں۔

کتاب انسان فارغ وقت میں پڑھتا ہے۔

تمہیں کوئی کام ہے؟ اسے ارمش کی باتوں سے کوفت سی ہو رہی تھی مگر اس نے فون بند نہیں کیا... اس سے فون بند نہیں کیا گیا۔

ہاں... انکل کیسے ہیں؟

یہ تم انہیں کال کر کے پوچھ لیتے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ سو گئے ہوں گے اب تک... ہر کوئی تمہاری طرح رات کو جاگ کر دن میں نہیں سوتا۔

میں کام کرتی ہوں۔

ہاں جانتا ہوں... ویسے وہ ہیں کیسے؟ ارمش نے سوال دہرایا تھا۔

ٹھیک ہیں... شکر ہے اللہ کا۔

اور تم؟ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

ارمینہ؟ خاموشی اتنی طویل ہو گئی تھی کہ اسے اس کا نام پکارنا پڑا تھا۔

ہاں... میں بھی ٹھیک ہوں۔

اچھا... بہتر تم کتاب پڑھو خدا حافظ۔

تمہیں بس یہ پوچھنا تھا؟

ہاں... اور یہاں سے زیادہ لمبی کال نہیں کر سکتے بہت پیسے لگتے ہیں۔ وہ بے ساختہ اس کی بات پر ہنس دی تھی... اس کے الٹے جواب شروع ہو گئے تھے۔

خدا حافظ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا تھا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

صبح وہ گھر پہنچی تو ہمیشہ کی طرح پاپا اس کا ناشتے پر انتظار کر رہے تھے انہیں سلام کرتی وہ فریش ہونے اوپر آگئی فریش ہو کر نیچے آئی تو ناشتہ ٹیبل پر تیار تھا۔

ارے واہ پراٹھے!

ہاں فرید کی بیوی حلیمہ نے بنا کر بھیجے ہیں ہمارے لیے۔

فرید بابا بہت بھوک لگ رہی تھی اور پراٹھے دیکھ کر تو دل خوش ہو گیا میری طرف سے حلیمہ بی کا شکریہ ادا کر دیجئے گا۔

اس کی بھوک واقعی چمک گئی تھی۔

شکریہ کی کیا بات ہے بی بی جی؟ فرید بابا عاجزی سے بولے وہ سب ناشتہ کرنے لگے۔

ارمینہ ہمارے ایک کمپنی سے پیسے آنے تھے وہ اٹکے ہوئے تھے یاد ہے؟ پاپا نے اپنا کھانا ختم کر کے پوچھا تو کھانا کھاتی ارمینہ کے ہاتھ رک گئے۔

جی یاد ہے۔

وہ آگئے ہیں آج صبح... انہوں نے ساری رقم ہمیں ادا کر دی ہے۔ اطمینان تھا، خوشی تھی یا شکر گزاری مگر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔کچھ لمحات آپ کو احساسِ تشکر میں اس قدر ڈبو دیتے ہیں کہ پھر اس سے ابھرنے کے لیے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ کو آنسوؤں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔وہ بھی رونے لگی تھی یہ سوچے بغیر کہ پاپا کیا سوچیں گے... منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے یا اللہ تیرا شکر۔ تین بار دہرایا۔

کیا ہوا؟ رونے کیوں لگیں؟ وہ پریشان نہیں حیران ہوئے تھے۔

کچھ نہیں بہت عرصے سے پیسے وہاں اٹکے تھے ناں خوشی کے مارے۔

اُف ارمینہ ! تمہیں تو رونے کے بہانے چاہئیں بس۔ وہ جیسے اس کی حیات کی وجہ تھی... اس کے ہونے کا سبب تھا... پھر اس نے پورا پراٹھا ختم کر لیا۔آج اس نے دل بھر کے کھانا کھایا تھا اب اسے کوئی پریشانی نہیں تھی وہ ارمش کے پیسے لوٹا سکتی تھی، پاپا کی سرجری کروا سکتی تھی۔وہ حلال کی کمائی سے پاپا کی سرجری کروا رہی تھی... اسے بے حد سکون ملا تھا۔

☆...☆...☆

وہ اپنے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔اس نے ابھی ابھی اسد سے فون پر بات کر کے فون رکھا تھا اور گاڑی چلانی شروع کی تھی جب اس کا فون دوبارہ بج اٹھا۔

ہیلو۔ اس نے فون اٹھا کر کہا... دوسری طرف کوئی بھاری مردانہ آواز تھی۔

جی کرمانی صاحب کیا ہوا؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جی مسٹر ابراہیم... ہم نے ان کی پیمنٹ ادا کر دی ہے جیسا آپ نے کہا تھا... اب کیا ہم آپ کی کمپنی سے کچھ تعاون کی امید رکھیں؟ ارمش کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

جی بالکل... ہم اگلا آرڈر آپ ہی کو دیں گے... آپ بالکل فکر نہ کریں۔شکریہ۔ اس نے فون واپس رکھ دیا۔

اسے اس معاملے پر پہلے ہی شک تھا پھر اس نے سرفراز صاحب کے ڈاکٹر سے سرجری کی تمام تفصیلات اور اخراجات کی تفصیل لے لی تھی۔بینک وہ ہیری ہوم کے کسی کام سے گیا تھا جہاں اس نے ارمینہ کو دیکھ لیا تھا اور وہ معاملہ سمجھ گیا پھر بھی اس نے سب کچھ کنفرم کرنا چاہا تھا۔اس نے ایک فون کیا اور کچھ دیر میں اس کے موبائل پر میسج آ گیا تھا کہ ارمینہ وہاں کیوں گئی تھی۔وہ ستر ہزار کی اس ایپلیکیشن کے بارے میں جان گیا تھا تو اس نے کوریئر کے ذریعے ستر ہزار بھجوا دیئے تھے۔مگر اسے یہ بھی یقین تھا کہ ارمینہ پیسے نہیں لے گی تو اس نے کرمانی صاحب سے بات کی اور انہیں ایک آرڈر کا لالچ دے کر انہیں پیسے ادا کر دینے کا کہہ دیا۔وہ جانتا تھا کہ سرفراز انکل کی فیکٹری کو ادا کی جانے والی رقم پچھلے ایک سال سے کرمانی صاحب نے روک رکھی تھی جس کا ذکر ایک بار خود سرفراز صاحب

نے ہی ارمش سے کیا تھا۔اسے وہی گفتگو یاد آگئی اور اس نے ایک کوشش کر ڈالی تھی۔تیر نشانے پر لگا تھا۔

اس کے لیے ارمینہ کی جانب سے دی جانے والی رقم کے بارے میں بھی پتا کروانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ وہ کسی کاٹیج انڈسٹری کے مالک نے نہیں دی تھی بلکہ وہ ارمینہ کے خود کے پیسے تھے۔مگر اب ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔اسے انکل کی سرجری کا انتظار تھا۔اپنے فلیٹ پر آکر وہ سو گیا تھا۔

☆...☆...☆

وہ ہیری ہوم آئی تو بہت پرسکون تھی۔

کیا بات ہے؟ آج چڑیاں بڑی چہچہا رہی ہیں۔ عمر نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔تو وہ ہنس دی

۔ چڑیوں سے پوچھو وہ کیوں کھکھلا رہی ہیں آج؟

تو بتاؤ کیوں کھکھلا رہی ہیں؟

کیوں کہ چڑیوں کی ٹینشن دور ہو گئی ہے... اچھا یہ بتاؤ پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟

اچھی! مگر مجھے ٹینشن بھی ہو رہی ہے... عمر یک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

گھبراؤ مت عمر تم کر لو گے مجھے پتا ہے۔ اسکی بات سُن کر وہ مسکرا پڑا۔

ارمینہ حارث کی انگلی دروازے میں دب گئی ہے۔ ایک بچے نے آکر اسے بتایا تو وہ پریشان ہو گئی۔

کیسے دب گئی؟ چلو میرے ساتھ۔ وہ بھاگتی ہوئی حارث کے پاس پہنچی تھی عمر بھی اس کے پیچھے تھا جب وہ پہنچی تو حارث بیٹھا اپنی انگلی پکڑے رو رہا تھا۔

کیا ہوا حارث...؟ دکھاؤ مجھے۔ وہ نرمی سے حارث کی چوٹ دیکھنے لگی تھی۔

اس دروازے کا یہی مسئلہ ہے... خود بہ خود بند ہو جاتا ہے۔ارمش بھائی آجاتے تھے تو روز پہلے اس دروازے کو پیچھے والی دیوار اور گرل میں باندھ دیتے تھے تاکہ دروازہ بار بار بند نہ ہو ہوا کے زور سے اور کسی کا ہاتھ نہ آجائے۔ عمر اب دروازے کو باندھتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔وہ ایک پل کو افسردہ ہو گئی تھی۔اس کی کمی اسے پتا چلنے لگی تھی۔

اچھا آؤ ڈسپنسری آجاؤ میں تمہیں کریم لگا دوں۔ وہ حارث کو لیے ڈسپنسری آگئی تھی۔وہ اب بھی اسی طرح رو رہا تھا۔ بلاشبہ حارث ہیری ہوم کا سب سے شرارتی بچہ تھا اور ارمینہ کو اس کی شرارتیں بہت پسند تھیں۔ارمینہ کو اس پر پیار بھی بہت آتا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

چلو حارث چپ ہو جاؤ اب... ٹھیک ہو جائے گا یہ۔ ارمینہ نے ایک ہاتھ سے اس کے آنسو پوچھتے ہوئے اس سے کہا۔

ارمش بھائی ہوتے تو لگتی ہی نہیں یہ چوٹ۔ ہچکیوں کے دوران حارث نے کہا تھا۔ ارمینہ کا دل عجیب طرح سے دکھا تھا۔اس کا دل چاہا وہ بھی حارث کے ساتھ بیٹھ کر روئے۔وہ عجیب انسان تھا اس کے اردگرد سب ہی لوگوں کو اس کی عادت سی پڑ جاتی تھی۔خاموش رہ کر بھی وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا کرتا تھا۔

کچھ ہی دنوں میں وہ آجائے گا... پھر کسی کو چوٹ نہیں لگے گی۔ وہ دھیرے سے بولی تھی۔وہ کریم لگا چکی تو اس نے حارث کو وہیں بٹھا لیا مبادا کہ وہ باہر جا کر اپنے ہاتھ پر پھر کچھ کر لیتا۔عمر بھی وہاں آگیا تھا۔

ایک ارمش بھائی کے نہ ہونے سے کتنی کمی سی لگتی ہے ناں؟... حالاں کہ وہ صبح اور شام میں ایک ایک گھنٹے کے لیے آتے ہیں آفس جانے سے پہلے اور پھر واپسی پر... مگر پھر بھی ان کی بہت عادت ہو گئی ہے ہم سب کو۔ عمر بول رہا تھا وہ ہنوز خاموش تھی۔

ارمینہ... ارمش بھائی کتنے خاص ہیں ناں ہم سب کے لیے...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں ہونا بھی چاہیے... زندگی کو خوبصورت بنانے والا انسان خاص ہی ہوتا ہے۔ وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ عمر سے کہہ رہی تھی۔

ہاں ٹھیک کہا تم نے... پہلی بار... گھر سے آج بادام کھا کر تو نہیں آئیں ورنہ عام طور پر تو ایسا نہیں ہوتا۔ اس نے مصنوعی غصے سے عمر کو دیکھا پھر ہنس دی۔

ہاں اتفاق سے میں نے کھائے تھے آج بادام۔

بس تو پھر یہ اسی کا اثر ہے... ورنہ عقل مندی کہاں اور تم کہاں؟

عمر!!! اس نے غصے سے اسے دیکھا تو وہ جلدی سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔وہ ہنستی رہی۔اسے عمر میں ہمیشہ ارمش کی پرچھائی سی نظر آتی تھی۔وہی عاجزی وہی عام سی باتیں۔وہی عام سی عادتیں اور وہی گہری اور بلند سوچ اور وہی الٹے جو اب جو عمر کو ارمش نے بڑی مہارت سے سکھائے تھے۔اب عمر بھی اسے پریشان کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتا تھا مگر اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ الٹے سیدھے جملے اسے ہنسا دیا کرتے تھے مگر پھر بھی ارمش کی کمی کوئی پوری نہیں سکتا تھا۔ہیری ہوم کے ہر حصے میں اس کی کوئی نہ کوئی یاد تھی... ہیری ہوم اس کے بغیر سونا تھا بے معنی تھا اور بے آسرا تھا۔اس نے سر جھٹک دیا اور حارث کی آواز پر حال میں واپس آئی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمینہ میں کھیلنے جاؤں واپس؟ وہ انتہائی معصوم شکل بنا کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

پھر چوٹ لگے گی حارث۔

نہیں اب نہیں لگے گی وعدہ۔ وہ ہنس دی تھی۔

اچھا جاؤ مگر خیال سے کھیلنا۔ حارث کا چہرہ کھل اٹھا تھا اور وہ فوراً باہر کی جانب بھاگ گیا تھا۔وہ خود بھی ہیری ہوم زیادہ دیر نہیں رکی تھی۔عمر کو اطلاع دے کر وہ گھر آگئی تھی۔

☆...☆...☆

وہ دونوں صوفے پر بیٹھے ٹی وی پر آنے والی کوئی دستاویزی فلم دیکھ رہے تھے۔

جب ارمینہ نے ان سے پوچھا۔

پاپا! امی کے گھر والے کہاں ہیں؟ وہ ہر بار کی طرح آج بھی حیران ہوئے تھے۔

ارمینہ نے ان سے یہ سوالات پہلے بھی کیے تھے مگر ہر بار کی طرح کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر وہ سوال دہرانے لگتی تھی۔

بتا تو چکا ہوں تمہیں اس کے والدین کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا، جب انابیہ بہت چھوٹی تھی۔

اور ان کے بھائی بہن؟ سرفراز کی دھڑکن یکدم تیز ہو گئی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بہن نہیں تھی اس کی کوئی۔بھائی ہے وہ مجھے معلوم نہیں کہ کہاں ہے، بہت عرصہ ہوا اب ان لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں رہا کوئی تعلق نہیں رہا۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولے تھے۔یہ بات بھی وہ ارمینہ کو بتا چکے تھے۔مگر وہ بار بار وہی سوال دہرایا کرتی تھی۔

کیوں تعلق نہیں رہا پاپا؟ اور ان کا کوئی نمبر کوئی ایڈریس کچھ تو ہو گا جس سے ان تک پہنچا جائے میں کتنی دفعہ آپ سے جاننے کی کوشش کر چکی ہوں مگر آپ ہمیشہ ٹال دیتے ہیں۔

ایسی بات تو نہیں بس مجھے پتا نہیں وہ لوگ کہاں ہیں بیٹا۔

میں ڈھونڈوں انہیں؟ اس کا سوال بہت سی اذیت، بہت سے زخموں کو ہرا گیا تھا... ڈھونڈنا... کوئی مشکل نہیں تھا وہ احمد کو دنیا کے کسی بھی کونے سے ڈھونڈ کر نکال سکتا تھا مگر مل کر کیا ہوتا... جو ہوتا وہ سوچ کر اسے ہمیشہ خوف محسوس ہوتا تھا۔زندگی انہیں کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔ایک وقت پہ وہ ایک دوسرے سے ملنے کو ترستے تھے اور جب ملتے تو کچھ اس ادا سے ملتے تھے کہ دیکھنے والے بھی رشک کرتے تھے... اور آج... زندگی کے آخری پڑاؤ پر وہ ایک دوسرے کے ذکر سے بھی کترا رہے تھے... وقت کا پہیہ پیچھے گیا تھا یا آگے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بولیں ناں پاپا؟

سو جاؤ ارمینہ رات ہو گئی ہے اب، صبح جلدی نکلنا ہے۔تم نے کتنے دن کی چھٹی لی ہے؟

فی الحال دو دن کی۔ بات بدل گئی تھی یہ وہ دونوں جانتے تھے مگر ارمینہ نے آگے سوال نہیں کیا تھا۔اس نے انہیں صوفے سے اٹھ کر ویل چیئر پر بیٹھنے میں مدد دی پھر وہ انہیں ان کے کمرے میں لے آئی اور انہیں بیڈ پر لٹا دیا۔

بہت جلد اس ویل چیئر سے آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔انشاء اللہ

۔ وہ مسکراتی ہوئی بول رہی تھی۔

پاپا وہ... ہسپتال میں بقیہ رقم دینی ہے سرجری کی... ستر ہزار کم ہیں اس میں، کیا میں فیکٹری والے اکاؤنٹ سے نکلوا لوں؟

ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھا تھا۔اسے خوف تھا پاپا اسے پہلے نہ بتانے پر ڈانٹیں گے۔

مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے کہ کم ہیں پیسے... میں پہلے ہی کچھ کر لیتا۔ وہ واقعی سنجیدہ تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کیا کرتے...؟ لون لیتے؟ پاپا میں چاہتی تھی آپ کی سرجری ہماری محنت کی کمائی سے ہو تاکہ اس میں خیر بھی ہو اور سب ٹھیک سے ہو... دیکھیں ہم نے تھوڑا سا صبر کیا تھوڑا سا حوصلہ رکھا اور اللہ نے کام بنا دیا ہمارا۔

وہ اس کی دلیل پر خفا ہوئے مگر مسکرا دیئے۔

پھر بھی بتانا چاہیے تھا۔

آپ پریشان ہو جاتے ناں۔

اس لیے اتنے دن تم پریشان رہیں۔ وہ گھٹنوں کے بل ان کے بیڈ کے پاس بیٹھ گئی

۔ چلتا ہے آپ نے بھی تو کتنی ہزاروں پریشانیاں اٹھائی ہوں گی میری وجہ سے۔

وہ خاموش ہی رہے تھے۔

سو جائیں پاپا اب... شب بہ خیر! خداحافظ۔ وہ لائٹ بند کر کے کمرے سے چلی گئی تھی اور وہ سوچ میں پڑ گئے تھے کہ ان کی بیٹی کتنی سمجھ دار تھی۔ان کے آنگن میں کھلا ہوا وہ واحد پھول جس کی خوشبو اس سرخ لہو کی بو کو مٹانے کے لیے کافی تھی۔ان کو آنکھ کے کنارے سے ایک آنسو بہ گیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

انابیہ تم ٹھیک کہتی تھیں،ارمینہ بالکل تمہارے جیسی ہے، تم ٹھیک کہتی تھیں... اور شکر ہے کہ وہ تمہارے جیسی ہے میرے جیسی ہوتی تو شاید... وہ آگے نہیں سوچ سکے تھے۔

☆...☆...☆

وہ ابھی ابھی گھر پہنچا تھا۔اس کی واپسی ایک دن بعد متوقع تھی مگر وہ سرفراز صاحب کی سرجری کی وجہ سے جلدی آگیا تھا۔فریش ہو کر وہ نیچے آگیا۔بابا پر اس کی نظر اب پڑی تھی کیوں کہ وہ جب آیا تھا تب وہ گھر پر موجود نہیں تھے۔

السلام علیکم بابا۔

وعلیکم السلام ایک دن پہلے آ گئے تم ارمش؟

جی وہ... اس نے جملہ پورا نہیں کیا تھا جب امی نے اسے پکارا تھا۔

اگر آپ لوگ کھانا کھا رہے ہیں تو لگوا دوں؟

مجھے تو ابھی بھوک نہیں ہے... ارمش کو دے دیں۔

نہیں پھر میں آپ کے ساتھ کھا لوں گا بابا۔ انہوں نے غور سے ارمش کو دیکھا۔ ایسا کریں لگوا لیں... کھا لیتے ہیں سب۔ ارمش کو لگا جیسے بابا جان گئے تھے کہ وہ بہت زیادہ بھوکا تھا۔وہ لوگ کھانا کھانے لگے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

امی میں آپ کیلئے دوسرا فُٹ مساجر لے آیا ہوں پرانا والا خراب ہو گیا تھا۔ وہ مسکرا دیں۔ اور بابا آئن سٹائن پر لکھی گئی ایک نئی کتاب آئی ہے وہ میں اسی بک اسٹور سے لے آیا ہوں جہاں سے آپ کتابیں لیتے ہیں۔

اچھا کیا۔ جتنی بھی اسٹڈی میں ہیں میں پڑھ چکا ہوں... تم جلدی کیسے آگئے؟ انہوں نے سوال دُہرایا۔

بابا اسد کل آئے گا میں جلدی آگیا۔اصل میں ارمینہ کے پاپا کی سرجری ہے آج۔

ان کے ہاتھ سرد ہو گئے تھے، ثمینہ نے بھی رک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

کیسی سرجری؟ احمد نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

ریڑھ کی ہڈی سے متعلق ہے... شروع بھی ہو گئی ہو گی اب تو۔

کیا ہوا ہے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو؟ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

کیا ہوا یہ تو مجھے نہیں پتا مگر ارمینہ کہہ رہی تھی کہ سرجری کے بعد وہ ویل چیئر کہ بہ جائے بے ساکھیوں کے سہارے سے چل سکیں گے... اگر اللہ نے چاہا تو۔ احمد کی سانسیں اوپر نیچے ہونے لگی تھیں۔ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

تو کیا وہ ابھی چل پھر نہیں سکتے؟ ارمش نے اس بار حیران ہو کر اپنے بابا کو دیکھا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں بابا! وہ معذور ہیں۔ویل چیئر پر رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر پلیٹ میں گر گیا تھا۔انہوں نے پانی کا گلاس ٹیبل پر سے اٹھایا اور غٹاغٹ پی گئے۔ صرف ثمینہ نے ان کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو محسوس کیا تھا۔

کب سے معذور ہیں وہ؟ اب کی بار ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔

کافی سالوں سے... ان کی ایک سرجری پہلے بھی ہو چکی ہے یہ دوسری ہے۔ وہ بول رہا تھا اور انہیں لگ رہا تھا ان کا سانس رک جائے گا۔

بابا وہ بھی فوجی تھے پہلے، مگر اب ان کی ایک فیکٹری ہے۔بہت اچھے انسان ہیں، وہ بہت سی باتیں بتائی ہیں انہوں نے مجھے بہت دفعہ میری مدد کی ہے... مقروض ہوں میں ان کا۔

نام کیا ہے ان کا؟ وہ نام جانتے تھے مگر پھر بھی سننا چاہتے تھے۔وہ نام جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتے تھے۔

میں تو انہیں انکل کہتا ہوں... مگر شاید محمود نام ہے ان کا۔ انہوں نے کھانا یونہی چھوڑ دیا تھا۔ارمش کو حیرت ہوئی وہ کبھی اپنی پلیٹ میں کھانا بچا ہوا نہیں چھوڑتے تھے۔اور یہی عادت ارمش کی بھی تھی۔مگر آج پہلی بار وہ اپنی پلیٹ میں کھانا چھوڑ کر اٹھ گئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ نے کھایا نہیں بابا؟

بس پیٹ بھر گیا۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی جانب جا رہے تھے۔ ارمش حیرت سے انہیں جاتا دیکھتا رہا، اس کا دماغ بس یہی سوچ رہا تھا کہ ایسی کیا بات تھی کہ ارمینہ کے حوالے سے کسی کے بھی ذکر پر ان کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے تھے... اس نے کھانا ختم کیا اور ہسپتال جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆...☆...☆

وہ آپریشن تھیٹر کے باہر بینچ پر بیٹھی صرف دعائیں کر رہی تھی۔اندر بہت سے قابل سرجنز اس کے پاپا کی سرجری میں مصروف تھے۔اکیلاپن اسے کبھی نہیں ڈرایا کرتا تھا، مگر آج اسے اکیلے پن سے خوف آرہا تھا، وہ باہر ہی بینچ پر بالکل تنہا تھی۔ آپریشن شروع ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا۔اس کے پاپا اس کا واحد رشتہ تھے۔ اس کا سب کچھ تھے۔

پچھلے دو گھنٹے سے لٹکے ہوئے اپنے پیروں کو اس نے اب چیئر پر ہی سمیٹ لیا تھا۔دوپٹہ چہرے کو لپیٹے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھوں میں تسبیح تھی جس پر وہ مسلسل سلامتی کی تسبیح پڑھ رہی تھی۔اس نے راہداری کے دوسرے کونے سے ارمش کو آتے دیکھا تو اس کے رونے میں شدت آگئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

السلام علیکم! سب خیریت ہے ناں؟ وہ اس کے برابر کرسی پر آکر بیٹھ گیا تھا۔

پتا نہیں ارمش مجھے نہیں معلوم۔ وہ اب باقاعدہ رونے لگی تھی۔

رو مت یار بہادر بنو... دیکھنا ان شاء اللہ وہ خیریت سے باہر آجائیں گے۔ ارمینہ نے گردن ہلائی اور ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

تم تو کل آرہے تھے؟

ہاں پھر میں نے سوچا تم مجھے گالیاں دو گی کہ ایسے وقت میں میرے پاپا کو اکیلا چھوڑ دیا تو میں آگیا۔

شکریہ وہ ہلکی سی مسکان کے ساتھ وہ بولی۔

یہ اتنی courstesy فون پر تو نہیں تھی۔ وہ اب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اوٹی کے (آپریشن تھیٹر) دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

ہاں تو جہاں تم courtesy ڈیزرو کرتے ہو وہاں دیتی ہوں جہاں تم صلواتیں ڈیزرو کرتے ہو وہاں صلواتیں ہی ملیں گی... اور ملنی بھی چاہئیں۔ وہ بھی اپنی نظریں اوٹی کے دروازے پر جما کر بولی تھی۔

اچھا! مجھے لگا تمہیں فون پر غصہ کرنے کی بھی کوئی بیماری ہے۔

اس کے علاوہ اور کیا بیماری ہے مجھے۔ اس نے گردن گھما کر ارمش کو دیکھا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لوگوں کے خلوص کو رد کر کے اپنی انا کو جتانے کی۔

اسے خود داری کہتے ہیں۔ ارمینہ نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

کہاں سے ارینج کیے تم نے پیسے؟ ارمش کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

پاپا کی فیکٹری کی پے منٹ آگئی تھی... میں نے تم سے کہا تھا میں انتظام کر لوں گی۔ اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا تھا۔

اچھا چلو مان لیا تم کچھ بھی کر سکتی ہو۔ مسکراہٹ دبائے وہ بولا تھا۔ارمش کو خوشی تھی کہ وہ مطمئن تھی۔

کچھ کھایا تو نہیں ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر پوچھا۔وہ دونوں اب بھی اسی دروازے کو دیکھ رہے تھے۔

نہیں! اور کھانا بھی نہیں ہے۔

پر میں تو کھاؤں گا... میں کچھ لے کر آتا ہوں۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اس نے اب اپنی نظریں دروازے سے ہٹا لی تھیں۔

ارمش سنو ایک کام کر دو گے؟

ایک ہی بولنا... زیادہ مت بولنا، بھوکا ہوں میں۔

باہر جاوید بھائی ہوں گے۔کب سے بیٹھے ہیں گاڑی میں ایسا کرو انہیں کچھ کھانے کو لے کر دے دو اور پینے کو بھی۔خود سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ ارمش کو خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔ایسی لڑکی کسی کو ناپسند کیسے ہو سکتی تھی۔اسے بابا کے خیال پر افسوس ہوا تھا۔

یہ لوپیسے۔تم جاوید بھائی کے لیے لنچ لو گے نا۔ ارمینہ نے اتنے میں بیگ سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

کچھ زیادہ بڑی رقم نہیں ہو گی تم رکھو انہیں۔ یہ کہہ کر وہ راہداری کے اسی کونے میں غائب ہو گیا۔ارمینہ نے ایک گہری سانس لی ا ور پھر سے تسبیح پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا۔

یہ لو... ہسپتال کی کینٹین والے انکل نے بھجوایا ہے تمہارے لیے۔ وہ برابر والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

کینٹین والے انکل؟ وہ ناسمجھی کے انداز میں بولی۔

ہاں میں نے ان سے کہا کچھ ایسا دیں جو انسان بھوکا نہ بھی ہو تب بھی کھا لے جیسا کہ تم... تو انہوں نے یہ دے دیا۔

وہ ارمش کا چہرہ دیکھتی کر رہ گئی۔اس میں برگر کے ساتھ ڈرنک کا کین تھا۔

جاوید بھائی کو دیا۔ خیال آنے پر اس نے پوچھا۔

دے دیا... وہ لے نہیں رہے تھے تمہاری عادت آگئی تھی ان میں بھی مگر میں نے کھلا دیا انہیں بھی۔

اور تم...؟ ارمش نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

میں... میں کینٹین سے ہی کھا کر آیا ہوں ورنہ تم میرے میں سے بھی کھانا شروع ہو جاتیں۔ وہ صبح سے شاید پہلی بار ہنسی تھی۔اس نے کھانا شروع کیا تو اسے احساس ہوا وہ واقعی بھوکی تھی مگر پریشانی میں اسے بھوک کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔بھوک کے باوجود اس نے برگر کا ایک حصہ چھوڑ دیا تھا۔

ارے پورا کھاؤ چھوڑتے نہیں ہیں کھانے کو۔

بس پیٹ بھر گیا ارمش اب دل نہیں کر رہا۔

دو نوالے ہیں ختم کر لو ہو جائے گا... شاباش۔ وہ کسی بچے کی طرح اسے ٹریٹ کر رہا تھا۔اس نے برگر ختم کر لیا اور وہ پھر تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔وہ بھی خاموشی سے ایک بار پھر دروازے پر نظریں جمائے بیٹھ گیا اور اس انسان کے بارے میں سوچنے لگا جو اندر تھا، اس دروازے کے پار، جس نے اسے بہت کچھ دیا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھا۔ایک مثبت سوچ، ہمت، حوصلہ اور ان تمام قیمتی چیزوں کیلئے وہ ان کا قرض دار تھا۔ جس انسان کے ساتھ اتنی دعائیں ہوں اس انسان کے ساتھ کیسے کچھ برا ہو سکتا ہے۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔

رات کی تاریکی پھیل رہی تھی۔تقریباً چار پانچ گھنٹے گزرنے کے بعد اوٹی کا دروازہ کھلا تو وہ دونوں اٹھ کر ڈاکٹر کی طرف لپکے تھے۔

آپریشن تو کامیاب رہا ہے مگر نتائج کا اندازہ ان کے ہوش میں آنے کے بعد ہی لگا سکتے ہیں، ان کا رسپانس چیک کرنا ہو گا جو ان کے ہوش میں آنے کے بعد کیا جا سکتا ہے۔

انہیں ہوش کب آئے گا؟ ارمینہ بے تاب تھی۔

آٹھ گھنٹے کے اندر اندر انہیں ہوش آجانا چاہیے، آگے اللہ مالک ہے۔ تفصیلات بتا کر ڈاکٹر چلے گئے تو ارمینہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔

ایک سیڑھی چڑھ گئے ہیں اگلی بھی چڑھ جائیں گے۔ ارمینہ ارمش کے جملے پر مسکرائی۔

ارمش تم یہیں رہنا میں نماز پڑھ کر آتی ہوں کچھ بھی ہو مجھے بتا دینا۔سن رہے ہو؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ٹھیک ہے۔ وہ چلی گئی تھی۔اسے پہلی سیڑھی چڑھنے کے شکرانے ادا کرنے تھے۔

☆...☆...☆

وہ اپنے کمرے میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گہری سوچ میں بیٹھے تھے۔وہ معذور کیسے ہو سکتا تھا؟ انہوں نے جب اسے آخری بار دیکھا تھا تووہ بالکل ٹھیک تھا۔پھر ایسا کیا ہوا کہ وہ معذور ہو گیا... وہ بے چینی سے سوچ رہے تھے۔ کہیں کوئی کڑی نہیں مل رہی تھی۔

☆...☆...☆

انہیں وہاں بیٹھے مزید کچھ گھنٹے گزر گئے تھے۔اب بارہ بجنے والے تھے اور ارمینہ سے صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا

ارمش پاپا کو ہوش کیوں نہیں آ رہا ہے؟

آ جائے گا یار ذرا صبر رکھو۔

اب تم اپنے گھر جاؤ ارمش، تم پہلے ہی تھکے ہوئے ہو اور ویسے ہی اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ ارمینہ نے ارمش سے کہا۔

ہاں چلا جاؤں گا... تم تو... یہیں رہو گی۔

ہاں میں یہاں سے ہلنا بھی نہیں چاہتی۔

جانتا ہوں۔ ارمش نے ایک گہری سانس لی تھی۔

ارمینہ وہ کاٹیج انڈسٹری کے مالک کا نمبر تو دو مجھے ذرا۔ ارمینہ سٹپٹا گئی تھی۔

کیوں؟

جو ہمارے ڈونرز ہیں انہیں Permenant کرنے کیلئے ان سے مراسم تو رکھنے چاہئیں ناں۔ ارمش نے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

وہ اب بھی اسی دروازے کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا ارمینہ اس کی شکل دیکھ رہی تھی اور اس کا رنگ بھی بدلا ہوا تھا۔

میں کر لوں گی ان سے بات ارمش رہنے دو تم۔اور تم گھوم پھر کر اسی ڈونر پر آکر کیوں اٹک جاتے ہو...؟ بھول جاؤ پلیز۔

نہیں... اس ڈونر کو بھولنا خاصا مشکل ہے۔

کیوں؟ ہیرے جڑے ہیں اس میں؟ ارمش نے گردن گھمائی اور اسے غور سے دیکھتا رہا... ارمینہ نے نظریں چرا لیں۔

ارمینہ تم ہیری ہوم کے لیے جتنا بھی کرتی ہو وہ کافی سے بہت زیادہ ہے۔اب اس طرح اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنے والے کام مت کیا کرو۔ ارمش سنجیدگی سے

کہہ رہا تھا۔ارمینہ کو شرمندگی ہوئی، اس کا جھوٹ پکڑا جا چکا تھا اب وہ اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ارمش نے اپنی بات جاری رکھی۔

جس دن تم نے مجھے وہ پیسے دیئے میں نے اسی دن پتا کروا لیا تھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں... اس ملک میں زیادہ باتیں راز نہیں رہتیں... میں جانتا ہوں ہیری ہوم مشکلات سے دوچار تھا اور تمہیں پرواہ ہے، فکر ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم اپنے پیسے بنا سوچے سمجھے دے دو۔ وہ سانس لینے کو رکا تو ارمینہ بولی۔

تم بھی تو دیتے ہو۔ اس کا لہجہ کچھ مضبوط ہوا تھا۔

کیوں کہ میرے اخراجات نہیں ہیں... تم ایک پورا گھر چلاتی ہو، میرے اور تمہارے معاملات میں بہت فرق ہے۔ ارمش کا لہجہ اب بہت نرم تھا۔

مجھے اچھا لگتا ہے ہیری ہوم کے لیے یہ سب کرنا۔ وہ معصومیت سے بولی۔

تمہیں کسی نے نہیں روکا ہے کچھ بھی کرنے کو، مگر تم اپنے اردگرد کے لوگوں کے بارے میں بھی تو سوچو۔انکل، فرید بابا، جاوید بھائی یہ سب تمہاری فیملی ہیں۔تم انہیں اپنی ترجیحات میں رکھا کرو۔ اس نے نظریں اٹھا کر ارمش کو دیکھا، وہ اس کی کسی ایک بات کو بھی غلط نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سوری... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔ ارمینہ نے معصومیت سے بولا تو ارمش کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

تھوڑی دیر سو جاؤ کب سے جاگ رہی ہو، میں عمر کو بھیج دوں تمہارے پاس؟

نہیں اسے مت تنگ کرو اس کے امتحان قریب ہیں۔

تو تم اپنے رشتے داروں میں سے کسی کو کیوں نہیں بلا لیتیں؟ کوئی کزنز وغیرہ؟

وہ خاموش ہو گئی کہ اس کے کوئی کزنز تھے ہی نہیں۔کچھ سوچ کر وہ بولی:

نہیں میری فیملی میں ایسا کوئی ہے نہیں جو اس وقت آسکے ... لیکن میں ٹھیک ہوں تم جاؤ... خدا حافظ۔

اچھا... خدا حافظ۔ وہ متذبذب سا اسے دیکھتا گیا پھر جانے کیلئے اٹھ گیا۔راہداری کے کونے پر بھی اس نے پلٹ کر ارمینہ کو دیکھا تھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔پھر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ارمش کو ہاتھ ہلایا۔ارمش کا دل جانے پر راضی نہیں تھا۔مگر وہ رک بھی نہیں سکتا تھا۔ عجیب کشمکش تھی۔وہ کنفیوزڈ سا اپنی گاڑی تک آگیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے ارمینہ کو کال ملائی۔

میں نیچے گاڑی میں ہوں... کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بلا لینا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں ارمش تم گھر جاؤ... وہ جلدی جلدی بولی مگر ارمش نے اس کی بات کاٹ دی۔

میں ہوں ارمینہ... اچھا بائے۔ یہ کہہ کر ارمش نے فون کاٹ دیا۔ارمینہ کو کسی کا سہارا تھا اور اسے یہ خیال بہت دلکش لگا۔جب کوئی آپ کی فکر کرے، آپ کی ہر خواہش کو بنا کہے سمجھ لے تو دل کو راحت سی ملتی ہے... اسے بھی ایسا ہی لگا تھا۔وہ پھر تسبیح میں مگن ہو گئی تھی۔

ارمش گاڑی کی سیٹ کو تھوڑا لٹا کر ٹک گیا۔اس کا موبائل اس کی جیب میں تھا۔ اس نے گھر پر فون کیا تو فون بابا کے اٹھانے پر اسے حیرانی ہوئی کیوں کہ وہ جلدی سو جایا کرتے تھے۔

بابا میں ابھی گھر نہیں آسکوں گا۔ہسپتال کے باہر گاڑی میں ہوں... ارمینہ یہاں اکیلی ہے اسے کسی چیز کی ضرورت پڑی تو کسی کو یہاں ہونا چاہیے۔امی کو بتا دیجئے گا وہ پریشان...

ارمش اس لڑکی کے پاپا کیسے ہیں؟ بابا نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سرجری ہو گئی ہے۔لیکن ابھی انہیں ہوش نہیں آیا ہے۔ ارمش نے کچھ حیرانی سے جواب دیا۔انہیں اس کے نہ آنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اگر تھی تو اس لڑکی کے پاپا میں۔

اچھا ٹھیک ہے میں ثمینہ کو بتا دوں گا...

جی خدا حافظ۔ فون رکھ دیا گیا۔بابا آج کل بہت عجیب طرح behave کر رہے تھے، اس نے موبائل اندر رکھ کر سی ڈی پلیئر آن کر دیا۔بہت دھیمی دھیمی آواز گاڑی میں گونجنے لگی۔

☆...☆...☆

اسے اندازہ نہیں ہوا کہ اس کی آنکھ کب لگی؟ وہ صبح چار بجے تک تو جاگ رہی تھی، مگر پھر نیند آنے پر اس کی آنکھ لگ گئی، اب اٹھی تو اذانِ فجر اختتام پر تھی۔ وہ ایک بار پاپا کو دیکھ کر آئی پھر وضو کر کے نماز ادا کی اور راہداری کے اختتام پر موجود بالکونی تک آگئی۔روشنی ابھی نہیں ہوئی تھی۔وہ ہسپتال کے چوتھے فلور پر تھی۔وہاں سے ہوا کا گزر بہت تیز تھا۔اس کے بالوں اور چہرے کو چھوتی ہوئی ہوا اسے اندر تک تروتازہ کر گئی تھی۔شانوں کے گرد شال لپیٹے وہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔نیچے بڑا سا لان تھا جہاں نمازِ فجر کی جماعت کھڑی تھی۔ہسپتال کے عملے سمیت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہاں دیگر بہت سے لوگ نماز ادا کر رہے تھے۔اس نے دروازے کی طرف سے ارمش کو آتے دیکھا، وہ شاید سو گیا تھا، جبھی اسے جماعت کے لیے دیر ہو گئی تھی۔وہ آنے کے بعد خاموشی سے پیچھے کھڑا ہو کر اگلی رکعتوں میں شامل ہو گیا۔ چوتھے فلور سے اس کے نقوش واضح نہیں تھے مگر وہ اسے پہچان سکتی تھی۔

ارمش ساری رات نیچے کار میں رہا، عجیب انسان ہے۔ اس نے سوچا۔کچھ دیر بعد جماعت ختم ہوئی تو سب جانے لگے۔ارمش اور چند نمازی رہ جانے والی رکعتوں کو ادا کرنے کے بعد دیر سے باہر نکلے تھے، پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ روشنی اب پھیلنے لگی تھی اور چڑیوں کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔

ٹھنڈ تو نہیں لگی رات میں؟ وہ اچانک مڑی تو وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا، وہی کل والی جینز اور شرٹ میں ملبوس آستینیں کہنیوں تک موڑے۔

نہیں... تم گھر کیوں نہیں گئے؟ ارمینہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اب وہ ارمینہ کے برابر کھڑا کہنیاں گرل سے ٹکائے نیچے دیکھ رہا تھا۔

کیوں گھر جانے کا کس کا دل نہیں چاہتا؟

میرا۔ کبھی کبھی۔

جس کے دماغ کا فیوز اڑا ہوا ہو بس اس کا نہیں چاہتا۔

یعنی تمہارا بھی نہیں چاہتا۔ وہ سادگی سے بولا تو ارمینہ نے ہونٹ بھینچ کر اس کی طرف دیکھا پھر مسکرا دی۔

پرندے وقت کے کتنے پابند ہوتے ہیں ناں... روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اپنا سفر شروع کر دیتے ہیں اور اندھیرے سے پہلے گھر لوٹ آتے ہیں۔

ہاں کیوں کہ انہیں اپنے رزق کی تلاش ہوتی ہے۔

انسان کو بھی تو ہوتی ہے۔ اس کے جملے پر وہ تلخی سے ہنسا۔

تلاش نہیں... انسان کو ہوس ہوتی ہے اور اپنے حق سے زیادہ رزق جمع کرنا شروع کر دیتا ہے وہ۔ جس سے معاشرے میں بے ربطگی پیدا ہوتی ہے امیر امیر ہوتا چلا جاتا ہے اور غریب غریب تر... اگر ہر کوئی اپنے اپنے حصے کا رزق اور دوسروں کا حق کھانا چھوڑ دے تو شاید اس ملک میں کسی کو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں سے کام کروانے کی ضرورت نہ پڑے... انسان سیدھے راستے پر تب تک نہیں آتا جب تک ٹھوکر نہ کھا لے۔ میں نے بھی کھائی ہے۔ مگر سیدھے راستے پر اب بھی مجھے جگہ جگہ دھند نظر آتی ہے۔ وہ روانی میں بولتا رہا اور ارمینہ سنتی گئی پھر بولی۔

مگر اسے ہٹانے کوئی نہیں آتا... یہ انسان کا کام ہے جب تک وہ اس دھند کو خود صاف نہیں کرے گا اسے ان راستوں کی اور ان راستوں کی منزل کی قدر کیسے ہو گی؟ تمہیں جب دھند ملے اور آگے کچھ نظر نہ آئے تو رکا مت کرو چلتے رہا کرو کیوں کہ رکنے سے صرف وقت ضائع ہو گا مگر چلتے رہنے سے آگاہی ملے گی، پتا چلے گا کہ دھند کے اس پار کیا ہے۔ ارمینہ کہہ چکی تو اس نے گردن گھما کر ارمینہ کو دیکھا۔

اور اگر دھند میں کسی چیز سے ٹکرا کر گر گیا تو... وہ کسی بچے کی طرح پوچھ رہا تھا۔

سیدھے راستے پر چلتے ہوئے تو ہر کوئی گرتا ہے... مگر پھر کھڑا ہو جاتا ہے... یہ اس راستے کا حسن ہے۔ وہ کچھ دیر ارمینہ کو خاموش نظروں سے دیکھے گیا تھا وہ بھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

اتنی سمجھ داری والی باتیں نہ کیا کرو... تم پہ سوٹ نہیں کرتیں۔ ارمش نے شوخی سے کہا تو وہ ہنس دی تھی۔

کبھی کبھی مزاج سے مختلف بھی انسان کو کچھ کر لینا چاہیے جیسے آج تم نے کیا۔

میں نے کیا کیا؟ وہ نا سمجھی والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

رات نیچے بیٹھ کر گزار دی۔

تم نے اوپر بیٹھ کر... ایک ہی بات ہے۔

مگر میں پاپا کی وجہ سے تھی یہاں۔

تو میں بھی ان ہی کی وجہ سے تھا... یہ مت سمجھو تمہاری وجہ سے بیٹھا تھا۔ وہ روکھے سے انداز میں بولا۔ارمینہ اپنی مسکراہٹ دباتی رہی۔

ہاں بالکل... مجھے پتا ہے۔ اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

مسٹر سرفراز محمود کے ساتھ آپ ہیں؟ ایک زنانہ آواز پر وہ اچانک مڑی تھی۔

جی ہاں میں ہوں۔

انہیں ہوش آگیا ہے۔ ارمش نے نرس کے جملے پر ارمینہ کے چہرے کی چمک محسوس کی جو بہت منفرد تھی۔تمام تھکن، تمام خدشات کی جگہ اب ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔وہ اندر چلی گئی جب کہ ارمش راہداری میں ہی رہا۔

پاپا اس نے انہیں آواز دی تو انہوں نے گردن ہلا کر اسے جواب دیا۔ڈاکٹر بھی وہیں موجود تھے۔

ویسے تو تمام چیزیں امیدوں کے عین مطابق ہیں، اب جسم کی حرکت کا اندازہ ہم فزیو تھیراپی سے لگا لیں گے۔یہ ضرور بہتر ہو جائیں گے۔

انشاء اللہ۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔سرفراز محمود ہلکی غنودگی میں تھے اور ان کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔

اب آپ آرام کرنے دیں انہیں۔ ڈاکٹر نے ارمینہ سے کہا اور وہ سب باہر آگئے۔

ارمش اب بھی راہداری میں ہی تھا۔

کیسے ہیں انکل؟

ٹھیک ہیں... اللہ کا شکر۔

چلو بہتر... اب میں چلتا ہوں۔آفس جانا ہے۔

تھک گئے ہو گے ناں؟ وہ موبائل کی طرف دیکھ کر کسی کو کال ملانے میں مصروف تھا۔

نہیں تو...خدا حافظ۔ کہتا ہوا وہ چلا گیا۔

ارمینہ نے ایک نظر شیشے کے اس پار بیڈ پر لیٹے اس وجود پر ڈالی جو اس کی ساری کائنات تھا۔آنسوؤں کا ایک ریلا بہ گیا تھا۔وہ ہاتھ منہ دھونے کی غرض سے واش روم کی طرف چلی گئی۔واپس آئی تو اس نے کاریڈور میں شیشے کے سامنے کسی شخص کو کھڑے دیکھا۔روشنی کم تھی تو وہ چہرہ نہیں دیکھ پائی مگر اسے لگا وہ ارمش کے بابا تھے۔وہ حیران تھی۔ وہ یہاں کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ آگے بڑھ رہی تھی جب اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وجود میں حرکت ہوئی، وہ راہداری کی دوسری طرف یوں مڑ گئے تھے کہ ارمینہ کی طرف ان کی پشت تھی اور تیز تیز قدم اٹھاتے نیچے چلے گئے۔وہ بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے آئی مگر ان کا تعاقب نہیں کر سکی کیوں کہ ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔پھر جب وہ اس کی آنکھ سے اوجھل ہو گئے تو وہ رک گئی تھی۔ کیا وہ ارمش کے پاپا تھے؟ نہیں وہ کیسے ہو سکتے ہیں شاید میری نظر کا دھوکا تھا کوئی اور ہو گا پاپا کی فیکٹری سے کوئی ہو گا یا کوئی جاننے والا۔

اس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا اور واپس مڑ گئی تھی۔

☆...☆...☆

انہیں ڈرائیور نے اس ہسپتال کا نام بتا دیا تھا جہاں ارمش کی گاڑی جا کر رکی تھی اسی ہسپتال چلو اور... ارمش کو پتا نہ چلے۔ ڈرائیور کو ہدایت دیتے وہ گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔سارا راستہ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بیٹھے رہے تھے۔انسان کے پاس رشتے ہوں اور پھر وہ انہیں کھودے تو ان کی کمی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ گاڑی پارکنگ تک چلی گئی۔ریسیپشن پر سرفراز کا کمرہ پوچھنے کے بعد وہ چوتھے فلور کی اس راہداری میں آگئے تھے۔وہ شاید آگے بڑھ جاتے مگر شیشے کے اس پار لیٹے سرفراز پر ان کی نظر ٹِک گئی تھی۔پہلی نگاہ میں وہ اسے پہچان تو گئے تھے مگر انہیں یقین نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آیا تھا کہ یہ سرفراز ہے۔انہیں آج بھی وہی سرفراز یاد تھا جو چونتیس سال کی عمر میں اپنے فیلوز اور بیچ میٹس میں سب سے زیادہ ایکٹو اور پھر تیلا جانا جاتا تھا۔چہرے پر بظاہر ہلکی ڈاڑھی تھی اور بال ہمیشہ کسی نفیس طریقے سے کٹے ہوئے تھے۔حلیہ ہمیشہ اس کا شاندار رہا۔وہ کسی بہت خوبصورت چہرے کا مالک نہیں تھا مگر اس کی عادتوں، کردار اور شخصیت کے سادہ پہلوؤں نے ہمیشہ اسے بہت پرکشش بنایا تھا۔ اور اب... وہ ایک لاغر سا وجود تھا۔بیڈ پر بے سدھ لیٹا، بال بھی بکھرے ہوئے تھے سیاہ اور سفید ملے ہوئے، اس کی صحت بہت متاثر ہوئی تھی۔اس وقت اس میں اتنی بھی طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے ہاتھ پیروں کو حرکت بھی دے سکتا۔

ہواؤں میں اڑنا میرا جنون ہے احمد۔ اسے کئی سال پہلے اس کا کہا ہوا جملہ یاد آیا تھا۔ایک آنسو ان کی آنکھ کے کنارے سے بہ گیا۔انہوں نے اسے بہہ جانے دیا۔ وہ آج بالکل بے بس تھے۔

پھر انہوں نے راہداری کے دوسرے سرے سے کسی کی آہٹ سنی، وہ جانتے تھے کہ یہ ارمینہ تھی۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ انہیں دیکھے اس لیے وہ واپس مڑ گئے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھے۔گھر آتے آتے انہوں نے خود سے ایک ہی سوال کیا تھا... اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا جو وہ معذور ہو گیا...؟

☆...☆...☆

وہ اس کی قبر کے پاس بیٹھا تھا اور دوسری طرف احمد تھا۔وہاں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔انہوں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا تھا۔سرفراز کے ہاتھ کانپے مگر وہ رویا نہیں تھا۔وہ اس کی موت پر بس ایک بار رویا۔ہسپتال کی سیڑھیوں پر جب اس نے قبول کیا تھا کہ وہ مر گئی ہے۔اس کے بعد اس نے کبھی آنسو نہیں بہائے۔وہ لاکھ کوشش کرتا مگر اسے رونا نہیں آتا تھا وہ لاکھ کوشش کرتا اسے سکون بھی نہیں آتا تھا۔اس نے کل سے کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔اسے ہوش ہی نہیں تھا کہ ارمینہ کہاں تھی اسے بس ایک بات یاد تھی کہ انابیہ اب نہیں تھی۔وہ اب کہیں نہیں تھی وہ دونوں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے اس عورت کی قبر کے گرد جسے وہ سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ایک جس کی وہ بہن تھی اور ایک جس کی وہ بیوی تھی۔احمد اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگا تھا۔اس نے سرفراز سے رسمی یا ضرورت کی گفتگو بھی نہیں کی تھی۔

احمد سرفراز نے پکارا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میرا نام مت لو سرفراز... ہم ایک دوسرے کے لیے مر گئے ہیں کیوں‌کہ میری بہن مر چکی ہے۔مجھ سے تمہارا تعلق ختم ہو گیا ہے اور میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا... کبھی بھی نہیں۔سرفراز کی طرف پشت کئے اس نے کہا اور وہ چلا گیا۔

سرفراز تنہا رہ گیا تھا۔

زندگی اس سے زیادہ مشکل بھلا کیا ہو سکتی ہے۔اس نے سوچا تھا... اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ زندگی اس سے زیادہ مشکل بھی ہو سکتی تھی۔

☆...☆...☆

احمد تدفین کے بعد شکرپاراں میں نہیں رکا تھا بلکہ وہ کراچی واپس چلا گیا۔اپنی زندگی کی سب سے تلخ اور سب سے خوف ناک یادوں کے ساتھ۔جو اسے اب ساری زندگی ایک مختلف انسان کے روپ میں ڈھال دینے والی تھیں۔احمد نے بولنا چھوڑ دیا تھا۔وہ اپنے بچوں سے بھی بہت کم بات کرتا تھا۔وہ بس جی رہا تھا۔ثمینہ کو لگا وہ کچھ عرصے میں بہتر ہو جائے گا مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تلخیاں بڑھتی گئیں اور اس نے اپنی زندگی بس کام تک محدود کر لی۔ارحم بڑا تھا، سمجھدار تھا وہ جانتا تھا بابا اپ سیٹ تھے مگر ارمش کو بابا میں آنے والی تبدیلی بہت پریشان

کر گئی تھی۔وہ اب اس سے بات بہت کم کرتے تھے اور اس کے سارے دن کی روداد بھی نہیں سنتے تھے وہ ایک بار ان کے پاس اسٹڈی میں آگیا۔

بابا... کیا میں آجاؤں؟ وہ اس وقت سات یا آٹھ سال کا تھا۔بابا ہاتھ میں کوئی کتاب لیے بیٹھے تھے مگر ان کا دھیان جیسے کہیں اور تھا۔ارمش کی آواز پر وہ چونک کر سیدھے ہوئے۔

ہاں آجاؤ۔ ان کے لہجے میں اب کوئی مٹھاس نہیں رہی تھی۔

بابا کل میری چھٹی ہے تو کیا میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں؟ اس نے معصومیت سے پوچھا تو وہ منع نہیں کر پائے تھے۔چہرہ اب بھی سپاٹ تھا۔

ہاں بیٹھ جاؤ۔ وہ خوشی کے مارے کچھ دیر سن سا کھڑا رہا پھر دوڑ کر ان کے قریب رکھی ایک چیئر پر بیٹھ گیا۔

آپ کیا پڑھ رہے تھے؟ ان کی کتاب کے متعلق اس نے پوچھا۔

میں... یاد نہیں مجھے۔ وہ جیسے کسی اور دنیا میں تھے۔

بابا آپ کے ہاتھ میں ہے ناں یہ والی بک۔ اب کی بار اس نے اشارہ کیا تھا۔

ہاں... میں نے پڑھ لی یہ لو... کہانی ہے ایک۔

کہانی...؟ کسی کی کہانی؟ اس نے تجسس سے پوچھا تھا۔

ایک سپاہی کی کہانی ہے۔

کیا کہانی ہے بابا؟ مجھے بھی سنائیں ناں؟ وہ جیسے یک دم خاموش ہو گئے۔

ارمش تمہیں اتنی رات تک نہیں جاگنا چاہیے سو جاؤ جا کر۔

پر بابا میری چھٹی...

ہاں جانتا ہوں پھر بھی سو جاؤ جا کر... ارحم بھی سو چکا ہے۔ انہوں نے سختی سے اس کی بات کاٹی تھی۔اس کا چہرہ ایک پل میں مرجھا گیا تھا۔وہ بہت خاموشی سے چیئر پر سے اٹھا اور اسٹڈی سے باہر آگیا۔اپنے بستر پر آنے کے بعد بھی وہ سو نہیں سکا۔ وہ پہلی بار تھا جب اس کے بابا کے رویے نے اسے رلایا تھا۔پھر اکثر ایسا ہوتا تھا وہ ان کے پاس جاتا تو وہ مصروف ہوتے یا تھوڑی دیر اسے بٹھا کر واپس بھیج دیتے۔ اسے بچپن سے فوج سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔وہ جانتا تھا ارحم فوج میں جانا چاہتا تھا مگر اس نے بابا کو فوج میں ہونے کی وجہ سے گھر سے بہت دور اور الگ دیکھا تھا۔ان کی طرح وہ بھی گھر سے الگ تھلگ نہیں رہناچاہتا تھا۔ پر بابا میرا دل نہیں چاہتا فوج میں جانے کو، میں بزنس اسٹڈیز کرنا چاہتا ہوں۔مجھے پسند ہے بزنس اسٹڈیز۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمش میں اور ارحم بھی اسی فیلڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔تمہیں ہماری زندگی میں نظم و ضبط اور ترقی نظر نہیں آتی؟

آپ لوگوں کو اس کا شوق ہے اس لیے آپ لوگ ترقی کرتے ہیں، مجھے نہیں ہے تو شاید میں نہ کر پاؤں۔مجھے اس میں کوئی کشش نظر نہیں آپ مجھے ایک معقول وجہ بتا دیں بزنس اسٹڈیز نہ کرنے کی... میں واقعی چھوڑ دوں گا۔

بزنس انسان کو مطلب پرست بنا دیتا ہے ارمش۔تمہیں بزنس کر کے کبھی اس ملک اور اس ملک کے لوگوں سے وہ محبت نہیں ہو گی جو میں چاہتا ہوں۔تم خود پرست اور مادیت پرست ہو جاؤ گے۔

نہیں بابا... میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا۔ملک سے محبت کے لیے وردی کی ضرورت نہیں ہوتی۔میں فوج میں نہ جا کر بھی اس ملک سے اور یہاں کے لوگوں سے ویسی ہی محبت کر سکتا ہوں۔جیسی آپ چاہتے ہیں... آپ مجھے جانتے ہیں بابا... میں مادیت پرست نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔یہ ان کی پہلی بحث تھی اور پھر ایسا اکثر ہونے لگا تھا۔وہ اپنی بچپن کی محرومیوں کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار تھا اور احمد رضا اپنی ضد کے پکے تھے۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تدفین ہو جانے کے بعد چند دن لوگوں کی آمد ہوتی رہی پھر کم ہوئی اور پھر ختم ہو گئی۔وہ ارمینہ کو لے کر پشاور واپس جا رہا تھا۔جاتے جاتے اس نے ایک نگاہ اس گھر پر ڈالی جہاں اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت اور سب سے بدصورت یادیں دفن تھیں۔اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، گزرے لمحوں کو ایک بار یاد کیا، اپنے بچپن سے لے کر ارمینہ کی پیدائش اور پھر آخر میں انابیہ کی موت تک، پھر آنکھیں کھول دیں۔دروازے اور گھر کو لاک کر کے وہ ایئرپورٹ کیلئے روانہ ہو گیا۔

پشاور پہنچ کر اس نے ڈیوٹی پھر سے جوائن کر لی۔وہ دن میں ارمینہ کو ڈے کیئر میں چھوڑ جاتا اور گھر واپسی پر اسے لے لیتا۔گھر میں اسے عجیب سی وحشت ہوتی۔اس نے اپنے آپ کو صرف ارمینہ کے لیے زندہ رکھا ہوا تھا۔

نیلی آنکھوں والی وہ شہزادی جو اسے اپنی حرکتوں سے کبھی ہنسا دیتی پھر اگلے ہی لمحے وہ سپاٹ چہرہ لیے اسے تکتا رہتا۔

سرفراز کو ہسپتال سے گھر آئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا۔وہ بے ساکھیوں کے بل چل سکتے تھے مگر اب بھی ویل چیئر ان کیلئے ضروری تھی کیوں کہ ایک دم سے چلنے کی سکت ان کے پیروں میں نہیں تھی۔فزیو تھیراپسٹ کی مدد سے وہ بہت جلد بہتر ہو رہے تھے اور ارمینہ کی اس بہتری سے مطمئن تھی۔

وہ آج بہت دن بعد ہیری ہوم آئی تھی اور وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی۔

السلام علیکم ڈاکٹر فاروق کیسے ہیں آپ؟ سنڈے کے میڈیکل چیک اپ کے لیے وہ دونوں وہاں موجود تھے۔

میں ٹھیک ہوں ارمینہ تمہارے پاپا کیسے ہیں اب؟

بہتر ہیں۔

چیک اپ کے لیے آدھے بچے اس کے حصے میں آتے تھے اور آدھے ڈاکٹر فاروق کے حصے میں تمام بچوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہال میں آگئی۔ایک بڑے سے دستر خوان کے گرداب سب جمع ہو رہے تھے اور کھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

عمر ارمش کہاں ہے؟ آیا نہیں؟ آج تو سنڈے ہے؟ اس نے عمر سے پوچھا۔

ہاں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں فون آیا تھا ان کا۔

کیوں کیا ہوا اسے؟

معلوم نہیں! یہ نہیں بتایا بس بولا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں تو آج نہیں آئیں گے۔

اسے کچھ حیرت ہوئی۔اس نے اپنا فون نکال کر ارمش کو کال ملائی۔

رسمی سلام دعا کے بعد ارمینہ نے اس کی طبیعت پوچھی۔

ٹھیک ہوں بس بخار وغیرہ ہے۔

اوہ! اچھا۔

تم ہیری ہوم ہو؟ ارمش نے اس سے پوچھا

ہاں! عمر نے بتایا کہ تمہاری طبیعت نہیں ٹھیک تو میں نے سوچا پوچھ لوں۔

نہ بھی پوچھتیں تو بھی چلتا... کچھ خاص نہیں ہوا مجھے۔ ارمینہ کو لگا جیسے وہ اس سے بات کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی اور کام بھی کر رہا ہے۔

تم مصروف ہو؟

ہاں! ارمینہ کو اس کا دو ٹوک جواب کچھ برا لگا تھا۔

تمہیں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ایک انسان تمہاری خیریت پوچھنے کیلئے تمہیں کال کر رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ تم مصروف ہو۔

تو جھوٹ بولوں؟ ارمش نے یک لخت کہا تو وہ تھوڑی دیر کیلئے کچھ بول نہیں سکی تھی۔اسے لگا وہ معذرت کرے گا مگر وہ ارمش تھا۔

اچھا ٹھیک ہے کام کرو اپنا... خدا حافظ۔ اس نے فون رکھ دیا۔وہ کھانا کھانے بیٹھ گئی مگر دو نوالوں کے بعد اس سے کچھ بھی کھایا نہیں گیا۔

کیا ہوا؟ عمر نے اس کے پھیکے چہرے کو دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کچھ نہیں بس دل نہیں چاہ رہا... چلتی ہوں۔ وہ رکے بغیر اپنا بیگ اٹھائے باہر آگئی تھی۔

☆...☆...☆

آج تیئس مارچ تھی۔وہ چوتھی بار سالانہ پریڈ کے فری فال مظاہرے کو لیڈ کر رہا تھا۔ایک بار پھر اس نے رسی کو کمر کے گرد کس لیا اور اس پر جھنڈا ویسے ہی باندھ کر جہاز کے دروازے تک آگیا۔

تمہیں معلوم ہے مجھے بہت ڈر لگتا ہے تمہارے اس کام سے مگر تمہیں اس کام کا اتنا جنون ہے کہ میں تمہیں اس سے جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے کانوں میں مسلسل کسی کی آواز گونج رہی تھی۔

میں نیچے بیٹھ کر تمہارے لیے دعا کرتی ہوں کہ تم صحیح سلامت مجھ تک لوٹ آؤ۔ اسے یاد تھا یہ جملہ کہہ کر اس نے سرفراز کے گال کو نرمی سے چھوا تھا۔وہ اس کا لمس بھول نہیں سکتا تھا۔اگلی آواز اس کے کانوں میں احمد کی پڑی تھی۔

سرفراز جب تم ہوا میں اڑتے ہو تو لگتا ہے میں بھی تمہارے ساتھ اونچائیوں میں اڑ رہا ہوں۔ اس کے ہاتھ کچھ لرزنے لگے تھے۔اس کے کانوں میں پڑنے والی آخری آواز امی جی کی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میرا بیٹا بہت بہادر ہے۔ اب اس کے پیر بھی کانپنے لگے تھے اسے محسوس ہو رہا تھا آج اس کے لیے اسٹینڈز میں کوئی بھی موجود نہیں تھا، کوئی نہیں تھا جو اس کیلئے دعا کرتا اور اس کی کامیاب لینڈنگ پر تالیاں بجاتا، اسے لگا نیچے صرف سناٹا تھا، شور تھا تو اس کے اپنے اندر تھا... اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔اب اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں... لاالٰہ الا اللہ

پیچھے موجود اس کے معاون نے بلند آواز میں کہا، اس کے تمام ساتھی کود چکے تھے اور وہ آخری ہوا باز تھا۔وہ یک دم جیسے ہوش میں آیا۔اس بار اس کی آواز نکلی تو بہت مضبوط تھی۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند...
بہار ہو کہ خزاں... لاالٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں... لاالٰہ الا اللہ

بلند آواز میں کہتا ہوا وہ کود گیا۔کچھ لمحوں بعد وہ ہوا کو چیرتا ہوا زمین کی طرف بڑھ رہا تھا۔وہ ہوا کی دوش پر سوار تھا، ہمیشہ کی طرح اپنے پیراشوٹ کو بہت مہارت سے قابو کرتے جب وہ زمین کے قریب آیا تو اس کے پیروں سے دھواں نکلنے لگا... سبز اور سفید... وہ بہ مشکل زمین سے پندرہ یا بیس فٹ کے فاصلے پر تھا جب اس کے پیراشوٹ کی ایک رسی ٹوٹ گئی۔ وہ اتنی تیزی کے ساتھ زمین کی طرف آرہا تھا کہ اسے یہ مسئلہ حل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔اس کا توازن ایک لمحے میں ختم ہوا جبکہ چند لمحوں میں وہ زمین پر لینڈ کرنے والا تھا۔اس کا توازن بگڑنے کی وجہ سے اس کی لینڈنگ کی جگہ تبدیل ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وولینٹیئرز کو بھی مشکل ہو رہی تھی، وہ اس کی سمت کا تعین نہیں کر پا رہے تھے۔اس نے زمین پر قدم رکھا ہی تھا جب ایک شدید جھٹکا اس کی کمر اور پشت کی ہڈیوں کو ہلا گیا تھا۔ درد کی شدت سے اس کا چہرہ سُرخ ہونے لگا تھا۔سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ حاضرین اندازہ نہیں لگا پائے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔وہ ہمیشہ کی طرح تالیاں بجانے میں مگن تھے۔مائیک پراب بھی اس کا نام ویسے ہی پکارا جا رہا تھا۔اس نے گردن گھما کر stands کی پہلی قطار اس امید کے ساتھ میں دیکھا کہ شاید احمد اسے وہاں نظر آجاتا، یا ارحم ارمش اسے دکھ جاتے جو اس کے لیے

تالیاں بجا رہے ہوتے، شاید احمد وہاں موجود ہوتا جو ہزاروں کے اس مجمع میں اس کا چہرہ دیکھ کر بتا دیتا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے۔انسان کی ساری دنیا ایک شاید کے گرد ہی تو گھومتی ہے، پر اسے وہاں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔اس کے درد کی شدت میں اضافہ ہو گیا تواس نے تکلیف سے آنکھیں موند لیں۔اس کی سلامتی کیلئے دعا کرنے والے اب وہاں موجود نہیں تھے۔تکلیف اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔

☆...☆...☆

وہ کچھ ڈرتی ہوئی دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔اس کے پیچھے ایک ملازم اس کے ساتھ آیا تھا۔

بی بی جی آپ بیٹھیں... صاحب آتے ہیں ابھی۔ وہ اسے وہاں بٹھا کر چلا گیا۔اسے بیٹھے ہوئے پانچ منٹ گزرے تھے جب کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی ڈرائنگ روم کے دروازے سے احمد رضا اندر آتے ہوئے نظر آئے تھے۔

السلام علیکم انکل۔ وہ خوف سے کھڑی ہوئی تھی یا احترام سے، اسے خود نہیں پتا تھا۔

بیٹھیں۔ سلام کا جواب دے کر انہوں نے اس سے کہا تھا۔وہ بیٹھ گئی تو احمد رضا بھی بیٹھ گئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کہیے؟

وہ انکل... ارمش سے فون پر بات ہوئی تھی، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں نے سوچا مل آؤں۔ اس نے ایک ایک لفظ اٹک اٹک کر بولا تھا۔ وہ ارمینہ کے بجائے موبائل کی اسکرین کی جانب دیکھ رہے تھے۔

لگتا ہے خاندانی عادت ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔ارمش تین دن سے ہیری ہوم نہیں آیا تھا۔اس دن اس سے فون پر بات کرنے کے بعد تو اسے لگا کہ اس کی طبیعت اتنی خراب نہیں تھی کیوں کہ آواز ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہی تھی مگر وہ اگلے دو دن بھی ہیری ہوم نہیں آیا تو اسے پریشانی ہونے لگی۔وہ اس کا فون بھی نہیں اٹھا رہا تھا تو وہ اس سے ملنے آگئی تھی۔اس کام کے لیے اس نے بہت ہمت جتائی تھی اور اب اسے احمد رضاکا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

آپ کے والدین آپ کو مانیٹر نہیں کرتے کیا؟ ان کے سوال پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔

جی؟

آپ کا جب دل چاہتا ہے آپ کہیں بھی چلی جاتی ہیں، انہیں آپ کی خبر رکھنی چاہیے کہ آپ کہاں جا رہی ہیں؟ کب جا رہی ہیں؟ کسی کے بھی گھر اس طرح جانا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آداب کے خلاف سمجھا جاتا ہے کیا یہ بات بتائی نہیں آپ کو آپ کے والد نے؟ وہ موبائل کی جانب ہی دیکھ کر بولتے جا رہے تھے اور ارمینہ کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

انکل میں ارمش کی خیریت پوچھنے آئی تھی وہ... بہت مشکل سے اس نے جملہ ادا کیا جو انہوں نے مکمل بھی نہیں ہونے دیا تھا۔

کس حق سے؟ کیا لگتا ہے وہ آپ کا؟ ان کے لہجے میں بہت کڑواہٹ تھی۔ارمینہ کا دل چاہا کہ وہ رو دے۔

میرا کولیگ... اس نے مصیبت کے وقت میری مدد کی ہے، میں اس کا حق ادا کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے اب موبائل بند کر کے رکھ دیا تھا مگر اب بھی وہ سینٹر ٹیبل کو گھور رہے تھے۔

وہ اس ملک میں نہیں ہے، ایک بار پہلے بھی آپ کی وجہ سے نیروبی کی ایک بہت اہم کانفرنس چھوڑ چکا ہے۔یاد تو ہو گا آپ کو... ابھی وہ سڈنی گیا ہوا ہے۔

سڈنی؟؟؟ مگر اس نے مجھ سے کہا تھا وہ بیمار ہے۔

شاید آپ کو بتانا نہ چاہتا ہو، انسان کا حق ہے وہ جسے چاہے اپنی مصروفیات سے آگاہ رکھے جسے چاہے نہ رکھے۔ اس کے چہرے پر سے کئی رنگ آکر گزر گئے تھے۔جو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ سن رہی تھی اس پر یقین کرنا بہت مشکل تھا اور سامنے بیٹھا انسان جسے وہ ٹھیک سے جانتی تک نہیں تھی اس کی عزتِ نفس کو تار تار کر رہا تھا۔وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا چہرہ اب سرخ تھا۔

بیٹھیں... چائے پی کر جایئے گا۔ اس نے روایتی روکھے پن سے کہا۔

ضرورت نہیں ہے... میرے پاپا کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے پہلے آپ جان لیجئے کہ وہ اس دنیا کے بہترین انسانوں میں سے ایک ہیں۔ ان کو جانے بنا، ان سے ملے بنا آپ کو یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ کیسے ہیں اور بہت معذرت چاہتی ہوں، مجھے انہوں نے سکھایا تھا کہ اگر کوئی آپ پر احسان کرے تو ان کو مصیبت کے وقت بے یارومددگار چھوڑنا احسان فراموشی ہے۔مجھے انہوں نے یہ کبھی نہیں سکھایا کہ کسی کے گھر بنا بتائے چلے جانا آداب کے خلاف ہے، یہ آپ کے ہاں ہوتا ہو گا یا پھر ان ممالک میں جن کا کلچر یہاں عام کرنا آپ جیسے لوگوں کا شوق ہے۔ہمارے ہاں اسے ہمدردی کرنا، احساس کرنا کہتے ہیں۔خدا حافظ۔

اس نے پلٹ کر ان کا دھواں ہوتا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا اور آگے بڑھ گئی تھی۔ انہیں علم تھا کہ وہ ذہین تھی، مگر وہ پراعتماد بھی تھی انہیں آج پتا چلا تھا، ورنہ آج تک ہمیشہ وہ ڈر اور خوف کے آثار چہرے پر لیے ان سے ملی تھی۔ سہمی سہمی سی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

انابیہ کی طرح، مگر آج... اس میں انہیں کسی اور کی جھلک دکھائی دی تھی... ان کی اپنی جھلک... ان کے سامنے آج کوئی ان جیسا موجود تھا۔وہ جانتے تھے اگر وہ سرفراز کا ذکر نہ کرتے تو وہ شاید کبھی ان سے اس طرح بات نہ کرتی... یقینا وہ اپنے باپ سے بے پناہ محبت کرتی تھی... ان کی رگوں میں خون کا بہاؤ بڑھنے لگا تھا۔

وہ بہت تیزی سے باہر آئی تھی۔اتنی تیزی سے کہ اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے تک اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے، اس کو سانس لینے میں مشکل ہونے لگی تو اس نے بیگ سے Inhaler نکالا، دو اسپرے کیے اور گہری گہری سانس لی۔

بی بی جی آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟ جاوید بھائی اس کی حالت پر گھبرا گئے۔

جی جاوید بھائی... گھر چلیں اس نے بہ مشکل کہا تو انہوں نے گاڑی چلا دی۔

وہ گھر آئی تو اس کا دماغ بالکل سن تھا۔پاپا اپنے کمرے میں تھے اور یہ اچھی بات تھی، وہ اس وقت ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔ بیڈ پر بیگ پھینکا اور خود بھی بیڈ پر ڈھے گئی۔آنسو کا ایک قطرہ اس کی آنکھ کے کنارے سے بہہ گیا۔

اسے افسوس تھا، شرمندگی تھی کہ وہ وہاں گئی ہی کیوں تھی؟ ان کے آگے اس نے غصے میں آکر بہت کچھ تو کہہ تو دیا تھا مگر یہ اس کی شخصیت کا حصہ نہیں تھا۔ مگر پاپا کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔اوور پروٹیکٹو اور بہت زیادہ possessive، مگر غم ایک نہیں تھا... ارمش... اس نے اس سے جھوٹ کیوں بولا تھا؟ کیا وہ واقعی اس کی زندگی میں ضرورت سے زیادہ داخل ہو رہی تھی؟ یہ ادراک بہت زیادہ ہتک کا باعث تھا۔وہ اسے اگنور کر رہا تھا اور یہ سوچ کر اسے شدید کوفت ہونے لگی تھی۔

میں اب اس سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ اس نے دل میں سوچ لیا۔آنسو پوچھتی وہ بیڈ سے اُٹھ گئی تھی۔

وہ اس دن کے بعد ہیری ہوم نہیں گئی۔ارمش سے بھی اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔وہ اب واپس اپنے پرانے روٹین پر آگئی تھی۔ایئرپورٹ سے گھر اور گھر سے پھر ایئرپورٹ اس کا معمول تھا۔پاپا کو لگا وہ ان کی وجہ سے نہیں جا رہی تو انہوں نے ٹوکا بھی نہیں تھا مگر وہ ضرورت سے زیادہ خاموش رہنے لگی تھی اور چڑچڑی ہو گئی تھی۔

ارمینہ... کوئی مسئلہ ہے؟ وہ رات کو ان کی ورزش کروا رہی تھی جب انہوں نے اس سے پوچھا۔

نہیں تو پاپا۔ وہ نیچے دیکھتے ہوئے بولی، وہ ان سے نظریں ملا کر کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

چپ چپ رہتی ہو۔ اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا، وہ شفقت سے اسے دیکھ رہے تھے جیسے اس کے اندر ہر جذبے تک انہیں رسائی حاصل ہو اور اس کے ہر زخم کو بھر دینا چاہتے ہوں۔

پاپا... اس دنیا میں ایک میں اور ایک آپ، بس ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہیں، بس ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے ہیں۔دنیا کا کوئی تیسرا شخص ہم سے محبت نہیں کرتا، ہمیں سمجھ نہیں سکتا... میں آپ کے لیے اور آپ میرے لیے... بس یہ کہتے کہتے اس کے آنسو بہتے گئے تھے۔

ارمینہ کیا ہوا ہے بیٹا مجھے بتاؤ... کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور اس کی سسکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

ارمینہ تم مجھے ڈرا رہی ہو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پاپا وہ ارمش کے بابا... کسی نے ان کا دل تھام لیا تھا انہیں سانس لینے میں دشواری ہونے لگی تھی۔

پاپا میں ارمش سے ملنے گئی تھی کیوں کہ فون پر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ بیمار ہے۔پر جب میں گئی تو اس کے پاپا نے مجھ سے بہت غلط باتیں کیں۔پاپا انہیں مجھ سے کیا پرابلم ہے مجھے سمجھ نہیں آتا مگر جب بھی ہمارا آمنا سامنا ہوا ہے ہمارے بیچ کبھی کوئی خوش گوار بات ہوئی ہی نہیں... پاپا میں نے ہمیشہ انہیں عزت دی جیسے ہمیشہ ہر کسی کو دیتی ہوں مگر انہوں نے کبھی مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ کبھی میری طرف دیکھ کر مجھ سے بات بھی کریں اور اگر یہ ان کا مزاج بھی ہے تو ان کے الفاظ ایسے تھے کہ میں خود کو روک نہیں پائی۔وہ آپ کے بارے میں بھی عجیب عجیب باتیں کر رہے تھے مجھ سے برداشت نہیں ہوا تو میں نے بھی انہیں کچھ سخت الفاظ کہہ دیئے اور ارمش... پاپا وہ بہت بدل گیا ہے اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔مجھے اگنور کر رہا ہے جیسے میں زبردستی اس کی زندگی میں دخل اندازی کر رہی ہوں۔پر اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے پاپا... میں اس سے نہیں ملوں گی چاہے کچھ بھی ہو... وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔اس نے ان کے چہرے کے زاویے دیکھے بغیر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اتنے دن سے اپنے دل میں رکھی ہر بات انہیں کہہ ڈالی تھی ... یہ جانے بغیر کہ وہ کرب کی کس چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔وہ خود اب بھی رو رہی تھی۔

پاپا ہم شکرپاراں چلیں؟ امی اور دادی کی قبر پر؟

بیٹیاں اپنی باتیں ماں کو ہی بتاتی ہیں... تمہیں انابیہ یاد آرہی ہے ناں؟ اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

نہیں پاپا... آپ میرے سب سے اچھے دوست ہیں۔میں آپ سے اپنے دل کی ہر بات کر سکتی ہوں... مگر امی سے مل کر دل کو ایک عجیب سا سکون ایک عجیب سی خوشی حاصل ہوتی ہے... چلتے ہیں پاپا؟

تم ہیری ہوم نہیں جاؤ گی کیا اب؟

جاؤں گی... بلکہ جب میں ہیری ہوم سے واپس آ جاؤں تب چلتے ہیں۔سنڈے کو جا کر منڈے تک واپس آجائیں گے مجھے چھٹی بھی نہیں کرنی پڑے گی...

ٹھیک ہے۔

مگر آپ سفر کر لیں گے ناں؟

بالکل... بس جا کر بیٹھنا تو ہے... ایک مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمینہ... اگر کبھی کہیں ارمش کے پاپا تمہیں نظر آئیں یا ان سے تمہارا سامنا ہو تو... انہیں سلام کر لیا کرنا یہ ان کا حق ہے اور تمہارا فرض تمہیں دونوں ادا کرنے ہیں... اس سے تم چھوٹی نہیں ہو گی... اللہ کے قریب ہو جاؤ گی۔

جی کر لیا کروں گی مگر میری دعا ہے کہ ان سے کبھی میرا سامنا نہ ہو۔

ایک سوال پوچھوں تم سے؟

جی؟

تم ارمش سے محبت کرتی ہو؟

کچھ سوال آپ کے لیے موت کی سی تکلیف لے کر آتے ہیں جو دل میں کہیں بہت نیچے دفن ہوئے درد بھی نکال کر سطح پر لے آتے ہیں اور پھر آپ پر ہنستے ہیں کہ آپ ان کا کیا جواب دیں؟ سچ بولیں یا جھوٹ... جھوٹ بولیں تو ضمیر ملامت کرتا ہے، سچ بولیں تو ہتھیلی پر رکھی عزتِ نفس قطرہ قطرہ مٹھی سے بہ جاتی ہے تکلیف ہر طرح کے جواب سے ہوتی ہے بالکل ایک سی... موت کی سی، اس نے بہت سوچنے کے بعد گردن نہ میں ہلائی تاکہ اس کا بھرم رہ جائے۔

واقعی؟ پاپا کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

جی پاپا... میں نے آپ سے کہا ناں... یا تو میں یا آپ بس... اور کوئی بھی نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمینہ ارمش برا نہیں ہے بیٹا، میں جانتا ہوں اسے وہ بہت اچھا انسان ہے۔ ہو گا... مگر اب مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا، اتنی بے عزتی اتنی ہتک کے بعد میں اس سے کوئی رابطہ نہیں چاہتی۔

اچھا ٹھیک ہے پھر کل ہم شکرپاراں چلیں گے جب تم آجاؤ گی۔

ہونہہ وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

☆...☆...☆

سرفراز کو ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے بیڈ پر تھا۔اس کے اردگرد اس کی اپنی ٹیم کے ممبرز اور ساتھ کچھ ڈاکٹرز تھے۔

کیا ہوا ہے مجھے؟ میں اپنے پیر ہلا نہیں پا رہا ہوں۔ اسے کچھ ڈر سا لگا تھا۔

جی ہاں مسٹر سرفراز... گرتے وقت جھٹکے کے باعث آپ کی ریڑھ کی ہڈی بہت بری طرح نقصان پہنچا ہے۔اور اب آپ کے پیر... مجھے افسوس ہے آپ چل نہیں پائیں گے۔ اسے لگا وہ اپنے پیروں کے بل نہیں منہ کے بل گرا تھا۔

آپ کی ہڈیوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی جس کی وجہ سے آپ کی نسیں دب گئی ہیں اور اب آپ اپنے پیروں اور کمر کو حرکت نہیں دے سکتے۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا۔اب کوئی تکلیف نہیں تھی، بس ایک جان تھی جو سینے میں تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دروازہ کھول کر اس کے چند سینئرز اندر آگئے تھے۔

کیسے ہو سرفراز؟

جی میں ٹھیک ہوں سر۔ وہ اس حالت میں بھی مُسکرا دیا۔

یقین کرو اس حادثے سے جتنا دکھ تمہیں ہوا اتنا ہی ہمیں بھی ہوا ہے ... تم جیسا پیراٹروپر ملنا بہت قسمت کی بات ہے سرفراز... تم جیسے سپاہی ہمارا فخر ہی نہیں ایک مثال بھی ہیں سب کے لیے... مگر مجھے بہت افسوس ہے کہ اب تم پیراگلائڈنگ نہیں کر پاؤ گے... میں تمہیں جانتا ہوں سرفراز... تم ایک سمجھ دار فوجی ہو اور تم سمجھتے ہو کہ زندگی ایسے حادثات مضبوط اور صابر لوگوں کے حصے میں ہی لاتی ہے... ہمیں ہمیشہ فخر رہے گا کہ تم جیسا پیراٹروپر ہمارے پاس تھا... اور تمہاری جو خدمات ہیں اس ملک کے لیے اس کے لیے ہم ہمیشہ تمہارے شکر گزار رہیں گے۔

وہ مسکرایا اور اس نے اپنے ہاتھ کی کلائی پر سے ایک سبز اور سیاہ رنگوں کا ایک بینڈ اتارا جس میں کہیں کہیں سفید رنگ بھی تھا۔یہ بینڈ ان کی ٹیم کی نشانی تھی۔ اس نے وہ بینڈ اپنے ایک ٹیم ممبر کے حوالے کیا۔

میری جگہ جو بھی آئے اسے یہ دے دینا اور جب بھی پیراشوٹ سے چھلانگ لگاؤ تو اللہ کا نام لے کر ہی کودنا۔اور ہاں! جب یہ رِسٹ بینڈ کسی کو دو تو اسے پورے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دل سے چومنا اور مجھے یاد کرنا کیوں کہ میں بھی تم سب کو... بہت یاد کروں گا۔

اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔اس کے کندھے پر اس کے سینئر نے ہاتھ رکھا تھا۔

ہم تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے۔ انہوں نے یقین دہانی کرائی تھی۔ سر جو آپ ہمارے لیے ہیں وہ کوئی نہیں ہو سکتا... آپ inspiration سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں ہمارے لیے، آپ نے ہمیشہ ہمیں اپنی ٹیم میں عزت دی، ہمیں وہ باتیں سکھائیں جو ساری زندگی ہمارا ساتھ دیں گی، ہم اس کے لیے آپ کے احسان مند ہیں۔

اور پھر اس کی ٹیم کے ان پانچ فوجیوں نے ایک قطار میں کھڑے ہو کر اسے سلیوٹ کیا۔یہ عزت دینے اور الوداع کہنے کا سب سے پروقار طریقہ تھا۔اس نے مسکرا کر بھیگی آنکھوں سے ان کے سلیوٹ کا جواب دیا اور سر کو ہلکا سا خم کیا۔

۲۳مارچ کے دن اس نے اپنی زندگی کے اس عشق کو بھی خیرباد کہہ دیا تھا جس کے بغیر اسے لگتا تھا اسے سانس نہیں آئے گی... مگر سانس آرہی تھی، زندگی چل رہی تھی، کچھ بھی نہیں رکا تھا۔ہسپتال کے کمرے سے سب لوگ اب چلے گئے تھے۔اس نے تھکن کے مارے تکیے سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اگر وہ اپنی زندگی کا ایک جائزہ لیتا تو اسے ہر کامیابی نظر آتی، ہر خوشی زندگی کی ہر مسرت، مگر پچھلے ایک سال پر نظر ڈالتا تو صرف دکھ، تکلیفیں اور جدائیاں تھیں، امی جی سے، انابیہ سے، احمد سے اور اب... اب اڑنے سے دو گھنٹے پہلے تک وہ ہوا میں اڑ رہا تھا اور اب دو گھنٹے بعد وہ اپنے پیر کو اپنی مرضی سے ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔بے بسی اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی؟ انابیہ کی موت نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا تو احمد کی جدائی نے اسے کرچی کرچی کر دیا تھا اور آج... آج اس کا وجود کرچیوں سے دھواں بن گیا تھا۔وہ گم ہو جانا چاہتا تھا۔ہوا میں کہیں کھو جانا چاہتا تھا۔یوں کہ کسی کو اس کی کوئی خبر نہ ہو۔زندگی جہاں تھی جیسی تھی ویسی ہی تھم جائے مگر زندگی تھما نہیں کرتی، وہ چلتی رہی تھی۔اس حادثے کے بعد وہ ارمینہ کو لے کر کراچی آگیا تھا۔اس کے پاس موجود رقم سے اس نے فیکٹری ڈال لی تھی اور اسے فرید بابا جیسا ہمدرد بھی مل گیا تھا۔البتہ فرید بابا اس کے ماضی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے مگر پھر بھی وہ اس کا سہارا سا بن گئے تھے۔ارمینہ بھی بڑی ہو رہی تھی اور اسکول بھی جانے لگی تھی۔وہ اب ان کی واحد خوشی تھی... طوفان کے چلے جانے کے بعد ملنے والا ایک عجیب سا سکون...

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ ہیری ہوم آئی تو وہاں ارمش نہیں تھا۔وہ چلتی ہوئی ڈسپنسری تک آگئی جہاں عمر، ڈاکٹر فاروق سے کچھ بات کر رہا تھا۔

عمر تم پڑھائی کرو نا جاکر... یہ سب کام ضروری نہیں ہیں۔

جانتا ہوں، ارمش بھائی نے کہا تھا ڈاکٹر فاروق یا تمہیں بتا دوں کہ استعمال کیلئے نیا سامان آگیا ہے۔دوائیاں، انجیکشنز، سرنجز اور باقی کا سامان بھی۔

ارمش نے فون کیا تھا تمہیں؟ تجسس نہیں تھا پھر بھی اس نے سوال کیا تھا۔

ہاں! فون کیا تھا... ویسے وہ کل آئے تھے تمہارا پوچھ بھی رہے تھے۔ وہ چونکی۔

میں نے بتا دیا تھا کہ تم سنڈے کے بعد سے نہیں آئیں۔

پھر اس نے کیا کہا؟ ارمینہ کے سوال پر عمر نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

کچھ نہیں تم انکل کے ساتھ مصروف ہو گی اس لیے نہیں آئی ہو گی۔یہی کہہ رہے تھے وہ... تمہارے پاپا کیسے ہیں؟

ٹھیک ہیں... اچھا سنو۔ اس نے بیگ سے ایک لفافہ نکالا تھا۔

یہ لفافہ ارمش کو دے دینا جب بھی وہ آئے، کہنا میں نے دیا ہے۔

اس لفافے میں وہ رقم تھی جو ارمش نے سرجری کے لیے دی تھی ساتھ وہ پیسے بھی تھے جو ارمش نے ارمینہ کی جگہ اس رکشے والے کو دیئے تھے۔وہ اس کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گھر بھی یہ لفافہ لے کر گئی تھی مگر دے نہیں سکی تھی کیوں کہ وہ سڈنی چلا گیا تھا۔

مگر تم خود دے دینا۔

نہیں! تم دے دینا۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئی تھی۔

ایک ایک کر کے چیک اپ کیلئے بچے آتے گئے اور ہمیشہ کی طرح آخر میں آنے والا عمر تھا۔وہ ڈاکٹر فاروق سے چیک اپ کروا رہا تھا۔ڈاکٹر فاروق نے ارمینہ کو بلا کر کہا:

ارمینہ پچھلے ہفتے ہم نے عمر کے چند ٹیسٹ لکھے تھے، یہ ان کی رپورٹس ہیں تم تھی نہیں اس لیے تمہیں علم نہیں۔

ارمینہ نے رپورٹس ہاتھ میں لی تھیں اور ان پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ سرد سی ہو گئی تھی۔عمر کی رپورٹس کے مطابق اسے شریانوں کی ایک بیماری تھی۔اس نے رپورٹس واپس ڈاکٹر فاروق کے حوالے کر دی تھیں۔

کیا ہوا ارمینہ؟ اس نے بے ساختہ عمر کے ہاتھوں اور گردن پر دیکھا وہاں جگہ جگہ سرخ نشانات تھے۔گھبراہٹ کے مارے اس اس کا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ہیری کا چہرہ ایک بار پھر اس کے سامنے آگیا تھا۔زندگی ایک دائرے کی طرح لگ رہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھی، جہاں سے اس نے ابتدا کی، یہ وہیں لا کر اس کو کھڑا کر رہی تھی۔اسے لگا اتنے مہینوں کی محنت کا کوئی حاصل نہیں تھا۔

عمر تمہیں پچھلے دنوں سے یہ نشانات واضح ہونا شروع ہوئے ہیں؟

ہاں...

عمر دیکھو تمہیں ایک بیماری ہے شریانوں کی... تمہاری شریانیں بہت کمزور ہو گئی ہیں اس لیے ذرا سا بھی دباؤ بڑھنے سے ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ پڑنے لگتے ہیں یہ نشانات جو تمہارے ہاتھ اور گردن پر ہیں اسی لیے ہیں... تمہارا علاج چلے گا اور تھوڑا لمبا بھی چل سکتا ہے۔

کوئی بات نہیں ارمینہ مجھے اس سے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ عمر سمجھ دار تھا۔

شاید اس سال امتحان نہ دے پاؤ تم... اتنے وقت میں پہلی بار اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے تھے۔

ایسا کیوں؟ وہ واضح طور پر خوف زدہ ہوا تھا۔

کیوں کہ اس سے تم اپنے ذہن پر دباؤ لو گے اور خون کا دباؤ بڑھے گا... تمہاری بیماری بگڑ سکتی ہے۔یہ رِسک ہے

عمر... اس نے کچھ بھی نہیں بولا بس گردن جھکا لی تھی اور وہاں سے چلا گیا۔ارمینہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

غم اس دنیا کے ہر انسان کے پاس تھے کسی کے پاس کم کسی کے پاس زیادہ مگر ہر ایک کو اپنا غم ہی زیادہ لگتا ہے۔

ایک وہ تھی جسے کسی نے سخت الفاظ کہہ دیئے تو وہ ایک ہفتہ اسی کا غم مناتی رہی اور ایک عمر تھا جس کی امید چھین لی گئی تھی اور وہ ایک بھی لفظ کہے بغیر ایک بھی آنسو بہائے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔وہ یا تو بہت مضبوط تھا یا بہت کمزور، ارمش کہتا تھا اس کا دل بہت نرم ہے ذرا ذرا سی بات پر بچوں کی طرح روتا ہے مگر ارمینہ کو وہ بہت مضبوط لگا تھا۔

وہ باہر آئی تو اسے ارمش آتا ہوا دکھائی دیا تھا، وہ اس سے سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔لہٰذا پیچھے ہو کر اس کے ہال کی طرف جانے کا انتظار کرنے لگی۔جب وہ اندر چلا گیا تو وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔دروازے پر پہنچنے پر اسے پیچھے سے ارمش کی آواز آنے لگی۔وہ اسے پکار رہا تھا۔اس کا دل چاہا کہ وہ رک جائے پر وہ رکی نہیں۔ اگر وہ معافی مانگنا چاہتا تھا یا اس بات پر شرمندہ تھا کہ اس کا جھوٹ پکڑا گیا ہے تو

اسے اس کی معافی کی ضرورت نہیں ہے... اس نے سوچا اور چلتی رہی۔وہ قدم باہر نکال رہی تھی جب اس کے کہنی سے پکڑ کر اسے روکا تھا۔

کہاں جا رہی ہو؟ رک تو جاؤ کب سے چلا رہا ہوں۔ وہ اس کے بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔اس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو روکے تھے۔

تم اپنا موبائل بھول کر جا رہی تھیں... یہ ٹیبل پر پڑا تھا۔ وہ اس کا موبائل اس کے آگے کرتے ہوئے بولا تھا۔ارمینہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔اس کی ساری خوش فہمیاں ہوا ہو گئی تھیں۔وہ اس سے معافی مانگنے نہیں آیا تھا۔اس نے ایک جھٹکے سے اپنا موبائل اس کے ہاتھ سے لیا اور بنا کچھ کہے پلٹ گئی تھی۔

ارمینہ؟ اس کا رویہ ارمش کو حیران کر رہا تھا۔

عمر بیمار ہے اسے کوئی کام مت دینا آرام کرنے کا کہنا باقی تفصیل ڈاکٹر فاروق بتا دیں گے اس نے مڑے بنا بس اتنا کہا اور چلی گئی تھی۔وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا تھا۔

اسے کیا ہوا؟ اس نے خودکلامی کی اور پھر عمر کے بارے میں سوچتا ہوا اندر آگیا۔ وہ عمر کے بیڈروم میں آگیا جہاں عمر کے ساتھ تین اور لڑکے سوتے تھے۔اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وقت کیوں کہ سب کھانے کی تیاری کر رہے تھے اس لیے عمر اکیلا اپنے بیڈ پر لیٹا چھت کو تک رہا تھا۔

عمر۔ ارمش کی آواز پر بھی اس نے ارمش کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

عمر کیا ہوا ہے تمہیں؟ بیمار ہو؟ ارمش اب اس کے قریب آگیا تھا۔اس نے ایک نظر ارمش پر ڈالی اور اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

پھر اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ارمینہ کا دیا ہوا لفافہ ارمش کو دے دیا۔

ارمینہ دے کر گئی ہے آپ کو دینے کے لیے۔ ارمش لفافہ دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ وہ رقم تھی جو اس نے ارمینہ کو بھجوائی تھی اس نے لفافہ جیب میں ڈالا اور عمر کی جانب ایک بار پھر متوجہ ہو گیا۔

ارمینہ کہہ رہی تھی کہ مجھے کوئی بیماری ہے۔میں شاید اس سال امتحان نہ دے پاؤں۔ ارمش کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

کیا مطلب؟ کیا بیماری؟ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔عمر خاموش رہا تھا۔

چلو آؤ ڈاکٹر فاروق کے پاس چلتے ہیں۔ وہ عمر کو لے کر ڈسپنسری آگیا تھا۔

ڈاکٹر فاروق عمر کو کیا ہوا ہے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمش اسے شریانوں کی بیماری ہے خون کا دباؤ بڑھنے کی وجہ سے اس کی شریانوں میں سے خون رستا ہے اور باریک باریک perforations ہونے لگتی ہیں... اور اس کی وجہ... بہت سی ہیں مگر سب سے اہم ہے چند وائٹمنز کی کمی اور خاندان میں جینز کا ہونا... اور علاج... ممکن ہے مگر لمبے عرصے تک چلے گا... مجھے افسوس ہے مگر یہ امتحان نہیں دے پائے گا... کیوں کہ ابھی اس کے ہاتھ پاؤں اور سطحی طور پر یہ شریانیں رہتی ہیں اگر خدا نہ کرے دل یا دماغ میں ایسا ہونے لگا تو معاملات بگڑ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر فاروق کہہ چکے تو اس نے عمر کی طرف دیکھا جیسے اسے سمجھانا چاہتا ہو مگر الفاظ نہ ہونے کی وجہ سے خاموش تھا۔

ڈاکٹر فاروق میں نے امتحان نہ دیئے تو میں زیادہ ٹینشن میں رہوں گا آپ نہیں جانتے میں نے کتنی محنت کی ہے۔مجھے کتنی امیدیں ہیں ان تین مہینوں میں میں نے نہ دن دیکھا نہ رات... زندگی میں میں نے اپنے آپ کو کسی بھی چیز کے لیے کبھی بھی اس طرح خود کو ختم کر کے اس کے پیچھے بھاگتے نہیں دیکھا... حد تک کہ رزق کے لیے بھی نہیں... میں اگر امتحان میں نہ بیٹھ پایا تو شاید یہی سوچتے اپنی بیماری کو بڑھا بیٹھوں گا۔اگر امتحان دے دیئے تو واقعتا پرسکون رہوں گا... اجازت دے دیں مجھے پلیز... وہ سر جھکائے بول رہا تھا اور ڈاکٹر فاروق سوچ میں پڑ گئے تھے۔

ایسا کرتے ہیں ارمینہ سے ڈسکس کرتے ہیں پھر فیصلہ کریں گے۔ انہوں نے مسکرا کر عمر کو کہا تو وہ گردن ہلاتا ہوا اٹھ گیا۔

عمر۔ ارمش نے اسے آواز دی تو وہ پلٹا تھا۔

جی؟

اگر یہ سب تم میری وجہ سے کر رہے ہو... تو مت کرو۔ عمر کی آنکھ میں ٹھہرا ایک آنسو چھلک گیا تھا۔

نہیں... میں سب اپنے لیے کر رہا ہوں ارمش بھائی۔ کہہ کر وہ چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد اس نے ڈاکٹر فاروق سے مزید تفصیلی گفتگو کی تھی۔

☆...☆...☆

وہ گھر پہنچی تو کسی ٹرانس میں تھی۔اس کے ذہن پر صرف عمر سوار تھا۔اس نے دیکھا تھا عمر نے کتنے دل سے امتحانوں کی تیاری کی تھی۔

ارمینہ آگئی۔ پاپا اس کے آنے پر کمرے سے باہر آگئے تھے۔

پاپا ایک بات کہوں؟

ہاں بیٹے؟

ہم شکرپاراں نہیں جاتے۔ وہ اس کے جملے پر یک دم پریشان سے ہو گئے تھے۔

کیوں کیا ہوا؟

عمر ہے ناں... اسے ایک بیماری ہو گئی ہے جس کا آج ہی پتا چلا... اس کی طبیعت ٹھیک نہیں اور اس کے امتحان سر پر ہیں... دل عجیب سا ہو رہا ہے۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے بہت تھکے ہوئے انداز میں کہا تھا وہ اپنی بیساکھی کے سہارے چلتے اس کے قریب آگئے تھے۔

اگر تمہارا دل نہیں ہے تو ہم نہیں جاتے۔

بلکہ چلتے ہیں۔ وہ اچانک کوئی خیال آنے پر بولی تھی۔

کیوں کہ پاپا وہاں میری ایک دوست ہے جو ایسی بیماریوں پر ریسرچ کر رہی ہے تو میں اس سے بھی مل لوں گی... ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔

اچھا چلو پھر چلتے ہیں۔ وہ لوگ شام تک شکرپاراں پہنچ گئے تھے وہ شکر پاراں میں ایک گیسٹ ہاؤس میں ایک فلور پر رکے تھے جو پاپا کے کسی فوجی دوست کا تھا۔ انہیں وہاں پہنچے آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا جب ڈاکٹر فاروق کا فون آیا تھا۔اس کی سانس تقریباً رک گئی تھی۔ کہیں عمر کو کچھ... اس نے ڈرتے ڈرتے فون کان سے لگایا۔

ارمینہ ایک بات ڈسکس کرنی تھی تم سے۔ اسے کچھ اطمینان ہوا پھر انہوں نے ساری بات اسے تفصیل سے بتا دی تھی۔وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

ڈاکٹر فاروق... تہمینہ شکرپاراں میں ہے آپ کو یاد ہو گی تہمینہ میں اس سے پوچھ کر اور اس سے بات کر کے آپ کو بتاتی ہوں۔ تہمینہ ان کی مشترکہ کولیگ تھی اس لیے وہ بھی اس سے واقف تھے۔

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد وہ لوگ قبرستان گئے تھے۔وہ جب بھی وہاں جاتی بہت دیر تک دل بھر کر رویا کرتی تھی۔پاپا اس کے برعکس رویا نہیں کرتے تھے۔وہ بس ایک کونے میں بیٹھ کر ان دونوں قبروں کو دیکھتے رہتے۔ واپس آکر وہ تہمینہ سے ملنے گئی تھی۔تہمینہ نے اسے عمر کے امتحان کی رضا مندی ظاہر کی تھی۔وہ لوگ اسی دن کے بجائے اب اگلی صبح واپس آرہے تھے۔

ارمینہ میرا فون نہیں اٹھا رہی عمر... اسے کیا ہوا کل بھی مجھ سے عجیب طرح بات کر رہی تھی۔ وہ دونوں دالان میں ایک درخت سے ٹک کر بیٹھے تھے جب ارمش نے اس سے پوچھا تھا۔

اچھا؟ پتا نہیں کل مجھ سے تو پوچھ رہی تھی آپ کے بارے میں۔

کیا پوچھ رہی تھی؟

یہی کہ آپ آخری بار کب آئے تھے میں نے بتایا آپ نے فون کر کے چیزیں اور دواؤں وغیرہ کا بتایا تھا۔

اب کیا ہو گیا پھر اسے؟

رہنے دیں... پریشان ہو گی یا پھر آپ نے کچھ کہہ دیا ہو گا جس کی وجہ سے وقتی غصے میں ہو گی...

نہیں یار... ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا اس سے بات ہی نہیں ہوئی میری جب سے سڈنی گیا ہوں۔

پتا نہیں پھر... عمر نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

ویسے وہ بہت کیوٹ ہے... نہیں عمر نے کہا تو اس کی بات پر مسکرا دیا۔

بہت ضدی بھی ہے۔ ارمش نے ترکی بہ ترکی کہا تھا۔

اسے سوٹ کرتا ہے۔

بہت زیادہ بولتی ہے۔

اچھا بولتی ہے۔

ضرورت سے زیادہ حساس ہے۔

اس کا حق ہے۔

ضرورت سے زیادہ معصوم ہے، رکشے والے کو اپنے ایئرنگز اتار کر دے رہی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ایمان دار اور خوددار ہے۔

اتنی تعریفیں کیوں کر رہے ہو اس کی عمر؟

deserve کرتی ہے سچ کہہ رہا ہوں... اس کے منہ پر کروں گا تو اترائے گی اس لیے چھپ کر کر رہا ہوں... میں نہیں چاہتا وہ مغرور ہو جائے۔ عمر کے اس دل چسپ تبصرے پر ارمش ہنس پڑا تھا۔

اور آپ اس کی برائی کیوں کر رہے ہیں؟ وہ خفا سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

برائی کہاں... میں تو اس کی شخصیت کے حقائق بتا رہا ہوں۔جانتے ہو ان ہی حقائق کی وجہ سے وہ اتنی مکمل سی لگتی ہے... یہ تمام چیزیں اسے ویسا بناتی ہیں جیسی وہ ہے... عزت اور احترام کے قابل... محبت کیے جانے کے لائق۔ وہ کسی ٹرانس میں کہتا چلا جا رہا تھا۔

اچھی لگتی ہے وہ آپ کو؟ عمر نے اس سے وہی سوال کر لیا تھا جو وہ خود سے بھی اکثر کرتا تھا۔

ہاں! جیسے تمہیں اچھی لگتی ہے ویسے ہی مجھے بھی اچھی لگتی ہے... وہ ہے ہی اچھی۔ اسے بتاؤں گا کہ آپ اس کی تعریف کر رہے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مت بتانا ورنہ وہ اترائے گی... میں نہیں چاہتا وہ مغرور ہو جائے۔ وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

پتا نہیں ان تینوں میں ایسا کیا تھا کہ جب عمر اور ارمش اکٹھے ہوتے تو ارمینہ کو نہیں بھولتے تھے۔وہ جیسے نہ ہو کر بھی ان کے بیچ رہتی تھی، کبھی وہ اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے وقت گزار دیتے اور کبھی یہ سوچ کر اسے کب اور کیا بول کر تنگ کیا جا سکتا ہے۔مگر کسی نہ کسی طرح وہ ان کے بیچ ہوتی تھی۔جس طرح ہوا میں خوشبو... آنکھوں سے اوجھل مگر محسوس کی جانے والی۔

☆...☆...☆

سڈنی جانے سے پہلے ارمش بیمار بھی تھا اور مصروف بھی، اس کے پاس کمپنی کا بھی ڈھیروں کام تھا۔وہ اسی میں مصروف تھا جب ارمینہ کی کال آئی تھی اور اس سے بات کرنے کے بعد اگلی صبح اسے ڈینیل ہیریسن کی میل موصول ہوئی تھی۔ ڈینیل کی فیملی جس میں اس کی بیوی اور بیٹی تھے ایک کار ایکسیڈنٹ میں دنیا سے چلے گئے تھے۔اس سے میل پڑھ کر رہا نہیں گیا اور وہ اگلی فلائٹ سے سڈنی چلا گیا۔وہ funeral کے بعد بھی سڈنی میں ہی رہا تھا۔اس نے ڈینیل کی حالت دیکھتے ہوئے funeral کے سارے انتظامات خود سنبھالے تھے اور funeral کے بعد بھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ سڈنی میں ہی رہا تھا اور چار پانچ دن پھر کر وہ واپس آگیا تھا۔ اس کے بعد وہ کمپنی کی مصروفیات میں ایک بار پھر غرق ہو گیا تھا۔اسے خبر تک نہیں تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں بابا نے ارمینہ سے کوئی ملاقات کی تھی، اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ارمینہ اس کے گھر آئی تھی۔وہ سڈنی گیا تھا مگر اس کے جانے کو بہت غلط انداز میں پیش کیا گیا تھا اور اسے خبر تک نہیں تھی۔ اسے لگا تھا ارمینہ کے اس سلوک کی وجہ شاید عمر کی طبیعت تھی، وہ نہیں جانتا تھا ارمینہ نے اس سے ہر تعلق ختم کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

وہ گھر آیا تو سیدھا اسٹڈی چلا گیا۔اسے پتا تھا بابا اس وقت گھر پر نہیں ہوں گے اسی لیے اسٹڈی خالی تھی۔وہ اس وقت اکیڈمی چلے جاتے تھے۔اسے بابا کی اسٹڈی سے کسی کتاب کی ضرورت تھی۔تو وہ وہی ڈھونڈ رہا تھا۔ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ ایک شیلف تک چلا گیا تھا جو قدرے پیچھے کی طرف تھا۔اس نے ان کتابوں کا نام پڑھا تو حیران رہ گیا تھا۔وہ بہت پرانی مگر اب بہت نایاب کتابیں تھیں جو بابا نے دنیا بھر سے اکٹھی کر رکھی تھیں۔ان ہی میں سے ایک کتاب کو نکال کر وہ اس کا جائزہ لینے گا، پھر دوسری، پھر تیسری ایک ایک کر کے اس نے سات کتابیں نکال تھیں اور ان کی دھول اور گرد صاف کرنے لگا۔ایک کتاب پر آکر اس کے ہاتھ ٹھہر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گئے تھے۔اس کتاب پر گرد نہیں جمی تھی۔اسے حیرت ہوئی، یہ کتاب بابا بہت پہلے پڑھ چکے تھے پھر اس پر گرد کیوں نہیں تھی... ایک سپاہی کی کہانی۔ اسے یاد آیا وہ کتاب بھی ایسی ہی تھی یا شاید یہی تھی اس بات کو بہت سال گزر چکے تھے مگر وہ قصہ اسے اتنی تکلیف پہنچاتا تھا کہ اسے اس رات کی ہر بات پوری تفصیل کے ساتھ یاد تھی۔یہ وہی کتاب تھی مگر اب بھی اسی طرح یہاں موجود تھی۔وہ کتاب کھول کر پڑھنے لگا تھا مگر وہ کسی کی کہانی نہیں تھی بلکہ اس میں دنیا کے چند عجائب گھروں کی تفصیلات تھیں۔ایسی تفصیلات جو عام لوگوں کو معلوم نہیں تھیں اور اس کے مصنف نے بہت معلومات حاصل کرنے کے بعد اسے لکھا تھا۔

شاید میں غلط سوچ رہا ہوں ہو سکتا ہے یہ کوئی اور کتاب ہو۔ وہ سوچ کر کتاب رکھنے لگا جب اس میں سے ایک تصویر اس کے قدموں میں آگری تھی، اس نے تصویر اٹھائی تھی اور اس کے پیچھے لکھے نام کو پڑھا۔جسے پڑھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔

ارمینہ سرفراز محمود۔ اس نے زیرلب دہرایا اتھا اور پھر ساکت ہو گیا۔اس نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا، وہ چھے یا سات سال کی بچی کی تصویر یقینا ارمینہ کی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس کے چہرے کو دیکھ کر یہ بات واضح تھی اور نیلی آنکھیں وہ ان نیلی آنکھوں سے دھوکا کھا ہی نہیں سکتا تھا۔یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کی آنکھیں نہ پہچانتا۔

ارمینہ اور بابا کا کیا تعلق ہے...؟

وہ اسے پہلے سے جانتے ہیں...؟

سرفراز... ...

ارمینہ سرفراز... ...

انکل سرفراز... ...

پیراٹروپر سرفراز محمود... کڑیاں ملنے لگی تھیں۔ ...

پاپا کہتے ہیں ہر پاکستانی کا سب سے پسندیدہ رنگ سبز اور سفید ہونا چاہیے... سبز اور سفید... اسے ہوا میں پھیلا ہوا دھواں یاد آیا اور آنکھوں کی وہی منفرد چمک یاد آئی تھی۔

تم آتے ہو تو اچھا لگتا ہے ارمش۔ شفقت بھری آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

مجھے وہ لڑکی پسند نہیں ہے۔ آخر میں اس کا ذہن بس اس ایک جملے پر اٹکا تھا...

مجھے وہ لڑکی پسند نہیں ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کیوں؟ آپ کو ارمینہ پسند کیوں نہیں ہے پاپا؟ جب آپ اس کی تصویر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اسے یاد رکھ سکتے ہیں، اس کی ایک جھلک میں اسے پہچان سکتے ہیں تو پھر وہ آپ کو پسند کیوں نہیں ہے۔ اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔پزل کا ایک ٹکڑا کہیں مسنگ تھا۔وہ اسے ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ارمینہ سرفراز محمود کی تصویر کی یہاں موجودگی کی ہر وجہ جاننا چاہتا تھا۔وہ اگلے ہی پل اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے لیے گھر سے باہر کا رخ کر رہا تھا۔

☆...☆...☆

فلیش کی ایک ہلکی سی چمک اس کی نیلی آنکھوں کو مزید چمک دار بنا گئی تھی۔اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اس طرف کوئی نہیں تھا۔آج اس کے اسکول کا annual day تھا۔شام کے پانچ بجے تھے اور فنکشن بھی ختم ہو گیا تھا۔وہ فیری ٹیل کے پلے میں فیری تو نہیں بن پائی تھی مگر فیری کی سب سے اچھی دوست کا کردار اس کا تھا۔پنک کلر کی خوبصورت سی فراک پہنے، کٹے بالوں کی پونی باندھے وہ اسکول کے گیٹ پر کھڑی پاپا کا انتظار کر رہی تھی۔وہ کچھ ناراض ناراض سی لگ رہی تھی شاید اس لیے کہ پاپا annual day پر نہیں آئے تھے مگر سامنے بھٹے والے کو دیکھ کر وہ اچانک کھل اٹھی۔اس نے چوکی دار سے کوئی سفارش کی تھی کیوں کہ وہ اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کے کان میں آہستہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔چوکی دار کا گیٹ سے ذرا سا بھی ہلنا منع تھا مگر نجانے اس نے چوکی دار کو کیا لالچ دی تھی کہ وہ سب سے نظر بچاتا اس کے لیے بھٹا لینے چلا گیا تھا۔وہ اندر ہی دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔چوکی دار نے اس کو بھٹا لا کر دیا تو اس نے چوکی دار کے ہاتھ سے بچے ہوئے پیسے لے کر انہیں اپنے بیگ کی چھوٹی سی زپ میں ڈال دیا اور اسے جلدی سے بند کر دیا۔پھر وہ بھٹا کھانے لگی۔بھٹا اس کے حساب سے کافی بڑا تھا اور کچھ اس کے دانت بھی کم تھے تو وہ مشکل سے کھا رہی تھی مگر اسے پھر بھی مزہ آرہا تھا۔

اس نے بھٹے کے چند ہی دانے کھائے تھے جب اچانک اس کی سانس اکھڑنے لگی۔ اس کے ہاتھ سے بھٹا چھوٹ کر نیچے جا گرا، اس کی آواز بھی اس کے گلے سے نکل نہیں پا رہی تھی چند لمحوں میں ہی اس کا سارا بدن لال ہونے لگا۔احمد فوراً گاڑی سے اترا اور اسکول کے دروازے تک آگیا تھا۔

اسے کیا ہو رہا ہے؟ اس کے ہاتھوں کو سہلاتے وہ چوکیدار سے پوچھ رہا تھا جو خود ہونق بنا کھڑا تھا۔

پتا نہیں جی ابھی تو ٹھیک ٹھاک تھی۔

میں اسے ہسپتال لے جا رہا ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں جی بچی کو ہم اس کے والدین کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں بھیجتے۔

اسے کسی کو تو لے جانا ہو گا ناں ہسپتال! اگر اس کے پاپا کو دیر ہو گئی تو تم کیا دیکھتے رہو گے۔ اتنی دیر میں اسکول کا عملہ دروازے تک آیا تھا۔

دیکھیں میں اسے لے جا رہا ہوں آپ یہ میرا شناختی کارڈ گارنٹی کے طور پر رکھ سکتی ہیں، جب آپ کو تسلی ہو جائے میں لے لوں گا۔ انہیں شاید کچھ اعتبار ہوا تو انہوں نے جانے کی اجازت دے دی۔اس نے اسے گود میں اٹھایا اور گاڑی میں بٹھا کر اسے ہسپتال لے گیا۔اسے کارن سے الرجی تھی۔ڈاکٹر نے اسے انجکشن دیئے تو اس کی حالت بہتر ہو گئی۔اس نے ہسپتال کا بل دیا اور پھر اسکول فون کیا۔

بچی کے پاپا یہاں آئے تھے ہم نے انہیں ہسپتال کا نام بتا دیا ہے وہ آرہے ہیں۔

آپ کا شکریہ۔ اس نے فون رکھ دیا۔وہ سرفراز کے آنے سے پہلے ہی وہاں سے آگیا تھا۔آنے سے پہلے اس نے بیڈ پر لیٹی ارمینہ کو ایک نظر دیکھا تھا جو بیڈ پر لیٹی سو رہی تھی اور وہ اس کے برابر میں کھڑا تھا، پھر کچھ بھی کہے بغیر اسے سوتا چھوڑ کر وہ چلا گیا تھا۔

وہ ارمینہ کے اسکول کے پاس موجود ایک گھر کی لوکیشن دیکھنے آیا تھا، جسے خریدنے کا اس کا ارادہ تھا۔اسی وجہ سے اس کے ساتھ اس کا کیمرہ بھی تھا کہ وہ تصویریں

لے کر ثمینہ اور بچوں کو بھیج سکتا جو اس وقت سڈنی میں تھے۔تب ہی اس کی نظر ارمینہ پر پڑی تھی اور اسے لگا وہ ارمینہ کو نہیں انابیہ کو دیکھ رہا ہے۔نجانے کیا سوچ کر اس نے کیمرہ اٹھایا اور اس کی تصویر کھینچ لی تھی، اسی وقت سڑک پر کھیلتے بچوں میں سے ایک کے گرنے پر وہ خوب ہنسی تھی تب ہی اس کے کیمرے نے اس کا چہرہ اپنے اندر اتار لیا تھا۔

ہسپتال سے آنے کے بعد اس نے وہ تصویر بنوا کر اپنی اسٹڈی کی ایک کتاب میں رکھ دی تھی۔عجیب بات یہ تھی کہ جب انہیں انابیہ یاد آتی وہ اس تصویر کو دیکھنے لگتے اس تصویر میں زندگی تھی، ہنسی تھی، خوشی تھی جو شاید ان کی زندگی سے روٹھ چکی تھی۔وہ پہلے رشک سے اسے دیکھتے پھر حسد سے...

کیسے اتنی زندگیاں اجاڑ کر،اتنے لوگوں کی ہنسی چھین کر اتنا کھل کر ہنس سکتی ہے ؟۔

پھر غصہ آنے پر واپس اس تصویر کو اسی کتاب میں حفاظت سے چھپا کر، کتاب کو پیچھے کر کے رکھ دیتے... یہ ان کا معمول تھا۔

☆...☆...☆

وہ سیدھا اکیڈمی آیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ بابا اسے نہیں مل سکتے تھے۔

وہ تو آج نہیں آئے بیٹا۔ ان کے کسی دوست نے انہیں بتایا۔وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھا۔اس نے موبائل نکال کر انہیں کال کی۔

ہیلو بابا... آپ کہاں ہیں۔ کچھ دیر سلام دعا کے بعد اس نے فوراً پوچھا تھا۔

کراچی میں نہیں ہوں... شکر پاراں آیا ہوں۔

اس طرح بغیر کسی کو بتائے...

بابا؟ ہاں سوچا تھا پہنچ کر فون کر دوں گا... بھول گیا۔

آپ واپس کب آئیں گے مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔

کچھ کہہ نہیں سکتا میں۔

میں وہاں آجاؤں؟

تم یہاں کیسے آسکتے ہو؟ میں یہاں ضروری کام سے آیا ہوں۔

آپ سے بات کر کے چلا جاؤں گا۔

فون پر کر لو...

نہیں فون پر نہیں... آپ کو کچھ دکھانا بھی ہے۔

ٹھیک ہے آجاؤ... میں شکرپاراں والے گھر میں ہی ہوں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس نے فون رکھ دیا۔اسے سمجھ نہیں آتا آخر شکرپاراں والے گھر میں ایسا بھی کیا تھا کہ بابا ہر مہینے وہاں جاتے تھے۔آج وہ ان سے جواب لینے جا رہا تھا۔

ارمش کو شکرپاراں کے قبرستان کے بارے میں اتنا ہی علم تھا کہ وہاں اس کی پھپھو کی قبر تھی اور ساتھ ہی امی جی کی بھی قبر تھی جنہیں وہ جانتا نہیں تھا مگر اسے یہ پتا تھا کہ بابا ان کی بہت عزت کرتے تھے۔وہ شکرپاراں جانے سے پہلے ہیری ہوم کا ایک چکر لگانے آیا تھا، اسے عمر کی فکر تھی۔عمر وہاں نہیں تھا، دس منٹ اس کا انتظار کرنے کے بعد وہ اسے ہاتھ میں ایڈمیشن کارڈ لیے آتا دکھائی دیا۔

تمہیں بھی صبر نہیں ہے عمر۔ وہ مصنوعی خفگی سے اسے کہہ رہا تھا۔

میں جانتا ہوں ارمینہ اجازت دے دے گی۔

تمہاری طبیعت ٹھیک ہے ناں؟

ہاں بالکل وہ مسکرایا تھا۔جواباً ارمش نے بھی مسکرا کر اسے گلے لگا لیا۔

☆...☆...☆

وہ شکرپاراں کی ایک دکان سے ناریل کی مٹھائی لے رہی تھی۔تھوڑی ہی دیر میں ان کی واپسی تھی۔وہ جانتی تھی پاپا کو یہ مٹھائی بہت پسند تھی۔پاپا خود سے آکر یہاں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سے مٹھائی نہیں لیتے تھے۔وجہ وہ سمجھنے سے قاصر تھی مگر جب وہ شکرپاراں آتی ان کے لیے مٹھائی ضرور لیتی تھی۔

صبح صبح کا وقت شکرپاراں کے حسن کو نکھار دیتا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے چل رہی تھی جب اس نے سامنے سے آتی گاڑی میں ارمش کو بیٹھے دیکھا۔وہ میکانکی انداز میں اس کے پیچھے جانے لگی مگر ایک پتھر سے ٹکرا کر اس کی چپل ٹوٹ گئی۔وہ اس کی گاڑی کو گزرتے دیکھتی رہی۔وہ اس کے پیچھے کیوں جا رہی تھی؟ اسے خود پر غصہ آیا تھا پھر اسے چپل پر غصہ آیا تھا۔وہ اب کسی رکشے کا انتظار کرنے لگی کیوں کہ اب وہ پیدل نہیں جا سکتی تھی جب ارمش کی گاڑی واپس اس کے سامنے آ کر رک گئی۔

ارمینہ؟ اس نے حیرانی سے شیشہ نیچے کر کے ارمینہ کو دیکھا۔وہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ارمینہ اسے یہاں دکھ سکتی ہے۔

تم یہاں کیسے؟

پاپا کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں ارمش کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اچھا آؤ اندر تو آؤ۔

نہیں میں چلی جاؤں گی، رکشہ مل جائے گا۔ اس نے ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

صبح سات بجے رکشے کم ہی ملتے ہیں اور گاڑی میں کیا مسئلہ ہے؟ ارش نے اسے چھیڑا تو ارمینہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

مسئلہ گاڑی میں نہیں، تم میں ہے تمہارے ساتھ تمہاری موجودگی میں ہے۔ وہ پھٹ پڑنے کو تیار تھی تو وہ پھٹ پڑی تھی اور وہ حیران سا اسے تکے جا رہا تھا۔

سن لیا ہے؟ اب جا سکتے ہو۔

ارمینہ کیا ہوا ہے اس طرح کیوں بات کر رہی ہو؟

میں نے کہا ناں میں چلی جاؤں گی۔ وہ آگے بڑھ کر ایک رکشے کو ہاتھ دے رہی تھی اور اپنی چپل اتار کر اب ننگے پاؤں رکشے تک جا رہی تھی۔ارمش کو ہوش آیا تو وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف آیا تھا۔

ارمینہ بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟ وہ رکشے میں بیٹھنے لگی تو اس نے اسے روک کر کہا اور ساتھ ہی رکشے والے کو بھیج دیا، ورنہ وہ اپنی ضد میں اسی میں جا کر بیٹھ جاتی۔

تمہاری پرابلم کیا ہے؟ تم چاہتے ہو ناں کوئی تمہاری لائف میں دخل اندازی نہ کرے تو اب کیا مسئلہ ہے؟

پہلے تم ریلیکس ہو جاؤ اور چلانا بند کرو۔ اس بار وہ کچھ سختی سے بولا تھا۔ارمینہ کے ہاتھ پاؤں اچانک ہی ٹھنڈے پڑنے لگے تھے، وہ خاموش ہو گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گڈ... اب گاڑی میں بیٹھو۔

میں نہیں بیٹھوں گی... ویسے بھی پاس ہی گیسٹ ہاؤس ہے میں چلی جاؤں گی۔ وہ اب بھی اسی انداز میں بولی اور ننگے پیر چلنے لگی۔وہ اس کی ڈھٹائی پر ششدر رہ گیا تھا۔

ارمینہ گاڑی میں بیٹھو پلیز۔ اس نے ایک آخری کوشش کی تھی۔

تم سے کہا ناں نہیں بیٹھنا مجھے۔ یہ اس کے صبر کی حد تھی۔وہ مڑا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ارمینہ نے اپنے پیچھے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور پھر پلٹ کر گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھا...

رکشے کو بھی بھیج دیا... اب پتا نہیں اتنی صبح اگلا رکشہ کب آئے گا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی چلنے لگی تھی۔ساتھ ہی ایک بڑا سا گارڈن تھا جہاں پانی کے راستے کو کاٹ کر ایک نہر بنی ہوئی تھی۔وہ میکانکی انداز میں وہاں آگئی۔اسے فکر نہیں تھی کہ وہ ننگے پیر تھی اور لوگ اسے اور اس کے پیروں کو دیکھ رہے تھے۔وہ چلتی ہوئی نہر کے کنارے آ بیٹھی تھی۔ صبح کے وقت وہاں زیادہ تر لوگ ورزش یا جاگنگ کی غرض سے آئے ہوئے تھے جو تعداد میں کم تھے اور نہر کی طرف تقریباً سناٹا تھا۔وہ بیٹھے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بیٹھے رونے لگی تھی۔وجہ سے بے خبر اور اردگرد کے ماحول سے لاتعلق وہ روتی گئی۔

امی لوگ ایسے کیوں ہوتے ہیں؟ وہ کیوں ہمارے ساتھ ایسا کرتے ہیں؟ کسی کا دل دکھا کر کیسے چین سے رہ سکتے ہیں؟ اس کی ہچکیاں بڑھتی گئی تھیں۔

کیوں کہ ہم انہیں موقع دیتے ہیں۔ ارمش کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی تھی۔پھر خاموشی سے گردن گھما کر واپس نہر کے پانی کو دیکھتی رہی جیسے تھک گئی ہو۔وہ چلتا ہوا اس کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا ان دونوں کے بیچ میں اس کی ٹوٹی ہوئی چپلیں رکھی تھیں۔

اب بتاؤ مجھے کہ میں نے کیا کیا ہے جس کی وجہ سے تم اتنا رو رہی ہو۔ بہت نرمی اور بہت تحمل سے اس نے پوچھا تھا۔ارمینہ نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو پوچھے تھے۔

تم اپنی زندگی میں کسی کو بھی ایک مخصوص فاصلے سے آگے دیکھنا نہیں چاہتے ہو۔ تمہارے اردگرد ایک دیوار ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی مگر وہ ہے، جس کے اس پار کوئی نہیں جا سکتا... تم کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔وہ ہر بار اس کے آگے ہتھیار ڈال دیا کرتی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تم اس بات پر رو رہی ہو؟

نہیں... تمہیں حق ہے اس بات کا... مگر تم لوگوں کو خود سے فاصلے پر رکھنے کے لیے ان سے جھوٹ نہیں بول سکتے، انہیں اس طرح بے عزت نہیں کر سکتے، تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ تم کسی کی ذات کے غرور کو تار تار کر کے رکھ دو... وہ سامنے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

اور اب یہ بھی بتا دو کہ میں نے ایسا کب کیا؟

تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، تم اصل میں سڈنی چلے گئے تھے کسی کو بھی بتائے بغیر، میں نے تمہیں فون کیا تب تم نے مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کی، بعد میں میں تمہارے گھر آئی صرف تمہاری خیریت پوچھنے کی خاطر کہ تم ہیری ہوم بھی نہیں آ رہے، تب پتا چلا کہ تم تو پاکستان میں ہو ہی نہیں... اچھا جھوٹ بولا تھا تم نے بیماری کا مگر میں جانتی ہوں تم مجھے avoid کر رہے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ تمہیں اہمیت دینے لگی تھی... جو کہ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا، ضروری نہیں ہے کہ اگر میں کسی کو اہمیت دوں تو سامنے والا بھی مجھے اتنا ہی اہم سمجھے... مگر... تمہیں مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا... اگر لاتعلقی اختیار کرنی تھی تو صاف کہتے مجھ سے کہ ارمینہ مجھے تم سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ملنا پسند نہیں مگر اس طرح مجھے خوار کر کے مجھے جھوٹ بول کر اپنی انا کی تسکین کرنے کا حق نہیں تھا تمہیں...

وہ چُپ ہوئی تو اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔اس نے ارمش کی جانب نہیں دیکھا تھا... وہ ہنوز نہر کے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

تم سے یہ کس نے کہا تھا کہ میں بیمار نہیں ہوں یا میں تمہیں avoid کر رہا ہوں؟ تمہارے بابا نے۔ ارمینہ کی اس بات پر ارمش ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اب وہ دونوں سامنے دیکھنے لگے تھے دھند کی وجہ سے زیادہ دور کا منظر دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

پہلی بار بات تو یہ کہ میں بیمار تھا... میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں کہا... رہا سوال سڈنی جانے کا تو ڈینیل کی فیملی کی ایک ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی، اچانک اس لیے میں صبح ہی سڈنی چلا گیا کسی کو بتانے کا میرے پاس وقت نہیں تھا... میں ایک ہفتہ وہیں تھا اور funeral اور باقی تمام کاموں میں ڈینیل کی مدد کر رہا تھا... اور یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے تم سے بات کرنا یا ملنا پسند نہیں یا میرا ارادہ تمہیں بے عزت کرنے کا یا اپنی انا کی تسکین کرنے کا تھا...؟ ارمینہ نے گردن گھما کر ارمش کو دیکھا تھا اور وہ اپنا نچلا ہونٹ کاٹنا شروع کر دیا...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمینہ کوئی ہمیں کتنا دکھی کر سکتا ہے یا کوئی ہمیں دکھی کر سکتا ہے بھی کہ نہیں، اس کا دارومدار ہم پر ہے۔اگر ہم چیزوں کو منفی رُخ سے دیکھیں گے تو ہمیں ہر چیز اپنے خلاف ہی ملے گی... مجھے بتاؤ کیا تمہیں کبھی اس سے پہلے ایسا محسوس ہوا کہ میں تمہیں اگنور کر رہا ہوں؟

ہاں اس بار ارمش ششدر رہ گیا تھا۔

کب؟

جب تم ایگزیبشن لے کر گئے تھے مجھے... تم نے میری پرابلم جاننے پر استفسار کیا ہی نہیں... بس گھومنے کی پڑی تھی تمہیں۔ وہ حیران ہوا، اسے اتنی پرانی اور معمولی بات بھی یاد تھی۔

کیوں کہ محترمہ میں جانتا تھا کہ آپ مجھے بتائیں گی نہیں۔

تو تم پوچھتے تو... اس دن میں سمجھ گئی تھی تمہیں میرے ایشوز سے کوئی فرق نہیں پڑتا... وہ افسردہ ہو کر مسکرایا تھا۔

تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ یہ سوچنے سمجھنے والے کام مت کیا کرو تمہاری استعداد سے باہر ہیں۔ یہ اس نے غصے سے ارمش کو دیکھا پھر وہ اٹھ کر جانے لگی تو ارمش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہیں بٹھا لیا تھا۔

بات ابھی ختم نہیں ہوئی ہے... اس دن میرا مقصد ایگزیبشن گھومنا نہیں تھا... انتظار کرنا تھا۔کیوں کہ میسج پر کوئی مجھے بتانے والا تھا کہ تم بینک کیوں گئی تھی... اور جب تک میسج نہیں آجاتا مجھے لگا تھا مجھے تمہارے ساتھ رہنا چاہیے کہ کہیں تم کوئی اور بے وقوفی نہ کر بیٹھو... اور میں نے تم سے پوچھا اس لیے نہیں تھا کیوں کہ تم مجھے نہیں بتاتی اور اگر میں مجبور کرتا اور تم بتاتی تو اس سے تمہیں دکھ ہوتا ویسے بھی یہ تمہارا اپنا ایشو تھا... اگر کوئی ایسی بات ہوتی جس میں مجھے انٹرفیئر نہیں کرنا چاہیے تھا تو میں نہیں کرتا... مگر مجھے لگا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں تو میں نے پیسے بھجوا دیئے اور اب ایک لڑکی جو اپنی انا کی خاطر وہ پیسے تک نہیں رکھ سکتی تھی تو اس میں میں کیا کہتا...؟

وہ دم بہ خود سی اس کی باتیں سن رہی تھی، بہت سی چیزیں اسے معلوم تھیں اور جو معلوم نہیں تھیں وہ اتنی اہم نہیں تھیں کہ وہ انہیں لے کر اس سے بدگمان ہوتی... فرق صرف نظریئے کا تھا، حالات کو سمجھنے کا تھا اور اس انسان کو سمجھنے کا جو اس کے برابر میں بیٹھا تھا اور جو اس کی ہر حرکت، ہر عادت اور ہر احساس کو بہ خوبی سمجھتا تھا اور اس کی بے وقوفی کی باتوں اور تکلیف دہ جملوں پر بھی صرف مسکراتا تھا... ہنستا نہیں تھا! اسے اس کی مسکراہٹ مہربان لگتی تھی اور وہ جو پچھلے

ایک ہفتے سے دعویٰ کرتی تھی کہ وہ اب اسے جان گئی ہے تو آج پھر اس شخص نے اسے شہ مات دے دی تھی... وہ آج بھی وہیں کھڑی تھی جہاں سے پہلی ملاقات کے بعد تھی... صفر کے ہندسے پر... وہ اب سامنے دیکھنے لگی تھی... دھند چھٹ رہی تھی اور اب منظر صاف تھا۔

ارمش اب تک اسی کی طرف دیکھ رہا تھا... بہت غور سے سرخ سی ناک اور سرخ سی آنکھوں کو...!

guzel! بے ساختہ ارمش کے منہ سے نکلا تھا... وہ گردن گھما کر اسے دیکھنے لگی...

کیا؟ اس نے استعجابیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

کچھ کہا تم نے؟ ارمینہ نے اس سے حیرانی سے پوچھا۔

guzel اس نے وہی لفظ اسی انداز سے دہرایا تھا۔

کچھ نہیں... اب چلو میں تمہیں چھوڑ دوں وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نہیں! پہلے بتاؤ اس کا کیا مطلب ؟

نہیں بتاؤں گا... یہ تمہاری سزا ہے۔

میں نے کیا کیا ہے ایسا جو مجھے سزا ملے؟ اس کا اعتماد قابلِ دید تھا۔اس کو ہنسی آگئی تھی مگر ارمش جانتا تھا کہ وہ دل سے شرمندہ تھی۔

تم نے خود کچھ نہیں کیا، بس تم سے ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں خود یہ خود... چلو اب اٹھو۔ اس نے ہاتھ دے کر اسے اٹھنے میں مدد دی تو وہ کھڑی ہو گئی۔

بتاؤ guzel کا کیا مطلب ہے؟

ضدی۔ وہ اب اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

ضدی...؟ اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

ہاں

اور یہ کون سی زبان کا لفظ ہے؟

تمہیں کس زبان کا لگتا ہے؟ ہاتھ جیب میں ڈالے وہ اب سڑک کی طرف چل رہا تھا۔

شاید اسپینش یا اٹالین

ایک بتاؤ؟

اسپینش

Bingo! کافی عقلمند ہو گئی ہو پچھلے آدھے گھنٹے میں۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا جب کہ ارمش مسکرا کر اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

پر تم یہاں شکرپاراں میں کیا کر رہے ہو؟

بابا یہاں ہیں... مجھے ان سے کام تھا اس لیے آیا تھا۔ وہ اچانک بہت محتاط ہو گیا تھا۔

اور تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

میں اور پاپا امی کی قبر پر آئے تھے۔

اچھا... ارمینہ تمہاری امی کا کیا نام تھا؟ اس نے بے کار سا سوال کیا تھا، جواب وہ جانتا تھا۔

انابیہ ارمش خاموش رہا تھا۔وہ اب بھی ننگے پاؤں چل رہی تھی اور چپلیں اس کے ہاتھ میں تھیں مگر اب اسے ننگے پاؤں چلنا برا نہیں لگ رہا تھا۔ گارڈن کی گھاس پر وہ بہت مزے سے چل رہی تھی۔

یہ چپل ٹوٹی کیسے؟

تمہاری وجہ سے...

اب میں نے کیا کیا ہے؟

تم گاڑی میں گزر رہے تھے بے دھیانی میں میرا پیر پتھر سے ٹکرا گیا اور اٹک کر یہ چپل ٹوٹ گئی۔

اور اس میں کیا ہے؟

ناریل کی مٹھائی... پاپا کی فیورٹ... یہاں شکرپاراں کی ایک دکان کی ہے... پاپا کو یہیں کی پسند ہے۔

چلو بیٹھو۔ وہ گاڑی تک آگئے تو ارمش نے گاڑی کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا تھا کیوں کہ اس کے ایک ہاتھ میں چپلیں اور دوسرے میں مٹھائی کا تھیلا تھا۔وہ بیٹھ گئی تو ارمش نے دروازہ بند کر دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے ارمش سے وہ سوال کیا جو اسے بہت دیر سے پریشان کر رہا تھا۔

تمہارے بابا نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا ارمش؟ اور یہ وہ سوال تھا جو ارمش کو بھی پریشان کر رہا تھا۔

معلوم نہیں بہت سادہ سے لہجے میں اس نے کہا تو ارمینہ خاموش ہو گئی۔

ارمش ڈینیل کیسا ہے؟ اسے اچانک ڈینیل کا خیال آیا۔وہ اب تمام باتوں میں ڈینیل کے ساتھ پیش آنے والا حادثہ بھول گئی تھی۔

ٹھیک نہیں تھا... اس کی فیملی ختم ہوگئی، بہت اکیلا ہو گیا ہے مگر وہ خود کو سنبھال لے گا...

مجھے افسوس ہے... وہ بہت اچھا انسان ہے۔

ہونہہ! تھوڑی ہی دیر میں وہ ارمینہ کے بتائے ہوئے گیسٹ ہاؤس کے آگے آکر رک گئے تھے۔

تمہارے پیر... اس طرح اندر جاؤ گی تو گیسٹ ہاؤس گندا ہو جائے گا۔ اس کے پیر اب مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔

ہاں معلوم ہے پر اب کیا کروں؟ اس نے سوالیہ نگاہوں سے ارمش کو دیکھا۔

میں اوپر جا کر کوئی اور چپل لاد وں؟

ایک ہی ہے... ایک ہی دن کے لیے تو آئے تھے ہم، اب سلیپرز کون لے کر آتا ہے ساتھ۔

تو اب؟ دوسری لے لو دکان سے۔

یہاں کی دکانیں نہیں معلوم مجھے۔

مجھے معلوم ہیں اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

پہلے خیال نہیں آیا... یہاں پہنچ کر یاد دلا رہے ہو۔

واہ! یہ میرا کام نہیں ہے محترمہ، آپ کو سوچنا چاہیے تھا۔

سوری! ارمش نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔اس کے چہرے پر ملال تھا... اسے ارمینہ پر ترس آیا تھا۔

کون سی والی بات کے لیے؟

میں نے پہلے نہیں سوچا اور تمہارا پٹرول ضائع ہوا اس کے لیے۔

اور کسی بات کیلئے نہیں؟ اس نے شرارت سے پوچھا تھا۔

نہیں۔ بڑی شانِ بے نیازی سے اس نے کہا تو ارمش ہنس دیا تھا۔وہ ایک دکان پر آگئے۔یہ کوئی اسٹور نہیں تھا بلکہ روایتی کھسوں کی ایک دکان تھی جو وہاں قدم قدم پر ملتی تھی۔یہاں موجود چپل پر ہاتھ سے کڑھائی کی جاتی تھی۔وہ اندر آگئی۔ اس نے سرخ رنگ کی بہت نفیس سی چپل اٹھا لی جس کے کنارے پر سفید رنگ کا خوبصورت سا گلاب کڑھا ہوا تھا۔

کتنے کی ہے؟ اس نے دکاندار سے قیمت پوچھی اور مٹھائی والی تھیلی سے اپنا والٹ نکالنے لگی۔

میں دے دوں؟ ارمش جانتا تھا جواب کیا ہو گا۔

ضرورت نہیں ہے... میں اپنی تمام چیزیں afford کر سکتی ہوں۔

ہاں بالکل۔ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔وہ باہر آگئی اور ساتھ بنی ہوئی کیاریوں میں جا کر اپنے پیر دھونے لگی پانی اس نے وہیں دکاندار سے لے لیا تھا۔اس نے اپنے ہاتھ میں موجود تمام اشیاء ارمش کو پکڑائیں اور خود اس بوتل سے اپنے پیروں

پر پانی ڈالنے لگی جو دکاندار نے اسے دی تھی۔ارمش اس کے ساتھ کھڑا اس کی کوششوں کو مُسکرا کر دیکھ رہا تھا۔پانی اس کے پیروں سے ہوتا کیاری میں جا رہا تھا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئی تو اس نے ارمش سے والٹ لیا اور اس میں سے ٹشو نکال کر پیروں کو خشک کیا اور نئ خریدی ہوئی چپل پیروں میں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

پھر وہ واپس گیسٹ ہاؤس آگئے تھے۔

آئی ایم سوری گاڑی سے اترنے سے پہلے وہ بولی تھی۔

اس بار کس لیے؟

جو بھی سمجھ لو... جس بھی غلطی کیلئے تمہیں ضروری لگے اس کے آگے جوڑ لینا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

c esti bian وہ سر کو خم دے کر بولا تھا۔

اس کا مطلب؟

It s ok

اور یہ کس زبان کا لفظ ہے؟

تم بتاؤ؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس بار اٹالین...

Bingo! واہ بھئی۔ تمہیں آتی ہیں کیا یہ زبانیں؟

نہیں... بس یوں ہی گیس کیا... خدا حافظ۔

خدا حافظ وہ چلی گئی اور وہ اسے اندر جاتا دیکھتا رہا۔

اگر اسے پتا چل جائے کہ guzel اسپینش لفظ نہیں ہے اور C estbian اٹالین لفظ نہیں ہے تو اس کے expression کیا ہوں گے؟ اور اگر اسے پتا چل جائے کہ اس وقت میری جیب میں اس کی بچپن کی تصویر ہے تو کس طرح کی شکل بنائے گی یہ میرے آگے...؟ وہ سوچ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا محظوظ ہوتے ہوئے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆...☆...☆

وہ بابا کے پاس آگیا تھا۔اندر آتے ہی وہ سیدھا اسی کمرے میں آیا جہاں اکثر بابا رہتے تھے اور جہاں کی کھڑکی سے برابر والے گھر کا صحن صاف نظر آتا تھا۔دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ کمرے میں ٹہل رہے تھے۔

السلام علیکم بابا!

وعلیکم السلام ارمش کہاں رہ گئے تھے؟ اتنی دیر لگا دی؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بابا وہ راستے میں... وہ کہتے کہتے رک گیا۔

وہ بہت عرصے بعد آیا ہوں تو راستہ بھول گیا تھا۔

اچھا آؤ بیٹھو... بتاؤ کیا ہوا ہے؟ وہ دونوں کمرے میں پڑی ٹیبل کے گرد دو کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

بابا... آپ ارمینہ کو جانتے ہیں پہلے سے؟ بغیر کسی تمہید کے اس نے سوال کیا وہ تو ہکا بکا رہ گئے تھے۔پہلے حیرانی اور پھر ناگواری ان کے چہرے پر آگئی تھی۔

کس نے کہا تم سے؟ انہوں نے ارمش سے نظریں نہیں ملائی تھیں۔

کسی نے نہیں... یہ تصویر... ارمینہ کی ہے آپ کی اسٹڈی میں تھی... اس نے تصویر نکال کر ان کے آگے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔اس بار وہ چپ سادھے اس تصویر کو دیکھے گئے تھے۔

ارمینہ انابیہ پھپھو کی بیٹی ہے... آپ کی سگی بھانجی... اور آپ ہمیشہ سے یہ بات جانتے تھے۔پھر بھی آپ نے کسی کو یہ بات نہیں بتائی۔

ضروری نہیں سمجھا۔ اس بات پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

ضروری نہیں سمجھا؟ آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا؟ آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ آپ کی بہن کی بیٹی ہے، آپ کو اس سے ذرا سی بھی محبت نہیں ہے...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ نے تو اس سے کبھی ٹھیک سے بات تک نہیں کی بابا، اس کے سر پر ہاتھ تک نہیں رکھا، کبھی اسے پیار سے گلے نہیں لگایا کبھی محبت اور شفقت سے اس کا نام تک نہیں پکارا... آپ اتنے سخت ہو گئے ہیں بابا؟ اتنے سخت کہ آپ کو اس پر بھی پیار نہیں آتا، وہ لڑکی جو آپ کی مرحومہ بہن کی واحد نشانی ہے...

ارمش...! وہ چلائے تھے۔اسے ان کا چلانا بے معنی سا لگا تھا پھر بھی وہ خاموش ہو گیا تھا۔

میری بہن کی جان چلی گئی اس لڑکی کی وجہ سے اور اس کے باپ کی وجہ سے... آج وہ ہم میں نہیں ہے صرف اس کے باپ کی بے پروائی کی وجہ سے اور اس لڑکی کے وجود کی وجہ سے... میری بہن کی زندگی ختم ہو گئی اور یہ دونوں اپنی زندگی آرام سے جی رہے ہیں انہیں کوئی فرق نہیں پڑا کیوں کہ وہ ان کے لیے ایکسٹرا تھی...

بابا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ حیران پریشان سا سن رہا تھا۔

سرفراز کی وجہ سے موت ہوئی میری بہن کی، اور میں یہ نہیں بھولوں گا ارمش میں اس لڑکی سے اور اس کے باپ سے شدید نفرت کرتا ہوں... ان کا نام بھی آئندہ نہیں لیا جائے گا... سمجھ گئے ہو تم؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ نے اسی وجہ سے اس دن گھر پر ارمینہ سے جھوٹ بولا تھا؟

ہاں تاکہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے کیوں کہ میں نہیں چاہتا وہ تمہیں exploit کرے پتا نہیں اس لڑکی کے ارادے کیا ہیں وہ کیا چاہتی ہے؟ میں نہیں چاہتا تم اس سے ملو یا کوئی بھی رابطہ رکھو... نہ اس سے نہ اس کے باپ سے... سن رہے ہو؟

وہ دم بہ خود سا بیٹھا یہ نئے انکشافات سن رہا تھا، وہ آگے کچھ نہیں بولا۔اس کے بولنے کے لیے کچھ تھا بھی نہیں...

آپ چائے پئیں گے؟ وہ اس سے اس سوال کی توقع ہرگز نہیں کر رہے تھے۔

تم بناؤ گے؟

جی۔ پر تم تو پیتے نہیں ہو شوق سے چائے۔

ہاں مگر پی لوں گا آج... میں آیا وہ اٹھ کر چلا گیا وہ حیرانی سے اپنے بیٹے کو جاتا دیکھتے رہے... وہ یا تو بہت پرسکون تھا یا پھر بہت زیادہ دکھی... سمجھنا مشکل تھا... اسے سمجھنا ہمیشہ مشکل ہو جاتا تھا۔

وہ کچھ دیر میں چائے بنا کر لایا تو وہ دونوں چائے پینے لگے دونوں کے درمیان خاموشی رہی پھر احمد نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔

یہ تصویر کیسے ملی تمہیں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں اسٹڈی میں کچھ بکس ڈھونڈ رہا تھا، مجھے چاہئے تھیں پیچھے والے ریکس میں کچھ بکس تھیں ان ہی میں سے ایک میں سے یہ گری تھی... وہی کتاب جس میں ایک سپاہی کی کہانی ہے۔ انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

اس میں عجائب گھروں کی تفصیل... انہوں نے کچھ بولنا چاہا مگر ارمش نے ان کی بات کاٹ دی۔

جانتا ہوں مگر آپ نے کہا تھا اس میں ایک سپاہی کی کہانی ہے... اس میں واقعی سپاہی کی ہی کہانی ہے... آپ کی کہانی... یا شاید... انکل سرفراز کی کہانی... انہوں نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔وہ چائے پیتے پیتے رُک گئے تھے۔

آپ دونوں کی کہانی ایک نقطے پر آکر مل جاتی ہے۔ارمینہ سرفراز محمود... اس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ارمش... تم اس سے مت ملنا اب، میں جانتا ہوں وہ کسی مقصد کی خاطر آئی ہے ہم سب کی زندگیوں میں... بابا کی اس بات پر وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔

بابا آپ کو لگتا ہے میں اتنا بے وقوف ہوں کہ کسی کی نیت اور اس کے ارادوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا... اس کا لہجہ بہت نرم تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں تمہارے لئے فکر مند ہوں۔ اور میں آپ کے لیے... بابا وہ بری نہیں ہے... اور آپ مجھے بتائیں اس کا کیا قصور ہو سکتا ہے وہ تو ایک چھوٹی سی بچی ہو گی اس وقت جب انابیہ پھپھو کی ڈیتھ ہوئی...

وہ بدلہ لینا چاہتی ہے اپنے باپ کا... میں جانتا ہوں...

کیسا بدلہ بابا...؟

سرفراز کا بدلہ... وہ خود معذور ہو گیا اور وہ اس کا ذمہ دار مجھے ٹھہراتی ہو گی کیوں کہ میں نے کبھی پلٹ کر ان کی خبر نہیں لی... اور میں کیوں لوں اس کی وجہ سے میری بہن چلی گئی میں اسے کیسے معاف کر سکتا ہوں؟ بس اسی بات کی وجہ سے وہ مجھے سے بدلہ لینا چاہتی ہے...

بابا وہ اچھی لڑکی ہے ایسی نہیں ہے... مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ بھی ہے۔ہوتا تو میں محسوس کرتا اس بات کو...

ارمش تم معصوم ہو کچھ نہیں جانتے۔

مگر عقل مند ہوں سمجھ دار ہوں... بابا آپ نے ہمیشہ ہمیں لوگوں کو سمجھنا سکھایا ہے تو پھر اب آپ خود کیوں اتنے کنفیوز ہو رہے ہیں؟ آپ اور انکل سرفراز تو دوست تھے میں جانتا ہوں...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمش اس کا نام مت لو میرے آگے... ایک گہری سانس لے کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

آپ جانتے ہیں انکل سرفراز اور ارمینہ شکرپاراں میں ہیں؟

جانتا ہوں۔ اس بار وہ حیران تھا۔

کیسے؟ قبرستان گیا تھا... وہاں وہ دونوں نظر آئے تھے۔

وہ لوگ واپس کراچی جا رہے ہیں تھوڑی دیر میں۔ اب وہ دونوں بہت عام انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔سوال جواب کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ارمش نے فی الحال اس معاملے کو طول دینے سے پرہیز کیا تھا۔

آپ جانتے ہیں آپ کے جھوٹ کی وجہ سے ارمینہ بہت ہرٹ ہوئی تھی، اسے بہت برا لگا تھا وہ پچھلے ایک ہفتے سے پریشان تھی... رو رہی تھی... وہ جیسے انہیں ان کا قصور بتارہا تھا۔

ڈرامہ کر رہی ہو گی...

نہیں! حقیقتاً... اس کی پریشانی اس کے چہرے پر خود بہ خود آجاتی ہے... بہت tale-telling سا چہرہ ہے اس کا...

انابیہ بھی ایسی ہی تھی۔ وہ جانے کس دھن میں بول گئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جو بھی ہے اسے میں اب ہمارے اردگرد نہیں دیکھنا چاہتا، تمہارے آس پاس بھی نہیں... سن رہے ہو؟ وہ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گیا تھا۔

جی بابا۔ جب اس نے بولا تو اس نے گردن جھکا لی تھی۔

ارمش... انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

میں نے آج تک تمہیں بہت سی ایسی چیزوں سے روکا ہے جو تمہیں پسند تھیں... مگر ہر بار میں رکا تو نہیں...

صرف کمپنی کا فیصلہ کرتے وقت... ورنہ تم نے میری ہر بات مانی ہے... اس بار کیا کرو گے؟ وہ خاموشی سے کپ کے گرد انگلیاں پھیر رہا تھا۔

جو... آپ کہیں گے۔ یہ انتخاب زندگی کا مشکل ترین لمحہ ہوتا ہے، وہ بھی دو اپنی سب سے پیاری چیزوں کے درمیان...

ایک بات بتاؤں آپ کو بابا... وہ اب بھی کپ کے گرد انگلیاں گھما رہا تھا اور اس کی نظر ٹیبل پر پڑی اس تصویر پر تھی۔ میں اس سے... بہت ... شدید محبت کرتا ہوں۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی مگر بہت نرم سا لہجہ تھا ڈھیر سارا احترام لیے ہوئے۔

جتنی آپ سے کرتا ہوں... اعتراف اس کی زبان پر آگیا تھا اور آج بھی اس نے اپنے دل کے کسی بہت گہرے کنوئیں میں چھپی بات اپنے بابا سے ہی کہی تھی۔اسے لگتا تھا وہ بدل گیا ہے یا بابا بدل گئے ہیں مگر سب ویسا ہی تھا۔مگر آج اس پل کے اندر ایک خلا تھا جسے کوئی پر نہیں کر سکتا تھا۔

مگر میں آپ سے تھوڑی سی زیادہ محبت کرتا ہوں کیوں کہ میں آپ کی اولاد ہوں... اسے میری زندگی میں آئے ایک سال کا عرصہ ہوا ہے آپ نے مجھے میری انیتس سال کی زندگی میں ہر پل چاہا ہے... میں موازنہ نہیں کرنا چاہتا بابا مگر جو آپ میرے لیے ہیں وہ اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہو سکتا... وہ خاموش ہوا۔احمد تڑپ اٹھے، انہوں نے اس کی بات کے اختتام پر اپنی آنکھوں پر سے چشمہ اتارا اور اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پونچھا تھا۔

اگر ایسا ہے تو میں اجازت دے دیتا ہوں تم...

نہیں بابا... میں آپ کا دل جانتا ہوں... اس کی ایک ایک بات ایک ایک خواہش... ایسا کچھ نہیں کر سکتا جس سے آپ کو تکلیف ہو اور اگر آپ کو تکلیف ہو گی تو میں خوش نہیں رہ پاؤں گا پھر میرے لیے سب بے معنی ہے۔ وہ اب باقاعدہ رونے لگے تھے۔ان کا بیٹا ان سے اس قدر محبت کرتا تھا انہیں اندازہ نہیں تھا، وہ اسے

کبھی سمجھ نہیں پائے تھے۔ محبت ہر اولاد اپنے ماں باپ سے کرتی ہے مگر کچھ اولادیں ان سے عشق کرتی ہیں... ان کے دکھ میں اپنا دکھ اور ان کی خوشی میں اپنی خوشی ڈھونڈ لیتی ہیں پھر سب کچھ ترجیحات کی فہرست میں بعد میں چلا جاتا ہے۔وہ بھی ان سے عشق کرتا تھا... بچپن سے... اور ان کے لیے اپنی سب سے قیمتی چیز بھی ترک کر سکتا تھا... محبت... انسان سب کچھ ترک کر دیتا ہے مگر محبت... محبت کسی عشق کے لیے ہی ترک کی جاتی ہے۔

زندگی میں کبھی اس نے کسی سے محبت نہیں کی تھی۔اس کا محور صرف اس کے گھر والے، اس کے بابا تھے پر اب اس نے ایک وجود کے گرد گھومنا شروع کر دیا تھا اور اب اس کی اتنی عادت تھی کہ اب اس سے ہاتھ پیچھے کھینچنا ناممکن سا تھا۔ ارمینہ نے ایک چھوٹی سی بدگمانی پر اس قدر رنج پال لیا تھا جو اس سے ایک پل نہیں دیکھا گیا تو اب جب وہ واقعتا اگر اس کے اندیشوں کو سچ کرے گا تو وہ کیا کرے گی اور وہ خود... وہ خود کیا کرے گا؟ وہ اسے تکلیف میں کیسے دیکھ پائے گا... وہ اس سے دور کیسے جا پائے گا؟ شام تک وہ کراچی واپس آگیا تھا۔

☆...☆...☆

وہ عمر کو ڈھونڈتی ہال میں آئی تو وہ وہاں نہیں تھا۔وہ اس کے کمرے میں چلی گئی وہ وہاں بیٹھا پڑھائی کر رہا تھا۔

کیا آج بھی تمہیں مجھے دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی؟ اس کی آواز پر عمر نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر مسکرایا۔

کچھ لوگوں کو دیکھ کر صرف بے زاری ہی ہو سکتی ہے... تنگ مت کرو میں پڑھ رہا ہوں۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آگئی تھی۔

جب تک میں اجازت نہیں دیتی ایگزامز نہیں دے سکتے تم سمجھے۔ س

مجھ گیا... پھر ؟

پھر... مجھ سے اجازت مانگو۔

ارمش بھائی نے کہا ہے ارمینہ منع بھی کرے تو بھی ایگزامز دے دینا۔ اس نے جان بوجھ کر اسے تپانے کیلئے کہا تھا۔

مطلب میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے... ارمش ہی سگا ہے تمہارا

ہاں بھئی ٹھیک ہے۔ وہ جانے لگی تو عمر کو برا لگا۔

اچھا موجوجوجو... چلو دے دو اجازت تم۔

نہیں رہنے دو۔

برا مان گئیں یار تم تو، چلو بتاؤ میں کیا کروں؟ دے سکتا ہوں ناں امتحان؟

تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ دے سکتا ہوں۔

ہاں بالکل عمر تم دے سکتے ہو مگر اپنے اوپر کوئی چیز سوار مت کرنا اور اپنا خیال رکھنا اور ڈاکٹر فاروق اور میری ایک دوست ڈاکٹر تہمینہ تمہارا علاج کرتے رہیں گے۔ تم کیوں نہیں؟

یار وہ دونوں بڑے ہیں۔ تجربہ کار ہیں اس بیماری کو زیادہ اچھے سے جانتے ہیں۔

پر مجھے تم اچھے سے جانتی ہو... وہ اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

فکر مت کرو تمہیں کچھ بھی کہنا ہو مجھ سے کہہ سکتے ہو جب چاہو...

تھینک یو ارمینہ ! تمہاری ہر بات کے لئے۔

تم پڑھو گے لکھو گے کچھ بنو گے تب میرا شکریہ ادا کرنا... مجھے خوشی ہو گی اگر تم اپنی پہلی اسپیچ میں مجھے یاد رکھو گے...

تم سر پر سوار رہتی ہو... کیسے بھول سکتا ہوں۔ وہ دونوں ہی ہنس پڑے تھے۔

وہ گھر واپس آئی تو پاپا اپنے کمرے میں تھے تو وہ ان کے پاس ہی آگئی تھی۔

پاپا مجھے ایک ہسپتال سے کال آگئی ہے میں سوچ رہی ہوں ایئرپورٹ والی جاب سے ریزائن کر دوں...

ہاں ہاں بیٹا! میں تو کب سے کہہ رہا ہوں تمہیں، میں تو تب ہی منع کر رہا تھا جب تم جوائن کر رہی تھیں مگر تم نے ضد کی تو میں نے اجازت دے دی تھیں۔

پاپا اس وقت اور کوئی جاب نہیں تھی... اب ہے تو میں سوچ رہی ہوں چھوڑ دوں۔ پہلی فرصت میں چھوڑو۔ وہ مسکراتی ان کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

پاپا... ارمش کے بابا نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا... وہ اٹکی سانس کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔

یعنی ارمش نے مجھ سے جھوٹ نہیں کہا تھا اس کے بابا نے کہا تھا وہ واقعی بیمار تھا اور سڈنی وہ ڈینیل کی فیملی کے funeral پر گیا تھا، ڈینیل کی فیملی کی ڈیتھ ہو گئی ایک ایکسیڈنٹ میں۔

اللہ اسے صبر دے...

پاپا وہ ایسے کیوں ہیں؟اور کیوں کرتے ہیں ایسا میرے ساتھ؟ میں نے کیا بگاڑا ہے ان کا؟

ارمینہ جن لوگوں کو ہماری ضرورت نہیں ہوتی جو ہماری موجودگی سے خود کو بے سکو نمحسوس کرتے ہیں اور جن کو ہمارے ہونے سے تکلیف پہنچتی ہے ان سے پھر

فاصلہ اختیار کر لینا چاہیے... یہی عقل مندی ہے کہ جہاں آپ کو لگے کہ آپ کو forgranted لیا جا رہا ہے وہاں سے بہت خاموشی سے خود کو علیحدہ کر لیا جائے...

لیکن بابا ارمش تو ایسا نہیں ہے...

لیکن اگر اس کے بابا چاہتے ہیں کہ تم اسے نہ ملو تو تم اس سے نہ ملو یہی بہتر ہے۔

اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا وہ بیڈ پر بیٹھے تھے اور وہ فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

اور خود کو... کیسے روکا جاتا ہے؟

اپنے دل کو اپنے قابو میں رکھ کے... ارمینہ محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہے میں جانتا ہوں لیکن... اس کا اظہار اور اس کی پذیرائی انسان کے اختیار میں ہوتی ہے... وہ چاہے تو اسے روگ بنا لے اور چاہے تو اسے اپنی طاقت بنا کر اس کے بل پر ساری دنیا سے لڑے... یہ انسان پر منحصر ہے مگر اس کے لیے انسان کو خود کو مضبوط کرنا پڑتا ہے... یہ آسان نہیں ہوتا اور تم تو بہت مضبوط ہو میں جانتا ہوں... ایک آنسو اس کی آنکھ سے بہ گیا تھا۔پھر آنسوؤں کی تعداد بڑھتی چلی گئی تھی۔

بچپن سے تم نے بہت سے مسائل کا سامنا کیا ہے مگر کبھی زندگی سے ہار نہیں مانی، ہمیشہ فائٹ کی اپنے حالات سے، میرے حالات سے، میری بیماری سے اور بہت سی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دوسری چیزوں سے... مگر تمہارے چہرے پر کبھی زندگی کی سختیوں کے آثار نہیں آئے... ہمیشہ مسکراتی رہتی ہو مگر میں جانتا ہوں اس مسکراہٹ کے پیچھے کتنی مشقت اور کتنی محنت ہے... تو اگر کوئی لڑکی زندگی سے ایسے مقابلہ کر سکتی ہے تو پھر وہ کچھ بھی کر سکتی ہے وہ ماہر ہوتی ہے اپنے جذبات ساری دنیا سے چھپانے میں...

پاپا وہ پتا نہیں کیسے میری ہر بات جان لیتا ہے جیسے آپ... بغیر بتائے، کچھ بھی کہے بغیر، اسے پتا چل جاتا ہے کہ میں کیا سوچ رہی ہوں کیا چاہتی ہوں؟

مگر ہر وہ چیز... جیسے آپ چاہیں... آپ کے مقدر میں نہیں لکھی جاتی۔ سرفراز خاموش ہو گئے تھے۔وہ روتی رہی۔

وہ وہیں فرش پر بیٹھی رہی ان کے قدموں کے پاس اور وہیں بیٹھے بیٹھے سو گئی...

سرفراز نے اس کو اٹھایا نہیں تھا وہ بس اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

یہ میرے گناہوں کی سزا ہے ارمینہ... جو تمہارے آگے آ رہے ہیں، شاید اللہ نے بھی مجھے معاف نہیں کیا... میں نے بے قدری کی تھی...

اس کی آنکھ ایک گھنٹے بعد کھلی اسے پتا ہی نہیں چلا وہ کب روتے روتے سو گئی اب اٹھی تھی تو اس کا سر بیڈ کے کنارے ٹکا تھا اور پاپا کمرے میں نہیں تھے وہ اچانک بھاگتی باہر آئی تو وہ لاؤنج میں فرید بابا کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

شام ہو گئی اور پتا بھی نہیں چلا میں کب سو گئی... آج کیا کھائیں گے آپ لوگ بتائیں؟ کچھ خاصبناتے ہیں آج... وہ آستینیں چڑھاتی کچن میں گھس گئی تھی۔سرفراز نے لاؤنج میں بیٹھ کر بھی اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ اور آنکھوں کی نرمی کو دیکھ لیا تھا۔وہ جانتے تھے ان کی بیٹی مضبوط تھی وہ اپنے دل پر قابو پانا سیکھ رہی تھی... یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ انہوں نے دل میں سوچا تھا۔

اسے اگلے دن ارمش کا میسج آیا۔ہیری ہوم میں چیکنگ ٹیم کا وزٹ تھا جو یہ دیکھنے آرہی تھی کہ جو سہولیات اور معیار وہ لوگ on paper شو کرتے تھے وہ واقعی ہیری ہوم میں دی بھی جاتی تھیں یا نہیں۔اس وقت ہیری ہوم کے ہر ڈاکٹر، ٹیچر اور بورڈ کے تمام ممبرز کی شرکت ضروری تھی۔ٹیم ہیری ہوم پہنچ گئی تھی اب وہ لوگ وہاں کا جائزہ لے رہے تھے وہ لوگ آدھے گھنٹے سے وہاں موجود تھے اور وہ ڈسپنسری میں ہی بیٹھی رہی۔کچھ دیر بعد وہ لوگ ڈسپنسری آگئے تو ڈاکٹر فاروق انہیں تمام تفصیلات بتانے لگے وہ خاموشی سے کونے میں کھڑی سن رہی تھی۔

یہ کون ہیں؟ ان میں سے ایک نے ارمش سے پوچھا۔اتنی دیر میں ان دونوں نے پہلی بار ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ ڈاکٹر ارمینہ محمود ہیں، یہ بھی یہاں ڈاکٹر فاروق کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ارمش نے اتنا ہی کہا تھا پھر انہوں نے باقی جگہوں کا جائزہ لیا اور وہ لوگ چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد ارمش نے تمام لوگوں کو لنچ پر انوائٹ کیا تھا۔وہ سب کو لنچ پر لے جا رہا تھا یہ شکریہ کہنے کا طریقہ تھا۔وہ ارمینہ کے پاس بھی آیا تھا۔

چلو تمہاری تو عید ہو جائے گی... جی بھر کے کھانا، بل میں دوں گا۔ وہ ہمیشہ کی طرح ہی اس کو مخاطب کر رہا تھا۔

نہیں ارمش میں تھکی ہوئی ہوں گھر جانا چاہتی ہوں۔تمہارا بہت شکریہ۔

نہیں آنا چاہتیں؟

نہیں! سادہ سے لہجے میں اس نے کہا تھا۔

آخری بار چل لو... پھر مت چلنا۔ ارمینہ کو اس کا لہجہ عجیب سا لگا تھا۔

آخری بار کیوں؟

بس یونہی۔

نہیں تم لوگ جاؤ۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بھئی اگر ارمینہ نہیں جا رہی تو میں بھی نہیں جاؤں گا... میں تم بزنس والوں کے بیچ بہت بور ہو جاتا ہوں۔ ڈاکٹر فاروق کی آواز پر وہ دونوں چونکے تھے۔ارمینہ مسکرائی تھی۔

بہت معذرت... مگر ہم لوگوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں ڈاکٹر فاروق بزنس کی باتیں... ارمش نے کہا تھا۔

جبھی کہہ رہا ہوں ڈاکٹر صاحبہ جائیں گی تو میں جاؤں گا ورنہ نہیں۔

ارے ایسا کیوں کہہ رہے ہیں ڈاکٹر فاروق آپ لوگ جایئے مجھے یقین ہے آپ لوگ انجوائے کریں گے...

نہیں بھئی تم نے نہیں جانا تو میں بھی نہیں جا رہا۔

اور میں بھی نہیں... عمر کی آواز پر وہ دونوں چونکے تھے۔

ارمش بھائی نے مجھے بھی کہا ہے لیکن اگر تم نہیں جاؤ گی تو میں بھی نہیں جا رہا... کیوں؟

ارمش بھائی تو اپنے دوستوں سے باتیں کریں گے اور میں کیا کروں گا وہاں بیٹھ کر... تم ہو گی تو تمہیں تنگ ہی کر لوں گا۔

دیکھا کتنی اہم ہو تم ارمینہ ڈاکٹر فاروق کے جملے پر وہ خاموش سی ہو گئی تھی۔

اچھا ٹھیک ہے چلو۔ اس کی بات سے دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ اس نے پلٹ کر ارمش کے چہرے کو نہیں دیکھا تھا... وہاں کیا تھا وہ نہیں جاننا چاہتی تھی...

☆...☆...☆

وہ لوگ ایک ریسٹورنٹ میں ٹیبل پر ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ارمینہ کے سامنے والی کرسی خالی تھی اور اس خالی کرسی کے برابر میں ارمش بیٹھا تھا۔ارمینہ کے ایک طرف عمر بیٹھا تھا دوسری طرف اسکول کی کچھ ٹیچرز تھیں جن سے اس کی دوستی تھی اور عمر کے ساتھ ڈاکٹر فاروق بیٹھے ہوئے تھے۔ان لوگوں نے آرڈر دینے کے بعد دروازے کی جانب دیکھا، وہاں سے احمد رضا ابراہیم اندر داخل ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔اسے ارمش پر غصہ آیا تھا۔بے زاری اور کوفت پہلے سے بہت بڑھ گئی تھی۔فرداً فرداً وہ سب سے ملے، عمر کی خیریت پوچھی اور پھر اس نے انہیں سلام کیا انہوں نے دھیمی آواز میں سلام کا جواب دیا اور اس خالی کرسی پر آکر بیٹھ گئے، اس کے بالکل سامنے۔

اس کا سانس لینا محال ہو رہا تھا۔وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔دھیان بٹانے کے لئے وہ عمر اور ڈاکٹر فاروق سے باتوں میں لگ گئی تھی۔کچھ ہی دیر میں کھانا

ٹیبل پر سرو کر دیا گیاتو وہ کھانا کھانے لگی۔اس نے ایک نظر اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھا وہ جو اس کے بالکل سامنے بیٹھے تھے۔ اس نے ارمش سے بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔وہ سلاد کا پیالہ اٹھانے لگی تو انہوں نے زبردستی اس سے پیالہ لے لیا۔

نہیں بیٹا... یہ مت کھاؤ اس میں کارن ہے۔ اس کے ہاتھ وہیں سرد ہو گئے اور یک ٹک ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔یہی کام ارمش بھی کر رہا تھا۔ٹیبل پر بیٹھے باقی لوگوں نے اتنا دھیان نہیں دیا تھا مگر ارمش اور ارمینہ سکتے میں آگئے تھے۔وہ پیالے کو دوسری طرف رکھ کر اب کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے تھے اور کچھ لمحوں بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ کیا بول گئے ہیں... انہوں نے ایک ایک کر کے ارمینہ اور پھر ارمش کو دیکھا۔

کیوں بابا... تو کیا ہوا گر اس میں کارن ہے؟

مجھے کارن سے الرجی ہے بچپن سے... ارمینہ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ارمش سے کہا تھا۔وہ اب خاموشی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئے تھے، اور وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ انہیں کیسے معلوم تھا کہ اسے کارن سے الرجی ہے۔ کھانے میں اب اس کا

دل نہیں لگ رہا تھا۔گھبراہٹ میں اس نے ارمش کی طرف دیکھا وہ ارمینہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا؟ اس نے اشارے سے پوچھا تو وہ کچھ بول نہیں پائی۔وہ کھانا کھا چکی تو کھڑی ہو گئی۔

آپ لوگ کھائیں، میں اب چلتی ہوں کافی دیر ہو گئی ہے پاپا گھر پر اکیلے ہیں... ارمش لنچ کا بہت شکریہ۔

پر ارمینہ رکو تو تھوڑی دیر اور ابھی تو آئس کریم باقی ہے یار۔ ارمش نے اسے کہا۔اس کے اچانک کھڑے ہونے پر سب ہی حیران تھے۔

نہیں پھر کبھی... فی الحال مجھے جانا ہے۔

چلو ٹھیک ہے خدا حافظ۔ سب کو کہتی وہ باہر آگئی تھی۔

☆...☆...☆

وہ گھر آتے آتے بھی یہی بات سوچ رہی تھی کہ وہ کیسے جانتے ہیں کہ میں کارن الرجک ہوں۔وہ ہیں کون؟ آخر کیا تعلق ہے ان کا ہم سے؟

پریشان سی وہ گھر پہنچی تو پاپا سو رہے تھے۔وہ اپنے کمرے میں آگئی مگر وہ بہت بے چین تھی۔وہ حقیقت جاننا چاہتی تھی...

☆...☆...☆

یہ اکیڈمی میری زندگی ہے۔ احمد نے چہک کر اسے بتایا تھا۔ سرفراز مُسکرا کر اسے سُن رہا تھا۔

پھر تو یہ میری بھی زندگی ہے...

یہاں بہت سی چیزیں ہیں مگر یہاں تم نہیں ہو... میں تمہیں بہت مِس کرتا ہوں۔ گاڑی کسی گڑھے سے گزری تو وہ حال میں لوٹے تھے اور ایک آنسو ان کی آنکھ سے ٹپکا تھا۔وہ احمد سے ملنے اکیڈمی جا رہے تھے، پورے بیس سال بعد آج وہ احمد سے ملنے والے تھے۔اپنی بیٹی کی خاطر وہ بے بس ہو گئے تھے۔وہ آخری بار احمد سے بات کر لینا چاہتے تھے۔وہ جانتے تھے احمد ان سے بھی ٹھیک سے بات نہیں کریں گے مگر کوشش کرنی انہوں نے ضروری سمجھی۔

کس سے ملنا ہے آپ کو؟

احمد رضا ابراہیم۔ اٹک اٹک کر انہوں نے بیس سال بعد وہ نام لیا جو ان کی زندگی کے سب سے خوب صورت ناموں سے تھا مگر وقت کی سیاہی نے ہر نام کو اپنے پیچھے چھپا رکھا تھا۔

آپ کا نام؟ وہ کچھ سوچنے لگے کیا، احمد میرا نام سن کر مجھ سے ملے گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ کا نام؟ اس لڑکی نے دوبارہ پوچھا جو ریسیپشن ٹیبل کے اس پار بیٹھی تھی۔

سرفراز محمود۔

آپ ویٹنگ ایریا میں بیٹھ جائیں میں سر کو وہیں بھیج دیتی ہوں۔

اگر وہ آیا تو... انہوں نے دل میں سوچا۔انہیں وہاں بیٹھے پانچ منٹ گزرے تھے جب وہ لڑکی واپس آئی۔

سر آرہے ہیں آدھے گھنٹے میں۔

آدھا گھنٹہ؟ جی ہاں وہ مصروف ہیں۔

اچھا ٹھیک ہے... وہ بیٹھے رہے۔آدھے گھنٹے کے بجائے ایک گھنٹہ گزر گیا مگر احمد نہیں آئے تھے۔سرفراز خاموشی سے وہیں بیٹھے انتظار کرتے رہے۔پھر راہداری کے اس کونے سے آہٹ محسوس ہوئی، وہ جان گئے تھے یہ احمد رضا ہی تھے، وہ ان کے قدموں کی آہٹ کو پہچان سکتے تھے۔اپنے مخصوص یونی فارم میں ملبوس ہمیشہ کی طرح خوش شکل اور بہت پروقار طریقے سے چلتے وہ نظریں نیچے رکھے ہوئے تھے... اور سرفراز... ان کے اندر اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ احمد پر سے نظریں ہٹا سکیں۔ان کے ہونٹ کانپنے لگے تھے اور آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔بے ساختگی سے اپنا ہاتھ ہٹا کر انہوں نے اپنے چہرے سے آنسو صاف کئے کہ کہیں احمد جان نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جائیں کہ وہ رو رہے تھے۔احمد رضا چلتے ہوئے ان کے بالکل سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

کہیے؟ ان کا لہجہ بہت اجنبی اور آنکھیں بہت انجان تھیں، ان میں کوئی شناسائی کوئی واقفیت نہیں تھی، کوئی دکھ اور کوئی خوشی نہیں تھی۔وہ بے تاثر تھیں، بغیر کسی حرکت کے...

کیسے ہو احمد؟ اپنی ہمت جمع کر کے انہوں نے کہا تھا۔

میرے پاس وقت نہیں ہے حال چال بتانے کا... سرفراز جانتے تھے وہ ان کے ساتھ یہی رویہ اختیار کرے گا مگر پھر بھی ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

میں ارمینہ کے متعلق تم سے بات کرنے آیا ہوں...

میں اس لڑکی کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔وہ میرے بیٹے کو exploit کرنا چاہتی ہے مگر ایسا نہیں ہو گا... میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ بہ ظاہر بہت سادگی سے ادا کئے گئے جملے کی کڑواہٹ ان کے اندر تک اتر گئی تھی۔

exploit؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟ وہ تو جانتی بھی نہیں کہ تم کون ہو اس کے۔

میں اس کا کچھ بھی نہیں ہوں... سنا تم نے؟

اگر ایسا ہے تو اس سے وہی رویہ رکھ لو جو اجنبیوں سے رکھتے ہیں، یونہی راہ چلتے تم کسی اجنبی کو یقینا دکھ نہیں دیتے ہو گے۔اسے بھی مت دو... وہ معصوم ہے اس کا کوئی قصور نہیں ہے... جو میں نے کیا اس کا بدلہ اس سے مت لو... اسے عادت نہیں ہے سخت رویوں کی کیوں کہ اس نے کبھی کسی کو ایسا موقع ہی نہیں دیا وہ تمہارے گھر سے آنے کے بعد ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب رہی ہے اور مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ کوئی میری وجہ سے اس سے وہ سب کہے جو وہ deserver نہیں کرتی...

تم سے تو کبھی چھوٹی سی تکلیف بھی برداشت نہیں ہوتی اس کی، یہ نئی بات نہیں ہے میرے لیے۔

وہ ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، اسے میں نے ہر چیز سے دور رکھا ہے۔تم بھلے ہی اس سے بات نہ کرو اس سے نہ ملو مگر اس سے مل کر اس سے وہ سب مت کرو جس سے اسے تکلیف پہنچے... وہ اب کبھی تم لوگوں کے قریب نہیں آئے گی، کبھی ارمش یا تم سے ملنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ وہ بہت خوددار اور بہت سمجھ دار لڑکی ہے۔لیکن اگر ہیری ہوم کے سلسلے میں یا کسی بھی وجہ سے تمہارا اس سے سامنا ہو تو اس کے سلام کا جواب دے کر آگے بڑھ جانا مگر اسے دکھ مت

دینا... وہ میرا... واحد اثاثہ ہے۔ یہ کہہ کر سرفراز محمود رکے نہیں تھے بلکہ جانے کے لئے پلٹ گئے تھے۔ زندگی نے انہیں محبت کے کتنے اونچے آسمان سے گرا کر کتنی پستیوں میں لا پھینکا تھا۔وہ احمد جسے وہ کبھی اپنے باپ کی جگہ دیا کرتا تھا، جو ان کے آنسو تو کیا ان کی شکنیں بھی برداشت نہیں کر پاتا تھا، اس نے آج سرفراز سے مصافحہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا، اس کا حال تک نہیں پوچھا تھا اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر بھی وہ رتی برابر نہیں پگھلا تھا۔اس کی بیساکھیوں کو دیکھ کر بھی ان پر سوال نہیں کیا تھا... حیرت، شاک اور مایوسی، وہ ان تمام الفاظ کی جامع تفسیر تھا۔ وہ وہاں سے جانے والا واحد فوجی تھا جو رو رہا تھا اور اسے فکر نہیں تھی اس کے آس پاس کے لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ان میں سے کوئی اگر یہ بات جان لیتا کہ وہ کئی سال پہلے اپنے بیچ کا بہترین پیراٹروپر رہ چکا ہے تو وہ حیرت کے ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے۔وہ گاڑی میں آکر بیٹھ گئے تھے۔جاویدان کا انتظار کر رہا تھا۔

سر پانی دوں؟ ان کی حالت جاوید بھائی کو ٹھیک نہیں لگی تھی۔

نہیں۔

جاوید؟ سرفراز محمود کی آواز پر جاوید بھائی چونکے۔

جی؟

جب کوئی اپنا آپ کو دھتکارتا ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے ناں۔تمہارے ابا نے جب تمہیں گھر سے نکالا تھا تو تمہیں بہت برا لگا ہو گا ہے ناں؟

جی سر! مگر میں اپنے ابا کو جانتا ہوں، وہ چاہتے تھے کہ میں اپنے ساتھ کچھ کر لوں اور حلال کما کر کھاؤں اور پڑھ لکھ جاؤں تبھی تو ایسا کیا انہوں نے میرے ساتھ اس میں بھی محبت ہوتی ہے سر...

تم خوش قسمت ہو... اپنے پیروں پر بھی کھڑے ہو جاؤ گے ایک دن مگر میں بہت بدقسمت ہوں۔میں جہاں تھا میں نے اپنے آپ کو اس سے بھی نیچے گرا لیا۔ جاوید بھائی خاموش رہے تھے۔

چلو گھر چلو۔

☆...☆...☆

وہ بے سدھ تھے جیسے کوئی مجسمہ بنا سانس اور بنا دھڑکن کے۔سرفراز کو گئے بہت وقت گزر گیا تھا مگر ان کے وجود میں رتی برابر بھی حرکت نہیں ہوئی تھی۔انہوں نے سب کچھ محسوس کیا تھا، ان کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ، آنکھوں کی نمی، وجود کا نامکمل ہونا سب کچھ، ایک انا تھی جو درمیان میں تھی، ایک دوستی تھی جو عذاب

بن بیٹھی تھی... نہ جینے دیتی تھی نہ مرنے دیتی تھی۔ نہ دکھی رہنے دیتی تھی نہ خوش رہنے دیتی تھی۔

تم آج بھی صرف اپنی بیٹی کے ہی ہو سرفراز۔صرف اس ایک لڑکی کی محبت تم پر اتنی غالب ہے کہ اس کے آگے ہر محبت ریت کی طرح ہے۔آج اتنے سال بعد تم آئے مجھ سے ملے اور صرف اس لڑکی کے بارے میں بات کرتے رہے جس کا وجود میرے لئے سب سے تکلیف۔دہ ہے۔تم آج بھی اس کے لئے اپنی ہر چیز قربان کر سکتے۔ہو محبت، دوستی سب کچھ... اس لڑکی نے سب کچھ چھین لیا مجھ سے، اب وہ مجھ سے میرا بیٹا چھیننا چاہتی ہے ناں... تو یہ کبھی نہیں ہو گا... دل میں سوچنے کے علاوہ وہ اس وقت کچھ بھی کر سکنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔وہ اکیڈمی میں مزید رُکے بغیر گھر آگئے۔

☆...☆...☆

وہ شام میں اٹھی تو پاپا گھر پر نہیں تھے۔ان کے گھر واپس آنے کے بعد وہ سیدھا ان کے کمرے میں چلی گئی، پاپا کی حالت بہت خراب تھی۔

پاپا کیا ہوا؟ اتنے پسینے آرہے ہیں آپ کو اور جسم بھی ٹھنڈا پڑا ہے۔

بی پی گر گیا ہو گا بیٹا۔ اس نے جلدی سے ان کا بی پی چیک کیا اور انہیں ان کی دوائیں دیں۔انہوں نے پانی کے ساتھ دوائیں نگل لیں۔وہ ان کے پاس بیٹھی ان کا ماتھا سہلاتی رہی پھر آہستہ آہستہ ان کی حالت بہتر ہوتی گئی۔

آپ کہاں گئے تھے پاپا؟ آپ کو کہا ہے اتنی دیر گھر سے باہر نہ جایا کریں۔ ارمینہ نے قدرے پیار بھرے انداز میں پوچھا تو سرفراز محمود جواباً خاموش رہے۔

تم آج دیر سے آئی تھیں؟

جی پاپا وہ... اسے اچانک آج ہونے والا قصہ یاد آگیا۔

پاپا آج ایک عجیب سی بات ہوئی... ہم لنچ پر گئے تھے۔ارمش نے ہیری ہوم کے سارے اسٹاف ٹرسٹیز اور سب کو لنچ دیا تھا، اس میں ارمش کے بابا بھی آئے تھے۔ میں سلاد لے رہی تھی اور آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ انہوں نے مجھے کیا کہا۔

کیا کہا؟ وہ اچانک ہی الرٹ ہو گئے تھے۔

انہوں نے کہا بیٹا وہ مت کھاؤ اس میں کارن ہے... انہیں کیسے معلوم کہ میں کارن الرجک ہوں؟ اس بات پر وہ بے ساختہ مسکرانے لگے تھے۔

کیا یہ کہا تھا اس نے تم سے؟ انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔

جی پاپا انہوں نے ... اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

پاپا آپ جانتے ہیں انہیں کیا؟ اس نے حیرانی سے سرفراز محمود سے پوچھا تو وہ سٹپٹا گئے۔

نہیں تو۔ وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہے تھے۔

پاپا مجھے سچ سچ بتائیں کیا بات ہے؟ وہ کیسے جانتے ہیں؟ مجھے ان کو کیسے پتا میں کارن الرجک ہوں؟ اور وہ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہیں میرے ساتھ...؟ آپ جانتے ہیں ناں پاپا؟ سچ بتائیں مجھے پلیز میں جاننا چاہتی ہوں... یہ ایک پہیلی سی بن کر رہ گئی ہے اور آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ سب کچھ جانتے ہیں مگر مجھ سے چھپا رہے ہیں...

وہ خاموش رہے پھر انہوں نے کہنا شروع کیا۔

احمد رضاابراہیم... تمہارے ماموں ہیں۔انابیہ کا سگا بھائی ہے وہ... اور میرا سب سے اچھا دوست، وہ میرے لئے میرے بڑے بھائی، میرے باپ کی طرح ہے۔وہ اس دنیا میں میرے بعد تمہارا سب سے قریبی رشتہ ہے۔ اپنے ہاتھ پر رکھے ارمینہ کے ہاتھ انہیں سرد ہوتے محسوس ہوئے تھے۔وہ شاک میں تھی یا صدمے میں، اس کی آنکھیں بھیگنے میں ایک لمحہ لگا تھا اور سب کچھ نظروں سے اوجھل ہونے لگا تھا۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اٹھا کر اسے دیا جو وہ ان کے لئے لائی تھی اس نے پانی نہیں پیا بلکہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ... آپ... کیا...؟ اس کے الفاظ زبان پر آنے سے پہلے دم توڑ رہے تھے۔وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی۔

تو پھر... اتنے سال... اتنے سال... پاپا کیوں؟ اس نے اٹکتے ہوئے اپنا جملہ مکمل کیا۔

بیٹھ جاؤ میں بتاتا ہوں۔ وہ بیٹھ گئی۔ پھر انہوں نے اسے الف سے یہ تک ایک ایک چیز بتا دی۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی ایک ایک بات۔انہوں نے اسے وہ البم بھی دکھایا تھا جو وہ آج تک اس سے چھپاتے آئے تھے۔ساری کہانی سنتے ہوئے وہ کہیں کہیں مسکرائی، کہیں غصے سے سرخ ہوئی اور کہیں دکھ سے رونے لگی۔وہ جیسے سب کچھ اپنی آنکھوں کے آگے ہوتا دیکھ رہی تھی، محسوس کر رہی تھی۔اس کی تمام تر حسیات اتنے بڑے دھماکے کے باوجود بالکل سلامت تھیں۔جب وہ اسے سب کچھ بتا چکے تو وہ رو نہیں رہی تھی بلکہ اب اسے سب کچھ سمجھ آرہا تھا۔ان کا رویہ، ان کا مزاج ان کے سلوک کی وجہ۔پھر اس نے ارمش کے رویے کو سوچنا شروع کر دیا بلکہ وہ ابتدا میں شاید نہیں جانتا تھا کہ میں کون ہوں اور جب جان گیا تو اس نے بھی میری طرف سے منہ پھیر لیا۔وہ دل جوئی جو شکرپاراں میں کی گئی تھی سب پانی کی لہر کے ساتھ بہہ گئی تھی۔وہ پانی جو اس کی آنکھوں سے ارمش کے خیال پر رواں ہو گیا تھا۔پانی کے بہ جانے کے بعد اسے لگا جیسے اب صرف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ریت تھی، صرف مٹی تھی جس میں پیر جمانا اسے آسان لگنے لگا اور پیر جمانے کے لئے اس نے ایک سہارا لے لیا تھا... نفرت کا سہارا...

پاپا زندہ ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہم کس حال میں ہیں؟ ان سے یہ بھی نہیں ہوا کہ کبھی ہم سے آکر پوچھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ ہمیں کیا چاہیے؟ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہمیں۔ ایسی بھی کیا نفرت بابا کہ شکل دیکھنا گوارا نہیں کی آج تک؟ وہ غصے میں تھی۔اسے شرمندگی تھی، تکلیف تھی، دکھ تھا، جو اب زبان پر آنے لگا تھا۔

میں ابھی اس ہی سے مل کر آیا تھا... میں نے آج اسے... بیس سال بعد دیکھا ہے۔ وہ آج بھی ویسا ہی ہے، اس کے دل میں آج بھی میرے لئے جگہ نہیں ہے...

بدقسمت ہیں وہ پاپا جو آپ جیسا دوست کھو بیٹھے ہیں۔اور انہی کی وجہ سے آپ کی طبیعت خراب ہوئی تھی ناں؟ یقینا جس لہجے میں انہوں نے مجھ سے بات کی تھی آپ سے بھی اسی لہجے میں کی ہو گی... پاپا وہ کیا ہمیں معاف نہیں کریں گے، میں ان کو معاف نہیں کروں گی زندگی میں کبھی بھی... وہ غصّے سے سرخ تھی۔

ارمینہ ایسے نہیں کہتے بیٹا... وہ جذباتی ہے۔

وہ بے حس ہیں پاپا... اور اگر اب تک ہم انہیں یاد نہیں تھے تو آگے بھی ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا آپ کیوں گئے تھے وہاں؟

تمہارے لئے...

میرے لئے؟

ہاں... میں چاہتا تھا آئندہ وہ تمہیں تکلیف نہ دے۔

حد ہوتی ہے پاپا... آپ اس لئے ان کے جیسے انسان کے آگے چلے گئے؟ آپ کو نہیں جانا چاہیے تھا وہاں پر...

ارمینہ اسے برُا بھلا مت کہو... وہ اپنی بہن کی محبت میں مجبور ہے اور میری غلطی تھی۔

آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی، موت برحق ہے پاپا۔امی کی زندگی اتنی ہی تھی... ان کی سانسیں اتنی ہی تھیں... مجھ جیسی لڑکی یہ بات سمجھ سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں سمجھ سکتے؟ کسی کی موت پر کسی کا کیا اختیار ہے پاپا...

ارمینہ میں اسی لئے تمہیں کچھ نہیں بتاتا تھا... مجھے معلوم تھا کہ تم اپنا آپ کھو دو گی۔

نہیں پاپا... آپ فکر نہ کریں... میں آپ کی بیٹی ہوں مجھے معلوم ہے احترام کے دائرے میں رہ کر کسی کو آئینہ کیسے دکھایا جاتا ہے...

بیٹا اس سے معافی مانگ لو... تم اس کی بھانجی ہو وہ تمہیں اپنا لے گا۔

معافی...؟ بس کر دیں پاپا پلیز بس کر دیں... میں جانتی ہوں آپ ان سے محبت کرتے ہیں مگر یقین کریں وہ آپ کی محبت کو بالکل ڈیزرو نہیں کرتے... جو انسان آپ جیسے شخص سے اس قدر بدگمان ہو سکتا ہے وہ کسی کی محبت ڈیزرو نہیں کرتا... آپ نے کتنا کچھ کیا ہے پاپا ان کے لئے پھر ارمش کے لئے آپ نے ارمش کو اتنی عزت دی، اتنی محبت دی اور اس نے کیا کیا؟ سب کچھ برباد کر دیا... بس ہو گیا پاپا اب بس ہو گیا... اگر انہوں نے ہمارے مشکل وقت میں ہمیں سپورٹ نہیں کیا، ہمارا ساتھ نہیں دیا جب ہمیں کسی اپنے کی ضرورت تھی، جب ہم دونوں ٹوٹ گئے تھے جب آپ معذور ہوئے، جب آپ کو فوج سے نکلنا پڑا تب وہ نہیں تھے تو اب ہمیں بھی فرشتہ نہیں چاہئے کوئی۔ وہ خاموش ہو گئی تھی اور اس کے بال اب اس کے چہرے اور گردن کے گرد بکھر گئے تھے۔

آپ اب آرام کریں اور ان کے بارے میں مت سوچئے گا... ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی... وہ کمرے سے نہیں گئی تھی بلکہ پاپا کو اس نے نیند کی گولی

زبردستی دے دی تھی۔دوا کے اثر سے وہ سو بھی گئے تھے وہ پھر بھی وہ ان کے پاس بیٹھی رہی۔البتہ ان کے سونے کے بعد اس نے بے آواز رونا شروع کر دیا تھا۔جن سے آپ محبت کرتے ہیں ان کے سامنے کبھی کبھی رونا بھی بہت مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ آپ کو ان کی فکر ہوتی ہے۔

وہ بھی ان کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی ورنہ وہ سمجھتے کہ وہ کم زور پڑ گئی ہے۔ وہ کم زور نہیں تھی بلکہ وہ بے بس ہو گئی تھی۔اس نے بہت سی مشکلات برداشت کی تھیں... اکیلے، تنہا اور اُف تک نہیں کی تھی۔

بچپن میں وہ گھر میں نہیں رہی تھی بلکہ چائلڈ کیئر میں رہی تھی۔پھر تھوڑی بڑے ہونے پر اپنے پڑوس والی خاتون کے پاس جو کبھی کبھی اس کو کھانا دینا بھی بھول جاتی تھیں مگر وہ پاپا سے کچھ نہیں کہتی تھی۔وہ بہت چھوٹی عمر سے اپنے گھر کی ذمے داری سنبھال چکی تھی۔پاپا کے چھوٹے چھوٹے کام وہ ہمیشہ سے کر دیا کرتی تھی۔پڑھائی میں ہمیشہ سے وہ اچھی رہی تھی پاپا نے کبھی اس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا مگر پھر بھی وہ سمجھتی تھی کہ اس کا ڈاکٹر بننا پاپا کی خواہش تھی۔ تو وہ محنت کرتی چلی گئی۔اس نے ہمیشہ اپنی ضروریات کو کم کرنے کی کوشش کی تھی۔وہ کنجوس نہیں تھی مگر اپنی دیگر دوستوں کی طرح بے جا خرچ کرنا اس کی

عادتوں میں کبھی شامل نہیں رہا تھا۔اس کی بس ایک لگژری تھی... کتابیں... جن کے بغیر وہ رہ نہیں سکتی تھی۔اپنی پاکٹ منی بچا کر وہ صرف کتابیں لیتی تھی جو اس کا واحد جنون تھا۔اس کے علاوہ اس نے کبھی اپنی خواہشات کو بڑھنے نہیں دیا تھا... وہ جانتی تھی کو وہ یہ کبھی افورڈ نہیں کر سکتی اور نہ اس کے پاپا...

آٹھ سال کی عمر میں انڈہ تلتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ جلا لیا تو پاپا نے اسے بہت ڈانٹا تھا اور وہ بہت روئی تھی۔

پاپا پھر اور کیا کرتی... آپ کو مشکل ہوتی ہے ناں کچن میں اور آج فرید بابا بھی نہیں آئے۔ اس نے معصومیت سے کہا تھا۔

جو بھی ہے تم اب آئندہ ایسے کام نہیں کرو گی۔ سمجھ گئیں؟

جی۔ اس نے روتے ہوئے ہامی بھر لی تھی مگر ایک ہفتے بعد اس نے ایک انڈہ پھر تلا تھا اس بار نہ ہاتھ جلا نہ ہی انڈہ... چیزیں آہستہ آہستہ جگہ پر آگئی تھیں... بچپن سے وہ اکیلی رہی تھی، نہ کوئی رشتہ دار نہ کوئی دوست اور نہ کزن۔اس کی دنیا صرف پاپا سے تھی۔

اس نے ایک مشکل بچپن گزارا تھا، تنہا اور نامکمل، لیکن پھر بھی وہ ساری دنیا کے آگے ہنستی تھی اور جب لوگ اسے زندہ دل ہنس مکھ اور خوش باش لڑکی کہتے تو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اسے حیرانی ہوتی اور ساتھ دکھ بھی ہوتا... ہنسی دنیا کو دکھانا آسان ہوتا ہے مگر اس ہنسی کے پیچھے موجود تنہائی اور محرومیوں کو چھپانا مشکل۔اور اب اچانک جب اس کا کوئی اپنا دریافت ہوا تھا تو اسے غصہ آیا تھا۔ایسی زندگی گزار لینے کے بعد شاید ہر کسی کو آتا...

اسے اپنی تمام تر محرومیاں یاد آنے لگی تھیں۔وہ خالی جگہ بھری جا سکتی تھی اگر احمد رضا وہ نہ کرتے جو انہوں نے اس کے ساتھ کیا... اس نے اپنے آنسو پونچھے اور جب اسے یقین ہو گیا کہ پاپا گہری نیند میں جا چکے ہیں تو وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی... اب اسے کہاں جانا تھا اسے معلوم تھا۔

☆...☆...☆

انہیں اندر گھٹن ہونے لگی تو باہر لان میں آگئے۔شام کا وقت تھا اور کھلی ہوا میں سانس لینا انہیں اچھا لگ رہا تھا۔ٹہلتے ہوئے احمد رضا کی نظر اس پر پڑی۔سُرخ چہرے کے ساتھ وہ گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔وہ اسے دیکھ کر کچھ پل رکے، ان کے قریب آتے ہی اس نے انہیں سلام کیا۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام بے تاثر چہرے کے ساتھ انہوں نے جواب دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ویسے تو میں خود سے کبھی یہاں نہ آنے کا عہد کر کے گئی تھی لیکن آپ کی وجہ سے مجھے آنا پڑا... وہ خاموش رہے، کچھ پل رکنے کے بعد وہ پھر بولی۔

میں جان گئی ہوں کہ آپ کون ہیں... لیکن ایک بات آپ بھی جان لیں، جو رشتہ میرا آپ سے ہے اسے آپ نے کبھی قبول نہیں کیا اور اب... میں... اس رشتے کو کبھی قبول نہیں کروں گی۔مسٹر احمد رضا ابراہیم آپ سے میں نہ ہی کوئی شکوہ کرنے آئی ہوں اور نہ ہی کوئی شکایت، کیوں کہ وہ اپنوں سے کئے جاتے ہیں جب کہ آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔مگر میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی میرے پاپا پر الزام لگائے وہ بھی بے بنیاد۔جو سچ ہے وہ سچ رہے گا۔آپ کے کچھ بھی سوچنے سے سچ نہیں بدل سکتا اور سچ یہ ہے مسٹر احمد کہ امی کی زندگی اتنی ہی تھی۔وہ اللہ کے پاس سے اتنی ہی عمر لکھوا کر آئی تھیں۔اس میں پاپا کا قصور نہیں تھا اور آپ کو کیا لگتا ہے کہ امی کے جانے سے صرف آپ کو دکھ ہوا ہے؟ کیا وہ صرف آپ کی سگی تھیں؟ صرف آپ کی زندگی میں ان کی کمی ہے؟... نہیں!! ہم آپ سے زیادہ مفلوج اور ادھوری زندگی گزار رہے ہیں ان کے بغیر ہم ادھورے ہیں آپ کے پاس تو سب کچھ ہے ایک مکمل فیملی... گھر ہمارا ختم ہوا ہے... مصیبتیں ہم نے برداشت کی ہیں! ان کی کمی ہم نے برداشت کی ہے، ان کے گھر میں نہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہونے کا دکھ ہم نے سہا ہے۔پاپا معذور ہوئے ان کو فوج سے نکلنا پڑا، ان کا جنون، ان کی محبت صرف پیراگلائڈنگ تھی، انہیں وہ بھی چھوڑنی پڑی۔انہیں ایک ایک کر کے ہر وہ چیز چھوڑنی پڑی جس سے انہیں محبت تھی امی... آپ... ان کا کام سب کچھ...!! پھر بھی، پھر بھی انہوں نے مجھے ایک مکمل زندگی دینے کے لئے محنت کی ہے... آپ سوچ بھی نہیں سکتے اتنی محنت... آپ نے کیا کھویا مسٹر احمد؟ سب کچھ تو ہے آپ کے پاس بیوی، بیٹے، ایک ڈریم لائف، ریٹائرمنٹ... مگر ہاں ایک جگہ پر آپ بہت بدقسمت ہیں... آپ نے ایک اچھا دوست کھو دیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا... چہرے کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا۔

آپ نے میرے پاپا جیسا انسان کھو دیا۔آپ نے اپنی بدگمانیوں کی دھوپ میں کھڑے ہو کر اس شجر کو دیکھنا تک گوارا نہیں کیا جو شاید آپ ہی کے لئے بہتر تھا۔بہن نہیں تھی کم از کم ایک دوست تو تھا... کوئی تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر آپ رو سکتے تھے... مگر آپ سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو گا جس نے خود ہی وہ کندھا ٹھکرا دیا... اور میں آپ کو بتاؤں مسٹر احمد! آج آپ کے پاس سب کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے... صبر نہیں ہے... آپ کے چہرے پر تھکن ہے، بے قراری ہے... آپ کے وجود میں وقار تو ہے مگر ساتھ ایک لرزش ہے، جسے دنیا نہ دیکھ سکے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مگر میں دیکھ سکتی ہوں... اب میرے پاپا کبھی آپ کے پاس نہیں آئیں گے... کبھی آپ سے نہیں ملیں گے... میری خاطر بھی نہیں۔سچ تو میں نے آج جانا ہے۔اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں آپ کے یا آپ کے بیٹے کے سامنے سے گزرنے کی بھی زحمت نہ کرتی... ایک بار تعلق آپ نے ختم کیا تھا... آج میں ختم کر رہی ہوں... ارمینہ! اسے پیچھے سے ارمش کی آواز آئی۔شاید وہ ابھی آیا تھا، پہلے آیا ہوتا تو اسے کب کا ٹوک چکا ہوتا...

تمہاری ہی کمی تھی... لو تم بھی آگئے۔ وہ استہزائیہ لہجے میں ہنستے ہوئے بولی تھی۔

ارمینہ تم بابا سے اس طرح بات نہیں کر سکتیں...

میں کر سکتی ہوں... یہ ڈیزرو کرتے ہیں کہ انہیں آئینہ دکھایا جائے۔

ارمینہ تمیز سے بات کرو بابا سے اس بار اس کا لہجہ سخت تھا۔

کیا واقعی ارمش؟ تم مجھ سے کہہ رہے ہو؟ اصل میں تم بھی اپنے بابا جیسے ہی ہو۔ جب تک تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں، تم میرے دوست تھے اور جیسے ہی تمہیں حقیقت پتا چلی، تم نے منہ پھیر لیا ہم سے... یہ بھی بھول گئے کہ اس گھر میں کتنی محبت، کتنی عزت دی پاپا نے تمہیں... تم سب بھول گئے ارمش... تم سے یہ امید نہیں تھی مجھے... ان کے لئے کیا ہے ناں تم نے یہ سب کچھ؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمش خاموش رہا مگر غصے سے لال ہوگیا۔اس نے ارمینہ کو کبھی کسی سے اس طرح بات کرتے نہیں دیکھا تھا وہ بھی عمر میں اتنے بڑے شخص سے۔

بابا سے بات کرتے وقت اپنا لہجہ دھیما رکھنا ارمینہ... سنا تم نے؟ اس نے سختی سے اسے کہا۔اس کا چہرہ مزید سُرخ ہوا۔اس کی آنکھیں تب سے پانی سے بھری تھیں جب سے وہ یہاں آئی تھی۔

ارمش... احمد رضا نے اسے پکارا۔

اس لڑکی سے کہو یہاں سے چلی جائے... میں مزید اسے اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا... ارمینہ نے بے بسی سے پلٹ کر انہیں دیکھا تھا... اب کی بار اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں اور احمد رضا نے ایک بار... بس ایک بار ان کی نظریں ارمینہ پر پڑیں اور وہ سب کچھ سمجھ گئے۔ارمش ٹھیک کہتا تھا اس کا چہرہ tale telling تھا... یہاں آکر انہیں اتنا سب کہہ لینے کے باوجود اس کے چہرے پر سب کچھ تھا... شکست، بے بسی، دکھ اور رنج جو ان کے بس اس ایک جملے کی وجہ سے تھی... وہ وہاں مزید نہیں رکی تھی۔رکتی تو شاید پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی اور وہ کم از کم ان دونوں کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔تیزی سے بنا کچھ کہے وہ باہر نکل گئی اور احمد رضا بھاری قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس کی نظریں پڑھ کر ہی جان گئے تھے کہ وہ اصل میں یہاں کیوں آئی تھی۔اس امید سے کہ شاید وہ اسے اپنا لیتے اس کے اتنا بے تحاشہ بول کر خاموش ہونے کے بعد اس کا ماتھا چوم کر اسے کہتے کہ بیٹا سب بھول جاؤ... تو وہ واقعی سب بھول جاتی... وہ جو کچھ ان سے بول کر گئی تھی سب بے معنی ہو گیا تھا۔اس کی نیلی آنکھوں میں ایک سمندر تھا، آنسوؤں کا، تکلیف کا، امید کے ٹوٹ جانے والی کرچیوں کا... انہوں نے اس کی امید توڑ دی تھی۔

کمرے کی طرف جاتے ہوئے ان کے قدم اسٹڈی کی طرف مُڑ گئے۔اسٹڈی میں آکر وہ کتاب ڈھونڈنے لگے جس میں اس کی تصویر تھی۔کتاب تو مل گئی مگر اس میں تصویر نہیں تھی، وہ بے چین سے ہو گئے۔ وہ دونوں چلے گئے تھے۔

ارمینہ گھر کے باہر اور بابا گھر کے اندر، لیکن وہ وہیں کھڑا رہا، دونوں کے درمیان ایک سرحد کی طرح۔وہ مُڑ کر دروازے سے باہر آگیا۔ارمینہ اس کے گھر کے ساتھ چلتے ہوئے ایک چبوترے پر چل رہی تھی۔بہت آہستہ آہستہ، گردن جھکا کر تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ۔اس کا بیگ اس کے کندھے سے تقریباً گر رہا تھا مگر اسے ہوش نہیں تھا۔اس کی گاڑی نظر نہیں آرہی تھی وہ شاید آج گاڑی میں نہیں آئی تھی۔

وہ چبوترے کے اختتام پر بنی چوکھٹ پر رک گئی اور فون نکال کر جاوید بھائی کو کال ملائی... ارمش اس کی حرکات کو سکنات کو پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔بہت تھوڑی بات کر کے اس نے فون بند کردیا۔ارمش اس سے دور تھا اس لیے اس کی آواز اس تک نہیں پہنچی۔شام اب ڈھل رہی تھی۔وہ چلتا ہوا اس کے قریب آگیا۔وہ پلٹی نہیں مگر اس کی موجودگی کو محسوس کر چکی تھی۔

تم نے اچھا نہیں کیا ارمینہ... اپنی شخصیت کے برعکس تم نے ایک بہت بے تُکا کام کیا ہے...

تم نے بھی اچھا نہیں کیا... اپنی شخصیت کے برعکس ایک بہت بے تُکا کام... وہ اسی کا جملہ اسی کے لہجے میں بولی تھی۔وہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے۔

ارمینہ تم اچھی ہو اپنے آپ کو برا مت بناؤ... کیا مل جاتا تمہیں یہ سب کر کے...؟ سکون...

ملا کیا...؟ اس بار ارمش نے اسے دیکھ کر پوچھا ... وہ خاموش ہو گئی مگر اس کے آنسوؤں کی رفتار تیز ہو گئی۔

میں اس دنیا میں سب سے نفرت کرتی ہوں۔تم سے، تمہارے بابا سے، تمہاری پوری فیملی سے، ہر ایک سے۔میرے لئے میرے پاپا کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس

دنیا میں، تم بھی کچھ نہیں لگتے میرے... اگر کبھی تم نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے تو اس کے لئے تمہارا شکریہ... وہ پھٹ پڑی اور ارمش تحمل سے اس کی بات سنتا گیا۔وہ ہرٹ ہوئی تھی۔اسے اس کی کیفیات دماغ پر شدید ملال تھا۔

تمہارے ہاتھ سے خون کیوں بہ رہا ہے؟ وہ اتنی دیر سے اپنی اس چوٹ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جو اسے دروازے سے باہر آتے ہوئے لگی تھی۔اس کا ہاتھ دروازے کے لاک کے ساتھ رگڑتا ہوا چلا گیا تھا جس کی وجہ سے ہلکا سا کٹ گیا تھا۔اس نے آنسو پونچھ کر اس کی طرف دیکھا۔

تمہارے اس گھر نے ہمیشہ مجھے تکلیفیں ہی دی ہیں، یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ وہ اسے دیکھتا رہا اس کے بعد ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی خاموشی آپ کو سکون پہنچاتی ہے۔ارمش کبھی نہیں سمجھ سکا کہ ارمینہ کی موجودگی چاہے کیسی ہی ہو اسے سکون کیوں پہنچاتی ہے! وہ غصے میں ہوتی، خوش ہوتی یا دکھی ہوتی، لیکن وہ اس کے پاس ہوتی تو اسے عجیب سا مکمل ہونے کا احساس ہوتا۔

گاڑی آگئی تو وہ جانے لگی۔

ہم دونوں ایک ہی جگہ پر ہیں ارمینہ! میں اپنے بابا کو نہیں چھوڑ سکتا، تم اپنے... ہم بالکل برابر ہیں... کیوں کہ ہم ان سے بہت محبت کرتے ہیں...

نہیں ارمش ایک فرق ہے... میرے پاپا مظلوم ہیں اور تمہارے بابا ظالم۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

وہ وہیں کھڑا رہا۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ان کی زندگی میں کوئی ایسا وقت بھی آئے گا جب وہ اس کے ہاتھ سے بہتا ہوا خون صاف نہیں کر پائے گا۔ وہ اندر آگیا بابا اسٹڈی سے نکل رہے تھے۔

تم نے وہ تصویر کہاں رکھی ہے ارمش؟

ارمینہ کی تصویر؟

ہاں

کیوں چاہیے آپ کو؟ اس نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

بس چاہیے... تمہیں اسے اس کی جگہ پر لاکر رکھنا چاہیے تھا۔

آپ رو رہے تھے...؟ وہ اس کے سوال پر اچانک خاموش ہو گئے تھے۔

تمہیں مہارت حاصل ہے لوگوں کا چہرہ پڑھنے میں... انہوں نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

صرف ان کا جن سے میں محبت کرتا ہوں۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ چلی گئی کیا؟ احمد رضا کے اس سوال ارمش نے چونک کر انہیں دیکھا۔

جی چلی گئی... اسے چوٹ لگ گئی تھی۔ میں نے اسے جانے کا کہا تھا ناں...

ان کے چہرے پر اب وہ ملال دیکھ سکتا تھا۔ میں جذباتی چوٹ کی نہیں جسمانی چوٹ کی بات کر رہا ہوں...

کیسے لگی...؟ وہ یک دم پریشان ہو گئے۔

معلوم نہیں... اس کے ہاتھ سے خون بہ رہا تھا ٹکرا گئی ہو گی جاتے ہوئے کہیں۔

اتنی تیزی سے بھاگتے ہوئے جو گئی تھی۔ ارمش بہت باریکی سے کچھ محسوس کر رہا تھا۔وہ بہت غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

تو تم نے پوچھا نہیں کیسے لگی؟

اس نے بتایا نہیں۔

گھر کیسے گئی وہ؟

ڈرائیور آیا تھا۔

پریشان ہو گی۔

جی تھی تو... رو بھی رہی تھی۔

تو اسے چپ کروانا تھا ناں... وہ چانک ہی بہت بے چین سے ہو رہے تھے۔

میں کیسے چپ کروا سکتا تھا بابا... ویسے بھی اب ہمیں اس سے کوئی رابطہ، کوئی تعلق نہیں رکھنا، آپ نے ہی کہا تھا ناں... اور میں نہیں چاہتا اسے کسی کی ہمدردی کی عادت پڑے... جو بھی ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

ہمدردی کی ضرورت تو سب کو ہوتی ہے۔ وہ نظریں جھکائے کہہ رہے تھے۔

وہ ہمیشہ سے اکیلی ہی رہی ہے بابا... انکل سرفراز کے علاوہ اور کوئی نہیں رہا ہے اس کی زندگی میں جو اس سے ہمدردی کرے... جبھی تو وہ دوسروں میں نئے نئے رشتے ڈھونڈتی پھرتی ہے... عمر میں اپنا بھائی ڈھونڈتی ہے، امی سے ملی تھی تو ان میں اپنی امی کو ڈھونڈنے لگی اور مجھ سے ملی تھی تو مجھ میں ایک اچھا دوست مگر اب تو سارے سراب ختم ہو گئے... اور اچھا ہی ہے ناں بابا اسے حقیقت کو دیکھنے کا موقع مل گیا، ورنہ اب تک وہ خوابوں کی دنیا میں جی رہی تھی۔ احمد رضا اسٹڈی ٹیبل کے پاس رکھی کرسی پر گر جانے والے انداز میں بیٹھ گئے۔

بابا آپ ٹھیک تو ہیں؟

ہاں میں ٹھیک ہوں... ان کی آواز میں لرزش تھی جو ارمش نے محسوس کر لی اور وہ ڈھیٹ بنا مسکرایا۔اس کا دماغ اب بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔وہ دوسری کرسی لے کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

بابا ویسے ایک بات ہے... وہ بہت پیاری ہے ناں... اسے دیکھتے ہی اس پر پیار آتا ہے۔اس کی آواز بھی بہت خوبصورت ہے اور اس کی آنکھیں بھی۔ہیں نا...؟

وہ بالکل انابیہ جیسی ہے... مگر انابیہ کی آنکھیں نیلی نہیں تھی...بس یہی فرق ہے دونوں میں... اس کی آنکھیں... انابیہ سے بھی پیاری ہیں... اتنی دیر میں پہلی بار ان کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔بہت دھیمی، مگر آئی تھی۔

انکل سرفراز جیسا تو اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ بولتا رہا۔اس کی نظریں ان پر ٹکی تھیں اور وہ نیچے فرش کو تک رہے تھے۔

نہیں! وہ دراز قد ہے سرفراز کی طرح، اور اس کے ناخنوں کی بناوٹ بھی سرفراز کے جیسی ہے... سرفراز کے ناخن بھی ایسے ہی چمک دار اور گلابی رہتے تھے اور میں اسے چھیڑتا تھا کہ اگر اس کے ناخن ذرا سے لمبے ہوتے تو لڑکیوں والے لگنے لگتے۔

ان کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

آپ نے اس کے... ناخن کب دیکھے؟

اس دن ریسٹورنٹ میں... جب وہ کھانا کھا رہی تھی تب۔

اور آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ کارن الرجک ہے؟ اسے اچانک وہ بات یاد آئی جو اس کے لئے اب تک معمہ تھی۔

جس دن میں نے اس کی وہ تصویر کھینچی تھی اسی دن اس نے اسکول کے باہر سے ایک بھٹا لے کر کھا لیا تھا۔اس وقت اسے پتا نہیں تھا شاید... چھوٹی تھی! اس کی طبیعت بگڑ گئی تو میں اسے ہسپتال لے کر گیا۔وہ جانتی نہیں تھی کہ میں کون ہوں۔ ارمش وہ تصویر کہاں ہے؟ انہیں اچانک اس قصے سے وہ تصویر دوبارہ یاد آگئی، وہ جیسے کسی فیری ٹیل سے باہر آگئے۔چہرے پر کچھ لمحوں پہلے والی مسکراہٹ اب نہیں تھی۔

آپ کے بیڈ سائڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دی تھی میں نے۔آپ کو اب اسے کسی سے چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

سرفراز چل نہیں سکتا اب بھی؟ انہوں نے اچانک سوال کیا۔

نہیں۔

سرجری کے بعد بھی نہیں؟

صرف بیساکھیوں کے سہارے سے۔

وہ معذور کیسے ہوا تھا؟

جس سال پھپھو کا انتقال ہوا تھا اسی سال وہ پریڈ میں فارمیشن کو لیڈ کر رہے تھے مگر ان کی لینڈنگ کے وقت اسٹرنگ ٹوٹ گئی اور ریڑھ کی ہڈی میں جھٹکا آگیا، توازن بگڑ گیا ان کا اور یہ حادثہ ہو گیا۔

اس کا دھیان نہیں ہو گا... انابیہ کی وجہ سے پریشان ہو گا۔

بالکل... ان کے سینئرز یہی کہہ رہے تھے کہ اس دن ان کا دھیان نہیں تھا۔مجھے یہ ساری کہانی انہوں نے خود بتائی تھی۔اس وقت ارمینہ بہت چھوٹی تھی اور ان کے پاس اتنے وسائل بھی نہیں تھے کہ وہ آپریشن کرواتے۔ پھر جب ارمینہ بڑی ہوئی اور خود ڈاکٹر بن گئی تو اس نے زبردستی ان کا آپریشن کروایا... اسی حادثے کی وجہ سے انہیں جاب چھوڑنی پڑی۔

پیراگلائڈنگ اس کا جنون تھا۔

قسمت ہے بابا... انہوں نے کافی کچھ کھو دیا ہے۔ وہ روانی سے بولتا گیا لیکن وہ کچھ نہیں بولے۔وہ اٹھ کر جانے لگا جب اس نے اسٹڈی کے دروازے پر امی کو کھڑے دیکھا وہ، سب کچھ جانتی تھیں مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں انہیں سلام کرتا وہ باہر نکل گیا۔وہ اپنے کمرے میں آکر سوچنے لگا۔

بابا میں جانتا ہوں آپ اب بھی اس بے وقوف لڑکی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ آپ کی انا آپ کے آگے آجاتی ہے۔ان لوگوں سے دور رہ کر آپ بھی خوش نہیں ہیں... اس نے اپنی گھڑی اتار کر سائڈ ٹیبل پر رکھی اور خود فریش ہونے چلا گیا۔

☆...☆...☆

آج اتوار تھا۔وہ کئی دن گزرنے کے بعد آج ہیری ہوم آئی تھی۔ اس واقعے کو کافی دن گزر گئے تھے۔نہ ہی ارمش نے اس سے رابطہ کیا تھا نہ اس نے ارمش سے۔وہ ڈسپنسری میں ہی تھی اور حارث اس کے پاس تھا وہ اس سے ہی ہمیشہ معائنہ کرواتا تھا حالاں کہ اس کا نام ڈاکٹر فاروق کے پاس جانے والے بچوں میں تھا مگر وہ ضد کر کے اس کے پاس آجاتا تھا۔

حارث... عمر کہاں ہے؟

وہ پڑھ رہے ہیں... ان کا کل امتحان ہے ناں۔

ارے ہاں... اچھا تم ایک بات بتاؤ تم اس کے کمرے میں ہی سوتے ہو ناں؟

حارث نے جلدی سے ہاں میں گردن ہلائی تھی۔

تو کیا وہ اپنی دوا وقت پر لیتا ہے؟

معلوم نہیں! میں نے نہیں دیکھا۔

تو آج سے تم دیکھو گے روز۔اسے روز دوا کھانی ہوتی ہے رات کو۔تم روز اس سے پوچھو گے کہ اس نے دوا کھائی یا نہیں اور جب وہ مسلسل پڑھائی کر رہا ہو تو ہر تھوڑی دیر میں اس کو پانی دو گے۔ہر آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے کے وقفے سے مگر صرف دو گھونٹ پانی... سمجھے؟ یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔ حارث بہت دھیان سے اس کی بات سنتا رہا۔

ان کی کیا طبیعت خراب ہے؟

ہاں وہ بیمار ہے... ٹھیک ہے ناں... جس دن وہ دوا کھانا بھول جائے اس دن اسے دوا کھلانا تمہارا کام ہے۔میں پوچھوں گی تم سے ورنہ... ٹھیک؟

ٹھیک ہے میں یاد رکھوں گا۔

اور اگر تم اپنا کام اچھے سے کرو گے تو اگلے سنڈے میں آئس کریم کھلاؤں گی انعام کے طور پر...

عمر ٹھیک ہو جائیں اس سے اچھا کیا انعام ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا تو وہ خوش بھی ہوئی اور حیران بھی۔

لیکن اگر پھر بھی تم مجھ سے بہت خوش ہو گی تو کھلا دینا... میں کھا لوں گا۔ اس نے شرارت سے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ٹھیک ہے اب جائو۔ وہ بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔

رشوت دے رہی تھی اسے؟ ڈسپنسری کے دروازے سینے پر ہاتھ باندھے پر ارمش کھڑا تھا اس نے اسے ایک نظر دیکھا پھر پلٹ کر دوسرے بچے کا معائنہ کرنے لگی۔

وہ اندر آیا اس نے ٹیبل کے دراز سے چند کاغذات نکالے اور چلا گیا۔ جتنی دیر وہ وہاں موجود رہا اس کی سانس اوپر نیچے رہی تھی پھر وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

فارغ ہونے کے بعد وہ ایک بار عمر سے ملنا چاہتی تھی۔ کل اس کا امتحان تھا۔ اسے فکر تھی، وہ ٹھیک تھا یا نہیں۔ وہ چلتی ہوئی اس کے کمرے تک آگئی وہاں عمر کے ساتھ ارمش بھی موجود تھا۔

اوہ! ڈاکٹر ارمینہ سرفراز محمود... تشریف لائیے... عمر چہک کر بولا تو ارمش نے گردن گھما کر دروازے پر کھڑی ارمینہ کو دیکھا۔

کہاں غائب تھیں تم اتنے دن سے میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا تم سے کچھ سوال پوچھنے تھے مجھے اچھا ہوا آگئیں...

میں بعد میں آجائوں گی... وہ واپس جانے لگی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارے کہاں جا رہی ہو یار یہاں آؤ ناں کام ہے تم سے۔ وہ جو جانے کو مڑی تھی، رک گئی۔

کیا پوچھنا ہے؟ ارمش اس کے بیڈ کے پاس رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا وہ اندر آگئی اور آکر بیڈ کے پاس کھڑی ہو گئی۔

تمہاری ہی وجہ سے اندر آگئی تھی ورنہ میں گھر جا رہی تھی۔ مجھے لگا ایک بار دیکھ لوں... تم... ٹھیک ہو یا نہیں۔

مجھے کیا ہونا ہے ٹھیک ہوں میں۔ اتنے میں ارمش اپنی جگہ سے اٹھا اور کرسی اس کی طرف بڑھا دی۔

بیٹھ جاؤ۔

نہیں میں ٹھیک ہوں... تم بولو عمر کیا پوچھنا ہے؟ عمر کتابوں میں کوئی صفحہ ڈھونڈھنے لگا۔ ارمش کرسی پر واپس نہیں بیٹھا بلکہ دیوار سے ٹک کر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا۔ کرسی ہنوز خالی تھی، اس کی نظریں ارمینہ پر جمی ہوئی تھیں۔

یہ دیکھو یہ والا سوال... میں نے اس مشق کے سارے سوال حل کر لئے بس یہ والا نہیں ہوا۔

دکھاؤ۔ اس نے کھڑے کھڑے کاپی ہاتھ میں لے لی۔

تم نے غلطی کی ہے عمر... دیکھو یہ اس طرح ہو گا۔ وہ کھڑے کھڑے ہی سوال حل کرنے لگی۔

بیٹھ جاؤ ناں ارمینہ۔ عمر نے اسے کھڑا دیکھ کر کہا۔

نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے...

ارے یار کھڑے کھڑے کیسے لکھو گی۔

لکھ لوں گی۔ اور اس نے کھڑے کھڑے سارا سوال حل کر لیا اور نوٹ بک عمر کے آگے کر دی۔

یہ لو... اور کیا ہے؟

اور بہت کچھ ہے تم بیٹھ جاؤ ناں پلیز۔ عمر نے کوفت سے کہا تو دیوار کے ساتھ کھڑا ارمش مسکرایا۔ارمینہ نے اس کی مسکراہٹ محسوس کر لی وہ اسے اس وقت زہر لگ رہا تھا۔اس نے بیڈ پر پھیلی کتابیں سمیٹیں اور جگہ بنا کر بیڈ کے کنارے ہی بیٹھ گئی۔

خوش؟ اس نے عمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

چیئر پر بیٹھ جاتی تو چیئر ٹوٹ نہیں جاتی۔ عمر نے خفگی سے اس سے کہا۔

غرور ٹوٹ جاتا۔ اتنی دیر میں ارمش نے ایک جملہ کہا جو اس کے دل پر جا لگا مگر وہ خاموش رہی۔

آگے بتاؤ؟ پھر اس نے ایک ایک کر کے اس کے تمام سوالات حل کر دیئے۔

بہت شکریہ ارمینہ۔ عمر نے اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ مسکرائی۔

انشا اللہ تم کامیاب ہو جاؤ گے... اچھے سے کرنا اور کوئی کام ہو تو کال کر لینا۔

ہاں ٹھیک ہے۔

اور پانی پیتے رہنا مگر تھوڑا تھوڑا... ایک ساتھ بہت سارا مت پینا۔

ہاں ہاں ٹھیک ہے۔

خدا حافظ۔ وہ اٹھ کر باہر آگئی۔

ارمش اب بھی دیوار سے ٹکا اسے گھور رہا تھا۔وہ گاڑی میں آکر بیٹھ گئی اور سارے راستے ارمش کے بارے میں سوچتی رہی۔اس سے پہلی ملاقات سے لے کر آج تک کی تمام ملاقاتوں کے بارے میں، سوائے آخری چند ملاقاتوں کے ہر ملاقات خوبصورت تھی۔مگر ان آخری چند ملاقاتوں نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔آخری خوبصورت یاد جو اس سے جڑی تھی وہ شکرپاراں کے اس خوبصورت باغ کی تھی۔

guzel... اس کے آنسو اب بہنے لگے تھے۔اس نے یونہی اپنا موبائل نکالا اور سرچ انجن میں guzel ٹائپ کیا چند لمحوں میں کئی لنکس کھل گئے اس نے ان میں سے ایک پر ٹچ کیا، وہ ٹرانسلیٹر کھول رہی تھی اور اس لنک کے کھلتے ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

Guzel Beautiful Turkish

غلط! اس نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا۔اس لفظ کا مطلب ضدی نہیں ہے بلکہ خوبصورت ہے اور یہ اسپینش بھی نہیں ہے بلکہ ترک زبان کا لفظ ہے... جھوٹا۔ اس کے آنسو یک دم غصے میں بدل گئے تھے۔

پھر اس نے C est bian ٹائپ کیا !It s ok جو اس نے سوری کے جواب میں کہا تھا۔مطلب وہی تھا لیکن وہ اٹالین نہیں بلکہ جرمن زبان کا لفظ تھا۔ جھوٹا اس نے غصے میں موبائل اندر رکھ دیا تھا۔اسے یاد آیا تھا اس نے Bingo کہہ کر اسے کتنا سراہا تھا اور وہ یہ سمجھ کر وہ درست جواب دے رہی ہے، اتراتی گئی تھی۔

اور وہ اس وقت دل میں ہنس رہا ہو گا مجھ پر وہ غصے سے سرخ ہو گئی تھی۔

☆...☆...☆

وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔گھر کے راستے پر گاڑی ڈالتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔گھر آکر اس نے بابا کو سلام کیا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گیا اب وہ اکثر ان کے پاس بیٹھ جایا کرتا تھا۔

بابا ہیری ہوم کی سال گرہ آنے والی ہے، میں سوچ رہا تھا کیوں نہ کچھ ارینج کریں بچے بھی خوش ہو جائیں گے۔انہیں کہاں ملتی ہیں پارٹیز اور گیدرنگز... ہیری ہوم میں ہی کچھ اچھا سا ارینج کر لیتے ہیں۔کیا خیال ہے آپ کا؟

ہاں اچھا آئیڈیا ہے...

میں نے اسد سے بات کی تھی اور باقی سب سے بھی سب رضا مند ہیں۔

ٹھیک ہے بالکل کرو۔ انہوں نے مسکرا کر ہامی بھر لی۔

لیکن بابا میں سوچ رہا ہوں ارمینہ اور انکل سرفراز کو نہ بلاؤں۔ انہوں نے اخبار پر سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا جب کہ وہ بڑے مزے سے ٹیبل پر بڑے بائول سے کاجو اٹھا کر کھا رہا تھا۔

کیوں نہیں بلاؤ گے؟ تم خود تو کہہ رہے تھے وہ ہیری ہوم کا حصہ ہے۔

جی ہے تو... مگر بابا اب ہمیں ان لوگوں سے فاصلہ رکھنا چاہیے۔ وہ بہت باریک بینی سے ان کے چہرے کے زاویوں کو دیکھ رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لیکن اگر اسے برا لگا تو؟

تو لگتا رہے... ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس نے ایک اور کاجو منہ میں ڈالا۔

ارمش ایسے نہیں کہتے ، کبھی دوست تھی تمہاری وہ۔

انکل سرفراز بھی تو آپ کے دوست ہی تھے بابا۔ ارش کے جملے پر وہ خاموش ہو گئے۔

چلتا ہوں بابا... سب کو آگاہ کرنا ہے اور سب کچھ پلان کرنا ہے۔ وہ اسے جاتا دیکھتے رہے۔

☆...☆...☆

اس نے ہیری ہوم کی پہلی سال گرہ بہت شان دار طریقے سے منائی۔انتظام بہترین تھا، بچوں کی پسند کی ہر چیز وہاں موجود تھی، ان کے لئے جیسے آج عید تھی۔اس کے دوست، ٹرسٹیز سب شامل تھے اس نے سب کو بلایا تھا سوائے ارمینہ اور انکل سرفراز کے۔وہ آستینوں کو موڑے سادہ سی سیاہ شرٹ اور گرے جینز میں ملبوس تھا۔وہ عمر کو بلانے اندر چلا گیا۔اس کے آخری پیپر میں لمبا وقفہ تھا تو وہ بھی تقریب میں شریک ہو گیا تھا۔وہ دونوں ساتھ ہی باہر آئے۔

ارمینہ نظر نہیں آرہی ورنہ وہ تو سب سے آگے ہوتی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ نہیں آئے گی آج۔ ارمش نے سادگی سے کہا۔

کیوں؟ عمر حیران ہوا، وہ کبھی ایسی تقریبات مِس نہیں کرتی تھی جیسے ترسی ہوئی ہو۔

بس ایسے ہی... چلو آؤ۔ وہ بابا کا منتظر تھا اور وہ اسے نظر بھی آگئے تھے۔وہ ثمینہ کے ساتھ گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔وہ دروازے سے انہیں لے کر اندر آگیا اور ایک مناسب جگہ ڈھونڈ کر انہیں بٹھا دیا۔

ارمش؟ انہوں نے اسے پکارا تو وہ رکا۔

جی؟

تم نے واقعی ان لوگوں کو نہیں بلایا؟

نہیں بابا... ان کی بے چینی واضح تھی، وہ محظوظ ہوا۔پھر وہ واپس بچوں کے بیچ آگیا جہاں سب دائرہ بنا کر اسے گھیرے بیٹھے تھے۔وہ سب سے باتیں کر رہا تھا، بہت عام سی باتیں۔زیادہ تر سوالات اس سے اردگرد کی چیزوں کے بارے میں کئے جا رہے تھے۔کلائون کے بارے میں، کیک کے بارے میں، گفٹس اور چاکلیٹس کے بارے میں، کوئی اس کو اپنے نئے کپڑے دکھا رہا تھا پھر وہ جی بھر کر ان کی تعریف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کرتا اور پھر ان کے ساتھ تصویریں کھنچواتا۔اسے ارمینہ شدت سے یاد آئی۔وہ ہوتی تو خوشی سے تتلیوں کی طرح یہاں وہاں منڈلاتی رہتی۔

ارمش بھائی ارمینہ کہاں ہے؟ حارث نے اس سے وہی سوال پھر پوچھ لیاجس کا جواب اسے تکلیف پہنچا رہا تھا۔حارث ارمینہ کا یہاں سب سے زیادہ لاڈلا تھا۔

اس کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے وہ نہیں آئی۔

وہ تو خود ڈاکٹر...

ہاں تو... ڈاکٹر ز کی بھی تو طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔

میں اس کو فون کر لوں؟ وہ ارمینہ کا پکا دوست تھا۔

نہیں وہ سو گئی ہو گی۔اب تک تو۔ویسے بھی کل سنڈے ہے کل آئے گی ناں کل بات کر لینا۔

کل اس کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی؟

ہاں... اگر نہیں بھی ہوئی تو آجائے گی کیوں کہ تم لوگوں کی طبیعت اس کے لئے زیادہ ضروری ہے ناں... اور سنو اس سے ملو تو اسے مت بتانا کہ ہم سب نے انجوائے کیا اور اتنا گرینڈ سیلبریشن کیا۔کہنا بس کیک کاٹا تھا ورنہ اسے دکھ ہو گا کہ اس نے اتنا سب کچھ مس کر دیا...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں ٹھیک ہے... وہ بہت اچھی ہے۔ ارمش نے شرمندگی کے مارے گردن جھکا لی تھی۔

ہاں وہ بہت اچھی ہے۔ کیک کٹا اور اس کے بعد کھانا لگ گیا۔ وہ خود بھی بابا اور باقی بچوں کو کھانا سرو کروا کر بابا کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

کھانا نہیں کھا رہے؟ اسے خالی ہاتھ دیکھ کر احمد رضا نے اس سے پوچھا۔

نہیں بھوک نہیں ہے۔ اس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا کھا وہ بھی نہیں رہے تھے بس پلیٹ میں چمچ گھما رہے تھے۔اس کا فون بجا تو اسکرین پر ڈینیل کا نام چمک رہا تھا، اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

کیسے ہو ڈینیل؟ میں ٹھیک ہوں ارمش۔

رکو میں باہر جا کر بات کرتا ہوں یہاں بہت شور ہے۔ ہیری ہوم کا آگے والا دروازہ سب مہمانوں کے آنے کے بعد اس نے بند کروا دیا تھا کہ ان کو کوئی ڈسٹرب نہ کرے لہٰذا وہ پیچھے والے دروازے سے باہر آیا یہاں قدرے سناٹا تھا اور زیادہ تر پیڑ درخت اور کچی مٹی تھی۔

کہو ڈینیل۔

بہت مبارک ہو ہیری ہوم کو آج ایک سال ہو گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور اس میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے ڈینیل! تھینک یو سو مچ۔

کہاں یار... تم یہ سب ڈیزرو کرتے ہو تم نے ان بچوں کو بہت بہتر زندگی ہے۔ یہ کمال تمہارا بھی ہے۔

اب کی بار آسٹریلیا آئو تو بھولنا مت تمہیں مجھے ہیری ہوم کی ٹریٹ دینی ہے۔ وعدہ ہے۔

جلد ملیں گے ارمش۔ اور پھر چند الودائیہ کلمات کہہ کر اس نے فون رکھ دیا، وہ واپس جانے لگا جب اس نے ارمینہ کو گاڑی سے اترتے دیکھا۔ اس کی سانس ایک لمحے کو اٹک گئی۔

یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ اس وقت تو کبھی نہیں آئی یہ ہیری ہوم... خدایا اب کیا ہو گا۔ اس نے ہونق ہوتے ہوئے خود سے کہا۔اسے سب کچھ سنبھالنا تھا اس نے ہمت باندھی، وہ ایک طوفان کے آگے جا رہا تھا۔

ارمینہ اس وقت کیسے؟ وہ شکل سے بہت پریشان لگ رہی تھی۔

ہاں ارمش! حارث کا فون آیا تھا وہ مجھے کہہ رہا تھا اس کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔مجھے اس سے ملنا ہے اور یہ سب کیا ہے؟ اتنا شور یہ روشنیاں کیا ہو رہا ہے یہ...؟ اس نے ضبط کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔اسے حارث پر اس وقت واقعی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

غصہ آیا تھا جس نے اندر ابھی کیک کے دو بڑے بڑے ٹکڑے اپنے اندر انڈیلے تھے اور اس کی طبیعت خراب تھی۔

یہ ہیری ہوم کی سال گرہ کی سیلیبریشن اور حارث نے تم سے مذاق کیا تھا۔وہ جھوٹ بول رہا ہے۔اس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔وہ بس تمہیں یہاں دیکھنا چاہتا تھا اس لیے فون کر دیا ہو گا۔ حیرت کے مارے اس کی آنکھیں پھٹتی چلی گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر مایوسی، دکھ اور تکلیف واضح تھی۔

سال ِگرہ منا رہے ہو تم؟ وہ اب بھی بے یقین تھی۔

ہاں وہ جلدی جلدی پلان بن گیا اور سب آ بھی گئے... آؤ، آجاؤ اندر۔

ایک، دو تین، چار! اس کے آنسوئوں کی تعداد بڑھتی ہی چکی گئی آہستہ آہستہ وہ ایک چشمے کی طرح بہ رہے تھے۔

تم نے ... مجھے ... بتایا بھی... نہیں؟

وہ اصل میں... وہ جملہ پورا نہیں کر پایا تھا۔اس کی ساری ہمت اس کے آنسوؤں نے توڑ دی تھی۔وہ ارمینہ کو اس وقت کچھ بھی سمجھا نہیں سکتا تھا، اسے کچھ بھی بتا نہیں سکتا تھا۔

رو مت تم ارمینہ پلیز... اندر تو چلو۔

تمہارے بابا تو ہوں گے اندر۔ اس نے بہت عجیب سے لہجے میں سوال کیا تھا۔

ہاں ہیں۔

میں اندر نہیں آؤں گی... یہ تمہاری فیملی گیدرنگ ہے، میں ڈسٹرب نہیں کروں گی تم انجوائے کرو۔

ارمینہ ایسے مت کہو ایسی بات نہیں ہے۔

پلیز ارمش پلیز... کم از کم مجھے یہ تو یقین تھا کہ ہماری فیملی میں چاہے کچھ بھی ہو جائے، ہمارے آپس میں جو بھی اختلافات ہوں مگر تم کسی بھی صورت مجھے ہیری ہوم سے الگ نہیں کرو گے۔تم جانتے ہو ہیری ہوم میرے لئے کیا ہے؟ میں مانتی ہوں میں نے ہیری ہوم کی مالی طور پر کچھ زیادہ مدد نہیں کی، کچھ قابل ذکر کام بھی نہیں کئے ہیں مگر پھر بھی... میں ان بچوں سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی کہ تم، کم از کم جذبات اور پیار کے معاملے میں ہم دونوں برابر رہے ہیں ارمش... اس ایک سال میں میں نے بھی ہیری ہوم سے اتنی ہی محبت کی ہے جتنی کہ تم نے۔ پھر تمہیں کس نے حق دیا تھا کہ تم مجھے اس طرح مائنس (minus)کر دو... تم ایسا کیسے کر سکتے ہو ارمش؟ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ روتے ہوئے اس نے اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیا تھا اور ہچکیاں لینے لگی تھی۔ارمش کو لگا اس نے

ارمش کی دھڑکن اپنے قابو میں کرلی ہو پھر وہ آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ارمش بھی گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ اسے چپ کرواتا یا اسے کوئی بھی تسلی بخش بات کہہ پاتا۔وہ بس اسے دیکھے گیا تھا وہ چپ چاپ چہرہ ہاتھوں میں گرائے رو رہی تھی۔

ارمینہ... میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ سب پہلے جیسا ہو جائے... سب ٹھیک ہو جائے۔

سب پہلے جیسا ہو گیا ہے ارمش... تم سے صرف ہیری ہوم کے حوالے سے میرا تعلق تھا تو اب وہ بھی نہیں رہا... آج کے بعد میں تمہیں یہاں بھی نظر نہیں آؤں گی... اور میں جو کل سے یہ سوچنے لگی تھی کہ شاید زندگی میں کبھی تمہارے بابا کے دل میں میرے لئے تھوڑی سی جگہ بن جائے۔یا وہ کبھی نہ کبھی مجھے اپنی بھانجی ماننے پر مجبور ہو جائیں گے تو یہ بھی غلط تھا۔سب سراب تھا، سب خواب تھا... سب ٹوٹ گیا ارمش۔تم نے مجھ پر حقیقت واضح کر دی۔مجھے میری جگہ بتا دی... تم نے... وہ کہتے کہتے رکی اور پھر اپنی بات جاری رکھی...

تم بس اپنے بابا کو یہ ضرور بتا دینا کہ ... کہ وہ پاپا کے علاوہ میرا واحد خونی رشتہ ہیں اور اگر وہ یہ چاہتے ہیں ناں کہ میں اپنی ماں کی موت کی سزا بھگتوں تو میں بھگتوں

گی... ساری زندگی۔ اس نے آنسو پونچھے اور اٹھ کھڑی ہوئی وہ جانے کے لئے پلٹی تھی، جب ارمش نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

آئی ایم سوری... اس نے اتنا کہہ کر نرمی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔وہ کچھ بھی کہے بنا گاڑی کی طرف بڑھ گئی اور ارمش وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھا رہ گیا تھا۔وہ جانتا تھا وہ بہت تکلیف میں تھی۔

زندگی کبھی کبھی اتنی ظالم ہو جاتی ہے کہ وہ آپ کو کُھل کر رونے بھی نہیں دیتی۔

وہ واپس اندر آگیا۔بابا اٹھ کر اس کے پاس آگئے۔

ارمش؟ کیا ہوا؟

کچھ نہیں زبردستی مسکرانے کی اس نے کوشش کی تھی۔

وہ تم باہر کس سے بات کر رہے تھے؟

ارمینہ تھی۔

اندر نہیں آئی؟

نہیں وہ خاموش ہو گئے اور واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔

ارمش بھائی... ارمینہ نہیں آئی ناں... اسے ہماری کوئی فکر نہیں ہے۔ حارث نے اس کے پاس آکر اس سے ارمینہ کی شکایت کی تھی اور ارمش کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ

ہنسے یا روئے؟ اسے اس کی معصومیت پر پیار بھی آیا تھا اور اس کی بے وقوفی پر غصہ بھی مگر یہ سب ایسے ہو گا اس نے نہیں سوچا تھا۔اس کا ارادہ بس اتنا تھا کہ ارمینہ کی غیر موجودگی بابا محسوس کر لیتے اور انہوں نے کی بھی تھی۔ایک بار ان کا دل پگھل جاتا پھر بعد میں وہ ارمینہ کو سب کچھ سمجھا دیتا مگر ہر چیز اس طرح دیکھ کر ارمینہ کا دل ٹوٹ گیا تھا اس نے حارث کو اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا تھا۔

ارمینہ آئی تھی اور میں نے اسے بتا دیا کہ تمہیں کچھ نہیں ہوا ہے اور وہ باہر سے ہی واپس چلی گئی... اس کی طبیعت واقعی خراب تھی۔

وہ آئی تھی...؟ حارث کا چہرہ یک دم کھل اٹھا تھا۔

ہاں آئی تھی۔

تو پھر اندر آجاتی انجوائے کرتی ہم سب کے ساتھ۔

شاید اس کا موڈ نہ ہو آج... پھر کبھی۔

پھر کب؟ اور اس بات کا جواب تو ارمش کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس نے حارث کو نیچے اتار دیا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ساری رات انہوں نے جاگ کر گزار دی تھی۔اگلے دن وہ گھر پر ہی رہے تھے۔ اس رات وہ ارمش سے کہنا چاہتے تھے کہ وہ گھر جانا چاہتے ہیں اسی لئے وہ اس کے پیچھے باہر تک آگئے تھے۔ان کا دم گھٹ رہا تھا۔وہ بس وہاں سے چلے جانا چاہتے تھے مگر باہر انہوں نے ارمینہ کو دیکھ لیا اور پھر اس کی ساری باتیں بھی سن لیں، وہ کتنی دل شکستہ تھی، کتنی ٹوٹی ہوئی، اس کے تمام الفاظ انہیں اپنے سینے پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔وہ اپنے آپ کو اب ہر چیز کا قصور وار ٹھہرا رہے تھے اور وہ جانتے تھے کہ وہ واقعی قصور وار تھے۔وہ ارمینہ اور سرفراز کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کے قصور وار تھے، وہ ارمش کے بچپن کی محرومیوں کے قصوروار تھے اور وہ ارمش اور ارمینہ کے درمیان فاصلوں کے قصوروار تھے۔ارمش ارمینہ سے محبت کرتا تھا یہ اس نے خود ان کو بتایا تھا۔مگر ارمینہ بھی ارمش سے اتنی ہی محبت کرتی تھی یہ وہ کل جان گئے تھے۔کوئی پھانس سی دل میں چبھ گئی۔انہیں اس وقت وہاں کھڑے ارمینہ کو دیکھ کر اپنی تمام تر کوتاہیاں یاد آئیں۔وہ صحیح معنوں میں شرمندہ تھے۔

بڑے بابا... جب تم پیدا ہوئی تھیں تو احمد کہتا تھا میں تم سے اسے بڑے بابا کہلواؤں۔ وہ کچن میں کھڑی کام کر رہی تھی اور پاپا اس سے باتیں کر رہے تھے اور یونہی احمد رضا کا ذکر آگیا تھا۔خلافِ توقع آج پاپا کا موڈ اچھا تھا اور وہ احمد رضا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کے بارے میں زیادہ باتیں کر رہے تھے جب کہ وہ ان کے ذکر پر چڑچڑی ہو رہی تھی۔

کیوں؟ اس نے بے زاری سے پوچھا تھا۔

وہ کہتا تھا تم اس کی بھی بیٹی ہو۔

کہنے اور ماننے میں فرق ہوتا ہے پاپا۔ اسی لمحے کچن میں فرید بابا داخل ہوئے۔

ارمینہ بی بی! ارمش صاحب آئے ہیں۔ اس کا خون کھولنے لگا جب کہ لائونج کی ٹیبل پر بیٹھے پاپا نے بھی چونک کر انہیں دیکھا۔ہاتھ میں پکڑی چھری پر ارمینہ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

ان سے کہہ دیں گھر پر کوئی بھی نہیں ہے۔

ارمینہ ایسے نہیں کرتے بیٹا... فرید بابا بڑبڑائیں اسے۔

بیٹھنے نہیں آیا ہوں میں انکل۔ وہ خود ہی لائونج میں داخل ہو گیا۔

ارمینہ نے چھری کو زور سے کچن کے شیلف پر پٹخا اور چولہے کی طرف مڑ گئی وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

آؤ اندر بیٹھتے ہیں ارمش۔ پاپا کل ہونے والا سارا معاملہ جانتے تھے اس لئے معاملے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں لگے تھے۔

نہیں مجھے اس سے بات کرنی ہے۔ اس نے آنکھوں کا رخ ارمینہ کی طرف موڑ لیا جس کی اس کی جانب پشت تھی وہ اب بھی نہیں پلٹی تھی۔ وہ سرے سے اس کی موجودگی کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہی تھی۔

ارمش پھر کبھی کر لینا وہ اپ سیٹ ہے۔

اسی لئے ابھی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ جو کڑاہی میں پکوڑے ڈال رہی تھی بے دھیانی میں اپنی انگلی اندر ڈال بیٹھی اور اس کی شروع کی دو انگلیاں جل گئیں اس کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر شیلف پر گر گیا مگر اس کے منہ سے تب بھی ایک آہ تک نہیں نکلی وہ ڈھیٹ بنی پیالہ شیلف سے اٹھا کر دوبارہ شروع ہو گئی۔

ارمینہ بیٹا باہر آؤ۔ تمہارا ہاتھ جل گیا ہے۔ سرفراز محمود نے بے چینی سے کہا۔

ٹھیک ہے پاپا وہ مانی نہیں تو وہ بیسا کھی سمیت اندر آنے لگے جس پر وہ مڑی۔

آپ مت آئیں اندر... میں آ رہی ہوں۔

فوراً باہر آؤ۔ اس نے چولہا بند کیا نلکا کھولا ہاتھ پر پانی گرا کر وہ باہر آئی۔ مگر وہاں بھی رکے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

انکل میں اوپر چلا جاؤں؟ مجھے اس سے بات کرنی ہے پلیز۔

ہاں بیٹا... جاؤ۔ وہ اس کے پیچھے اس کے کمرے تک آگیا۔ دروازہ حسبِ توقع اندر سے بند تھا۔ اس نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ پھر کافی دیر بعد ارمینہ نے خود آکر دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آگیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی تھی اور اپنے ایک ہاتھ میں دوسرا زخمی ہاتھ لئے ہوئے تھی۔

تم نے کوئی جیل یا کریم لگائی اس پر۔

تم کیوں آئے ہو؟

تمہارے لئے ارمش کی اس بات پر وہ تلخی سے ہنسی تھی۔

میرے لئے؟ کیوں میرا وجود تو ایک مکھی کے برابر ہے، وہی کان کے پاس آکر بھن بھن کرتی ہے تنگ کرتی ہے... الجھن ہوتی ہے اس کی موجودگی سے سب ہاتھ ہلا ہلا کر اسے خود سے دور کرتے رہتے ہیں...

مگر کیا تمہیں پتا ہے مکھیاں انسان کے لئے کتنی اہم ہوتی ہیں... جانتی ہو جس دن مکھیاں اس دنیا سے ختم ہو گئیں اس کے ٹھیک چار سال بعد انسان بھی ختم ہو جائیں گے۔ آئن سٹائن نے کہا ہے یہ اس کے بے تکے جملے پر وہ مزید غصے میں آگئی مگر خاموش رہی۔ وہ اس کے بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھی کریم اٹھانے لگا جو اس نے اس کے کمرے میں آنے سے پہلے لگائی تھی مگر اس کے اندر آنے سے اب تک کے وقفے

میں خود ہی اسے پونچھ بیٹھی تھی۔اسے پتا نہیں چلا وہ غصے میں اپنی وہی انگلی گھس رہی تھی۔وہ اس کے آگے بیڈ پر آکر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ آگے کرنے لگا۔اس نے احتجاجاً ہاتھ پیچھے کھینچنا چاہا مگر وہ ایسا کر نہیں پائی۔وہ آج تک نہیں سمجھ پائی تھی کہ اس شخص کے وجود میں ایسی کون سی کشش تھی کہ وہ اس کے آگے بے بس ہو جایا کرتی تھی۔ارمش نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور نرمی سے اس کی انگلیوں کے پوروں پر کریم لگانے لگا۔

تمہیں پتا ہے میں نے جو کل کیا وہ کیوں کیا...؟ کریم لگاتے لگاتے وہ بول رہا تھا۔ اسے درد نہیں ہو رہا تھا، اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا وہ بس اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھی... یہی تو چاہتی تھی وہ، صفائی، غلطی کی تلافی، کوئی ایسا جملہ جس سے اس کے دل میں لگی آگ بجھ جاتی۔

ارمینہ بابا تمہیں اب بھی اتنا ہی چاہتے ہیں... تم ان کی بہن کی آخری نشانی ہو، انہیں بہت عزیز ہو بہت محبت ہے انہیں تم سے... وہ کریم لگا چکا تھا مگر اس نے اس کا ہاتھ اب بھی پکڑا ہوا تھا ورنہ وہ پھر اپنی انگلی کا وہی حشر کر لیتی۔

وہ بس قبول نہیں کرتے... انہیں کچھ بدگمانیاں ہیں... تمہارے حوالے سے، انکل سرفراز کے حوالے سے اور اس کی وجہ یہ ہے ارمینہ کہ وہ انابیہ پھپھو سے بے

تحاشا محبت کرتے تھے... جب ہم کسی کو بہت جی جان سے چاہتے ہیں ناں تو ہم اس شخص کو لے کر بہت حساس ہو جاتے ہیں پھر اس کی ہلکی سی خراش بھی جان لیوا ثابت ہوتی ہے... ان کے ساتھ بھی یہی رہا ہے... وہ ایک پل کو رکا۔اب وہ ارمینہ کو غور سے دیکھ رہا تھا اور کسی بڑے کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔

... مجھے سب کچھ اس دن پتا چلا جب میں شکرپاراں آیا تھا اور پھر بابا نے مجھے کہانی کا وہ پہلو بتایا جو ان کی نظر نے دیکھا... پھر میں نے امی اور ارحم سے سب کچھ پتا کیا اور تمہارے پاپا سے بھی۔ تمہیں کچھ بھی بتانے سے انہیں میں نے منع کیا تھا اور سب سے پوچھنے کے بعد مجھے کہانی کا وہ رخ پتا چلا جو بابا کی آنکھ سے اوجھل رہا یا شاید وہ سب کچھ سامنے ہوتے ہوئے بھی دیکھ نہیں سکے... جانتی ہو وہ کہانی کا رخ پہلی بار ان پر کب کھلا ؟ جب تم نے گھر پر آکر ان سے وہ سب کچھ کہا... تم نے انہیں وہ باب پڑھایا جو انہوں نے خود نہیں پڑھا تھا... وہ ان کے اس خول پر لگنے والی پہلی چوٹ تھی جو انہوں نے اپنے اوپر چڑھا رکھا ہے... وہ اسی دن سے بہت ڈسٹرب رہے ہیں ارمینہ... اور میرا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ وہ سچ جان جائیں اور جب وہ سچ کو جان کر اسے قبول کر لیں گے تو تمہیں بھی پورے دل سے اپنا لیں گے کیوں کہ کہیں نہ کہیں وہ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ غلطی کسی کی بھی نہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھی... وہ انکل سرفراز سے بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی پہلے کرتے تھے... محبتوں میں کبھی کمی نہیں آتی ارمینہ... یہ ایک ایسا سورج ہے جو ہر بارش اور ہر طوفان کے باوجود بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا رہتا ہے۔ہم اس کی روشنی کو ماند نہیں کر سکتے... وہ سانس لینے کو رکا اور پھر دوبارہ مخاطب ہوا:

میں چاہتا ہوں سب پہلے جیسا ہو جہاں کوئی کسی سے کی جانے والی محبت کو ایک دوسرے سے چھپاتا نہ پھرے... اور تم... تم بھی بابا سے محبت کرتی ہو میں جانتا ہوں... تمہیں ان کے رویے سے تکلیف ہوئی ہے کیا میں دیکھ نہیں سکتا...؟ اگر انہیں چاہتی ہو ان سے محبت کرتی ہو تو اس بات کا اعتراف کرو ارمینہ جانتی ہو تم کس کے جیسی ہو... اس نے سر اٹھا کر فوراً ارمش کو دیکھا تھا۔

چہرہ تمہارا انابیہ پھپھو کی طرح ہے مگر مزاج... مزاج میں تم بالکل بابا جیسی ہو۔ بہت جلدی بدگمان ہو جانے والی... لوگوں کے بارے میں خود سے فیصلے کر لینے والی، نتیجے اخذ کر لینے والی اور چیزوں کو حالات کو منفی سوچ کی عینک سے دیکھنے والی... بابا بالکل ایسے ہی ہیں ارمینہ! ان کی اسی عادت، اسی مزاج کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔وہ جانتے ہیں کہ قصور کسی کا نہیں مگر وہ اس بات کو مان نہیں رہے ہیں... انا آگے آجاتی ہے ان کی کہ جس کو انہوں نے اب تک دھتکارا اسے آج کیسے اپنائیں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ عادت ان کی ہمیشہ سے ہے مگر اس کی بنا پر ان سے محبت کرنا ترک تو نہیں کیا جا سکتا ناں... وہ رکا پھر اس نے جیب سے تصویر نکالی اور وہ تصویر ارمینہ کے آگے کر دی اس کا جلا ہوا ہاتھ اب بھی ارمش کے ایک ہاتھ میں تھا۔

یہ تو...

تم ہو... یاد ہے تمہیں یہ کب کی ہے؟

میرے اسکول کی annual day کی اسی سال میری طبیعت خراب ہوئی تھی... اور... اور بابا ہی تمہیں ہسپتال لے گئے تھے اسی لئے انہیں پتا ہے کہ تم کارن الرجک ہو۔بابا نے یہ تصویر اپنی کسٹڈی میں رکھی ہوئی ہے اور اپنی اسٹڈی میں رکھا ہوا تھا وہ روز اسے دیکھ کر تمہیں یاد کرتے تھے... وہ یک ٹک اس تصویر کو دیکھے گئی۔

وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں ویسے ہی جیسے انابیہ پھپھو سے کرتے تھے... اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

تو پھر... ایسا سلوک کیوں کیا میرے ساتھ؟

شاید خود کو یقین دلانے کی خاطر کہ وہ تم سے نفرت کرتے ہیں... مگر وہ نہیں کرتے ارمینہ... وہ کر ہی نہیں سکتے۔اور تم... خود ہی سوچ کر بیٹھ گئی کہ میں تمہیں اگنور کر رہا ہوں... یہ جاننے کے بعد کہ تم انابیہ پھپھو کی بیٹی ہو میں نے رنگ بدل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لیا اور تو اور... ہیری ہوم سے تمہیں مائنس (minus) کر رہا ہوں۔ وہ اب بھی نیچے دیکھ رہی تھی اور نچلا ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ ہو ناں تم ان کے جیسی؟ میں صرف تمہاری کمی بابا کو فیل کروانا چاہتا تھا۔اسی لئے نہیں بلایا تھا میں نے اور انہوں نے کی بھی تھی وہ مجھ سے بار بار تمہارا پوچھ بھی رہے تھے... مگر اس حارث کے بچے نے سارا کام بگاڑ دیا۔اٹھا کر تمہیں فون کر دیا اور ایک تم کہ آ بھی گئیں فوراً... تو مجھے لگا وہ واقعی بیمار ہے۔

ہاں... اور تم نے مجھ پر الزامات کی بارش کر دی... تو ہوئی ناں تم بابا جیسی؟

ہاں... ارمینہ کے اس جواب پر اب اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور فاتحانہ انداز میں اسے تک رہا تھا۔

شکر قبول تو کیا تم نے... ورنہ تمہاری تو کبھی کوئی غلطی ہی نہیں ہوتی۔ ارمش نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکراتی چلی گئی۔

ارمش نے سائڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی کا گلاس بھرا اور اس کے آگے کر دیا وہ پانی پینے لگی۔

ایک سوال پوچھوں تم سے ارمینہ؟ اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے غور سے دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تم ساتھ دو گی میرا...؟ اگر دو گی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا... بابا تم لوگوں کو اپنا لیں گے۔کسی کے دل میں کسی کے لئے کوئی نفرت، کوئی بدگمانی نہیں رہے گی یہ میرا وعدہ ہے... وہ بہت دل سے مسکرائی اور ارمش کو لگا اس نے دنیا فتح کر لی۔ کچھ لوگوں کی مسکراہٹ بہت مقدس ہوتی ہے یا شاید وہ ہمیں بہت مقدس لگتی ہے۔ہم اس ایک مسکراہٹ میں زمانے بھر کا سکون تلاش کر سکتے ہیں۔ہے ناں معجزہ... اللہ نے ہر کسی کو کوئی نہ کوئی ایک رشتہ ایسا ضرور دیا ہوتا ہے... جس کی ہنسی پر آپ کی ہنسی کا انحصار ہوتا ہے اور جس کا ہونا آپ کے لئے بہت اہم ہوتا ہے...

چلو موجو جو... کتنی دیر سے تمہاری ایسی ہی شکل دیکھ رہا ہوں تھوڑی دیر اور روئیں تو پکا ایلیئن لگنے لگو گی۔ اس کی نیلی آنکھوں کے نیچے کاجل پھیلا ہوا تھا۔ناک سرخ اور ہونٹ سفید ہو رہے تھے۔وہ اس کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

تم سے تو کم ہی لگوں گی خیر۔ کہتی ہوئی وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی اور ارمش نیچے آ گیا۔

تمہارا چہرہ دیکھ کر لگ رہا ہے کامیاب لوٹے ہو۔ سرفراز نے اسے سیڑھیوں سے مسکراتے ہوئے اترتے دیکھ کر کہا تھا۔

جی اب ٹھیک ہے وہ... انکل میں بہت شرمندہ ہوں میرا ارادہ آپ لوگوں کو دکھی کرنے کا نہیں تھا۔

میں جانتا ہوں ارمش... میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کہہ کر ہلکا سا مسکرائے تھے اور ارمش جان گیا تھا وہ اسے جانتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔

آپ کو پتا ہے آپ ایک بہت اچھے انسان ہیں... اور بابا کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

نہیں ارمش اپنوں سے معافی نہیں مانگنے اور تم اور ارحم میرے بچوں کی طرح ہو... اور احمد تو... وہ جملہ پورا نہیں کر سکے تھے۔کچھ رشتوں کی نوعیت اور کچھ تعلقات کی شدت ہم کبھی دوسروں کو نہیں سمجھا سکتے وہ صرف آپ کا دل جانتا ہے یا اللہ۔

احمد کیسا ہے...؟ انہوں نے ارمش سے پوچھا۔

ٹھیک ہیں مگر الجھن میں ہیں... آپ لوگوں سے ملنا بھی چاہتے ہیں اور نہیں بھی۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے... وہ دونوں مسکرائے۔اتنے میں ارمینہ نیچے آگئی۔

پاپا میں احمد انکل سے ملنا چاہتی ہوں۔ سرفراز لمحے بھر میں مسکرا دیئے۔

ملو ضرور ملو... مگر ایک ڈر ہے مجھے... تم آگ ہو تو وہ پانی... اس سے بالکل بدتمیزی نہیں کرو گی... وہ تمہارے باپ جیسا ہے۔

جانتی ہوں پاپا... اور میں ان سے لڑنے نہیں جا رہی۔انہیں کہانی کا وہ رخ دکھانے جا رہی ہوں جو انہوں نے نہیں دیکھا۔ ارمش اس کی بات پر مسکرایا تھا۔

دروازے پر کوئی آیا ہے جی۔ فرید بابا کی آواز پر وہ سب چونکے۔

کون آیا ہے بابا؟

پتا نہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں... اپنا نام احمد بتا رہے ہیں۔ فرید بابا کے جملے پر سب کے ہوش اڑ گئے تھے۔یہ کسی نے نہیں سوچا تھا۔

احمد آیا ہے...؟ سرفراز کا چہرہ سب سے پہلے کِھل اٹھا تھا۔وہ حال میں سب سے پہلے لوٹ آئے تھے۔

چلو میں چل رہا ہو۔ وہ فرید بابا کے پیچھے دروازے کی طرف بڑھ گئے تھے۔ارمینہ اب بھی اپنی جگہ جامد تھی۔

ارمینہ بابا آئے ہیں چلو... ارمش کی آواز پر وہ چونکی۔

کیوں آئے ہیں؟ وہ حیران سے زیادہ خوف زدہ لگ رہی تھی۔

جائیں گے تو پتا چلے گا ناں...

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اگر انہوں نے پاپا سے کچھ الٹا سیدھا کہا تو...؟

ارمینہ خدا کے لئے کسی کے بارے میں تو خوش گمان ہو جایا کرو... چلو میرے بارے میں تم کبھی اچھا نہیں سوچ سکتی میں مانتا ہوں مگر ہر کوئی بُرا نہیں ہوتا۔ ارمش خفگی سے کہہ رہا تھا اس نے ارمش کی جانب دیکھا۔

ٹھیک کہتے ہو... چلو۔ سنجیدگی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔

مطلب یہ لڑکی واقعی میرے بارے میں کبھی اچھا نہیں سوچ سکتی۔ اس نے دکھ سے سوچا پھر مُسکراتا ہوا اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

سرفراز دروازے تک آئے تو احمد باہر ہی کھڑے تھے۔

احمد۔ انہوں نے بے یقینی سے ان کا نام لیا جیسے انہیں یقین نہ آرہا ہو کہ وہ واقعی وہاں موجود تھے۔احمد نے ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنی آنکھوں سے گلاسز اتارے۔وہ آنکھیں اب بھی سرد اور بے تاثر تھیں۔

میں ارمینہ سے مل سکتا ہوں؟

ہاں ضرور... آؤ اندر وہ دونوں ایک ساتھ ہی اندر آگئے تھے۔ان کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی ارمینہ اور ارمش بھی اندر داخل ہوئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارمینہ نے دھیرے سے انہیں سلام کیا۔

السلام علیکم۔ پھر وہ ان کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

آپ یہاں پر... کیسے؟

ارمینہ نے حیرانی سے ان سے پوچھا، انہوں نے نظریں جھکا لیں اور پھر ان کی نظر اس کی دو جلی ہوئی انگلیوں پر پڑی اور پھر ان پر ٹک گئی تھی۔وقت لوٹ کر نہیں آتا مگر ان کے آگے ماضی ہو بہ ہو کھڑا تھا۔وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پا رہے تھے۔ان سے سلام کا جواب بھی نہیں دیا گیا تھا۔انہوں نے اگلے ہی لمحے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔اپنے دونوں ہاتھوں کو منہ پر رکھے وہ روتے چلے گئے تھے۔ارمینہ انہیں دیکھ کر دم بہ خود سی رہ گئی تھی... حواس باختہ سی...

بڑے بابا... اس نے ایک لفظ ادا کیا اور ان کی ہچکیاں تھم گئیں۔

مجھے معاف کر دو بیٹا... تم نے میری وجہ سے بہت کچھ برداشت کیا ہے۔مجھے معاف کر دو۔میں قصور وار تھا۔تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی تم ہمیشہ سے معصوم تھیں میں نے ظلم کیا تم پر... تم میرے پاس انابیہ کی آخری نشانی تھیں اور میں نے تمہاری قدر نہیں کی، میں نے ناشکری کی۔اللہ نے مجھ سے انابیہ کو چھین لیا تھا مگر تمہیں تو دے دیا تھا ناں، اگر تم بھی نہ ہوتی تو میں کیا کر لیتا مگر میں نے اس کی رحمت

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کو ٹھکرا دیا... میں نے ساری زندگی اس کے جانے کا سوگ منایا... جو میرے پاس تھے میں نے ان کے ہونے کی خوشی کبھی نہیں منائی، کبھی شکر ادا نہیں کیا... میرے بچے میری بیوی، میں خود میں نے انابیہ کے ساتھ اپنے لئے سب کو مار دیا... ارمش میں تم سے بھی معافی مانگنا چاہتا ہوں میں نے تمہیں بھی بہت تکلیف دی تم میں سے کسی کا کوئی قصور نہیں تھا، قصور میرا تھا... معاف کردو مجھے...

ارمینہ کے آنسو پھر سے رواں ہو گئے تھے اس نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور انہیں صوفے پر بٹھا دیا...

آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی بڑے بابا ایسے مت روئیں ... آپ بڑے ہیں، بڑے معافی نہیں مانگتے... آپ کا قصور بس اتنا ہے کہ آپ سے امی کی موت کا دکھ برداشت نہیں ہوا اور معافی مانگنے تو میں آرہی تھی آپ سے، میں نے آپ کو بہت الٹا سیدھا کہا مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا ایسا...

نہیں تم نے جو کہا سچ کہا... میں اس سب کے لائق تھا...

ایسے نہیں کہیں بڑے بابا... میں بہت ترسی ہوں رشتوں کے لئے، لوگوں کی محبت کے لئے آپ لوگوں کے جیسی ایک مکمل فیملی کے لئے، اب جب مجھے سب کچھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مجھے مل رہا ہے تو اسے رو کر نہیں ہنس کر ویلکم کرنا چاہیے بڑے بابا... یہ اللہ کی طرف سے انعام ہے، صلہ ہے اس صبر کا جو امی کی موت پر ہم سب نے کیا ہے...

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا ماتھا چوما۔

تم بالکل انابیہ جیسی ہو... ہر چیز میں محبت ڈھونڈ لیتی ہو۔

واقعی! مگر ارمش کہتا ہے کہ میں آپ کے جیسی ہوں۔ ان کے ساتھ ساتھ پیچھے کھڑا ارمش بھی اس کی بات پر ہنس پڑا اور پھر چلتا ہوا ان کے قریب آگیا۔ارمینہ ان کے ہاتھ تھامے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔

ہاں بابا... یہ کچھ معاملات میں آپ کے جیسی ہے۔

جیسا کہ؟ احمد نے تعجب سے ارمش کو دیکھا تھا۔

جیسا کہ... جیسا کہ یہ بہت ضدی ہے۔ پھر وہ تینوں ہنس پڑے تھے۔ارمینہ نے پلٹ کر پاپا کو دیکھا،وہ نم آنکھوں کے ساتھ ہلکی سی مسکراہٹ لئے اب بھی وہیں کھڑے تھے۔ارمینہ کی نگاہوں کے تعاقب میں احمد نے بھی سرفراز کی طرف دیکھا تھا۔

ارمینہ... اس سے کہہ دو کہ میں یہاں اس سے ملنے نہیں آیا ہوں۔

میرے خیال سے آپ لوگ بیٹھ کر باتیں کریں، ارمینہ پکوڑے آدھے رہ گئے تھے چلو انہیں پورا کرو چل کر... ارمینہ کے بجائے ارمش نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ دونوں ان کو وقت دینا چاہتے تھے۔وہ دونوں دوست تھے اور دوستی دنیا کے ان چند رشتوں میں سے ایک ہے جو وقت کی دیمک سے بھربھرا نہیں ہوتا اگر اس میں صداقت ہو تو... اور وہاں موجود چاروں افراد یہ بات جانتے تھے کہ ان کی دوستی میں صداقت کے ساتھ ساتھ اپنائیت بھی تھی... پھر اسے کوئی طوفان اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تھا۔ارمش اور ارمینہ باہر چلے گئے جب کہ وہ دونوں اب وہاں تنہا بیٹھے رہ گئے تھے۔

یہ پیروں کے ساتھ کیا کیا تم نے؟

تم ساتھ نہیں تھے تو میرے پیراشوٹ نے بھی ساتھ چھوڑ دیا... اور پھر پیروں نے بھی۔ کچھ دیر وہاں مکمل خاموشی رہی۔

تم آئے کیوں نہیں میرے پاس...؟ احمد رضا بکھرنے لگے تھے۔

تم نے ہر تعلق ختم کر دیا تھا... کس منہ سے آتا

جو منہ تمہارے پاس ہے اسے ہی لے کر آجاتے... میں نے ایک دفعہ کہہ دیا تو تم کیا واقعی ہر تعلق ختم کر لو گے؟ بیس سال میں ایک بار بھی تم سے کہ نہیں ہوا کہ مجھ سے ملتے، مجھ سے پوچھتے کہ میں کیسا ہوں، مجھے کسی کی ضرورت تو نہیں میں اکیلا تو نہیں میں ٹوٹ تو نہیں رہا... ایک بار بھی نہیں آئے تم سرفراز... اچھی دوستی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نبھائی تم نے۔ احمد کے تھے آنسو پھر بہنے لگے تھے۔سرفراز چلتا ہوا اس کے بالکل قریب آکر بیٹھ گیا تھا اور احمد نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر انہیں سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ آج بیس سال بعد گلے لگ رہے تھے، شکرپاراں کی گلیاں نہیں تھیں، ٹھنڈے پانی کی بالٹی نہیں تھی، وہ جوان نہیں تھے۔ان دونوں کے ہی بال اب سفید ہونے لگے تھے، ایک اپنی ٹانگوں سے معذور تھا اور ایک سب کچھ ہوتے ہوئے بھی خالی ہاتھ وہاں بیٹھا تھا۔مگر دونوں کے سینے میں ایک دل تھا جس میں موجود ایک دوسرے کے لئے محبت بالکل ویسی ہی تھی... شفاف... کسی ریاکاری اور دکھاوے کے بغیر... وہ دونوں آج بھی ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے... درمیان میں بیس سال کا وقفہ تھا، اس فاصلے کو کم اور پھر ختم کرنے میں ایک عمر درکار تھی مگر جو ان کے ہاتھ میں تھا جتنی عمران کے حصے میں تھی وہ اسے ضائع نہیں کرنے والے تھے۔

زندگی اگر جدا کرتی ہے تو پھر ملانے کے وسیلے بھی بنا دیتی ہے۔ضرورت ہوتی ہے تو بس اس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دینے کی... تلخیاں، رنجشیں اور سوچ میں تضاد ہر جگہ موجود ہوتا ہے لیکن اگر آپ کے دل میں سامنے والے کے لئے عزت ہے، محبت ہے اور ایک بے لوث جذبہ ہے تو پھر زمانے بھر کی دھوپ کے باوجود

زندگی آپ کو کہیں نہ کہیں وہ سایہ ضرور دیتی ہے جس کے نیچے آپ اپنی ساری عمر کی تھکن اتار سکتے ہیں۔

وہ دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے کے گلے لگ کر روتے رہے تھے۔

بہت دکھ دیکھے ہیں تم نے اور ارمینہ نے۔مجھے تم دونوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا بڑا بن کر تم لوگوں کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہیے تھا مگر... کیا کرتا بے بس ہو گیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں۔ وہ دونوں اب مسکرانے لگے تھے۔

سرفراز ایک بات کہوں تم منع نہیں کرنا۔

کیا؟

ارمینہ اور ارمش ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔میں ارمش کے لئے ارمینہ کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔ارمش کو اتنے عرصے میں تم سمجھ گئے ہو گے اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتانا... وقت لے لو سوچ لو پھر...

مجھے وقت لینے یا سوچنے کی ضرورت نہیں، ارمش سے بہتر ارمینہ کے لئے کون ہو گا احمد... ارمش اسے سمجھتا ہے...

جانتے ہو وہ مجھ سے کہتی ہے کہ ارمش اس کی ہر بات بنا کہے سمجھ لیتا ہے... تو مجھے انابیہ یاد آجاتی ہے... میں بھی... وہ کہتے کہتے رک گئے تھے، احمد رضا نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تھا اور مسکرایا تھا۔

میں جانتا ہوں۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ارمینہ سے ایک بار باقاعدہ طور پر پوچھنا چاہتا ہوں۔

ضرور۔ وہ دونوں مسکرا دیئے تھے۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر سیدھے کچن میں آگئے تھے۔وہ پکوڑوں کے آمیزے میں دوبارہ جت گئی تھی جب کہ ارمش کچن کے شیلف کے پاس ہی کھڑا تھا۔

شکر اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ارمش نے شیلف سے ٹکتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

ارمش جھوٹے ہو تم... وہ اس کی بات پر سٹپٹا گیا تھا۔

اب کیا کر دیا میں نے؟

جھوٹ بولا تم نے۔

کون سا جھوٹ؟

تم نے مجھے guzel کے معنی کیا بتائے تھے؟ لمحے بھر میں ارمش کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

ضدی۔

اور یقینا یہ اسپنش لفظ ہے۔

ہاں۔ اس نے بڑے اطمینان سے کہا تھا۔

اور C est bian یقینا اٹالین لفظ ہے۔

ہاں۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔وہ فریج سے پانی نکال کر پینے لگا۔ تم نے مجھے خوبصورت کہا تھا ناں اس وقت۔ اس نے پانی پیتے پیتے رک کر اسے دیکھا۔

اور یہ ٹرکش ورڈ ہے۔

نہیں تو! یہ کس نے کہا تم سے۔ بڑے وثوق سے وہ کہہ رہا تھا۔

انٹرنیٹ پر سرچ کیا میں نے۔ وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

ارے یار! انٹرنیٹ پر تو پتا نہیں کیا کیا ہوتا ہے اور ایک لفظ کے کتنے معنی ہو سکتے ہیں تم نے انٹرنیٹ کی بات مان بھی لی؟

اور نہیں تو کیا... مجھے لگا تم نے مجھے خوبصورت کہا۔ وہ گلاس خالی کر چکا تھا اور اب اس کی طرف متوجہ تھا۔

ایک بات کہوں۔ وہ بہت غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا... وہ نظریں نہیں ہٹا سکی تھی۔

کیا؟ وہ اسے دیکھتا رہا پھر کچھ پل بعد بولا تھا۔

پکوڑے جل رہے ہیں۔ ارمینہ نے پہلے نا سمجھی سے اسے دیکھا پھر اسے جی بھر کر کوسا، وہ اب کھل کر ہنس رہا تھا۔وہ سر جھٹک کر پکوڑوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس نے ایک بڑی سی ٹرے میں سب کچھ سیٹ کر دیا۔وہ کچن کے دروازے سے اب ڈرائنگ روم کا رخ کر رہی تھی۔

سنو! ارمش نے کچن کے شیلف پر ٹکے ہی اسے روکا اور ٹرے میں سے ایک پکوڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

یہ جب بھی تم مجھ سے لڑ کر آتی ہو... روتی، کیوں ہو؟ اپنا منہ چلاتے ہوئے وہ اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

کیوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں... اور جس سے محبت ہو، وہی ہمیں رلاتے ہیں... مگر پھر... چپ بھی کرا دیتے ہیں۔ یہ کہتی ہوئی وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی اور ارمش کا چلتا ہوا منہ رک گیا...

اگر اسے لگتا تھا کہ صرف وہی اسے خاموش کرا سکتا تھا یا اسے چِت کر سکتا تھا تو ایسا نہیں تھا، اس نے کبھی ارمینہ سے اظہارِ محبت کی امید نہیں کی تھی مگر اس ایک سال میں وہ اتنے اتنا تو جانتا تھا کہ وہ بہت صاف گو تھی۔جو اس کے دل میں تھا وہی زبان پر اور وہی چہرے پر بھی... اسے جذبات چھپانے کبھی آئے ہی نہیں تھے اور ارمش سے تو کبھی نہیں۔وہ اس آرٹ گیلری میں ہی اس کی کیفیات اور حال دل سے واقف ہو گیا تھا وہ جانتا تھا ارمینہ اس سے محبت کرتی تھی مگر ان کے درمیان جو حالات رہے تھے۔انہوں نے اس محبت کو کبھی بھی پورے حسن سے کھلنے نہیں دیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد بھی وہ وہاں کھڑا ان چیزوں کو دیکھتا رہا۔جنہیں وہ ابھی استعمال کر رہی تھی۔وہ ایک ایک چیز سمیٹ کر اسے اس کی جگہ پر رکھ کر گئی تھی۔ارمش بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

اس کی عادت ہے... چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھنے کی۔ اس نے دل میں سوچا پھر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

یقینا سب کو بھوک تو لگ رہی ہو گی۔ اس نے اندر آتے ہی ٹرے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

ارمش کہاں ہے؟ پاپا کے سوال پر وہ بلاوجہ گلابی ہو گئی تھی۔

آرہا ہو گا... کچن میں ہی تھا شاید پانی پی رہا تھا۔ اس کے کہتے ہی ارمش اندر آگیا تھا۔

صدمے سے باہر آنے میں وقت تو لگتا ہے۔ اس کا جواب ہمیشہ کی طرح تباہ کن تھا۔ارمینہ نے نظریں نیچی ہی رکھی تھیں۔

کون سا صدمہ؟

اس کے ہاتھ کے پکوڑے کھانے کا صدمہ... اصل میں میں نے ایک کچن میں ہی کھا لیا تھا۔ احمد اور سرفراز ایک آواز ہو کر ہنسے تھے۔ارمینہ تب بھی خاموشی سے چائے بنانے میں مصروف رہی تھی۔ارمینہ ارمش کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔اس کا سارا دھیان سرفراز اور احمد کی فوج کی باتوں پر تھا جیسے اسے فوج سے بڑی دل چسپی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک پاگل کی محبت میں گرفتار ہونے والے کو کیا کہتے ہیں اور وہ اس پاگل کی محبت میں بہت بری طرح گرفتار تھی...

ارمینہ وہ سیاہ گاڑی والے کا پتا چلا کچھ جس نے ہیری کو وہ دو سطور لکھ کر دی تھیں۔ سرفراز نے اچانک ہی بہت پرانا ذکر نکال لیا تھا۔ارمش اور ارمینہ کو اچانک وہ سیاہ کار والا انسان یاد آیا تھا۔

نہیں! معلوم نہیں کون تھا وہ۔

سیاہ گاڑی تھی ناں؟ سرفراز نے پھر پوچھا تھا۔

جی۔ وہ ہر سنڈے کو ہیری سے ملتا تھا؟

جی اور اسے لکھنا بھی سکھایا تھا انہوں نے، ہیری انہیں وہ واپس دینا چاہتا تھا۔جو اس نے لکھا تھا... وہ اب بھی میرے پاس ہے۔

تو لاؤ دو۔ سرفراز محمود نے کہا تو ارمینہ نے حیرانی سے اپنے پاپا کو دیکھا تھا۔

زمانے بھر کی سیاہ گاڑیاں دیکھ چکی ہو اپنی گاڑی نہیں دیکھی۔ وہ حیران پریشان سی ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی وہ ارمش کے چہرے کے تاثرات بھی یہی تھے۔وہ کتنی کم عقل تھی، اس نے سوچا اس کے اپنے گھر کی گاڑی بھی تو سیاہ تھی۔پاپا ہر سنڈے

باہر جاتے تھے۔وہ سمجھ نہیں سکی تھی کیوں؟ پھر انہوں نے جانا بند کر دیا اور اس نے غور بھی نہیں کیا۔

پاپا آپ نے ہیری کو...

وہ بچہ بہت خاص تھا ارمینہ، ایک بہت ذہین اور سمجھ دار بچہ... جانتی ہو اس کی سب سے بڑی خوبی کیا تھی؟ وہ ہار نہیں مانتا تھا۔چاہے جو ہو وہ اپنے حوصلے سے ہار کو پیروں کے نیچے دبا کر چلتا تھا... ساری دنیا کو اپنی تکلیفیں نہیں دکھاتا تھا بلکہ دنیا کے آگے مسکراتا تھا اور دنیا سے چھپ کر محنت کرتا تھا۔البتہ اس کی محنت بہت مختصر تھی دنیا کی نظروں میں مگر اس کے حساب سے وہ محنت تھی... جس دن میں اس سے پھر ملنے والا تھا اس سے ایک رات پہلے وہ چلا گیا... یقین کرو جب تم نے مجھے سارا قصہ سنایا تھا میں ٹوٹ گیا تھا مگر جس دن تم نے مجھے ہیری ہوم کے بارے میں بتایا اس دن مجھے بہت خوشی ہوئی... یاد ہے تم مجھ سے اکثر پوچھتی تھی کہ ہیری کا کیا قصور تھا ارمش تم بھی پوچھتے تھے کہ ایک معصوم کی جان کے چلے جانے سے دنیا کا کیا بھلا ہو سکتا ہے؟ اس وقت میں اس بات کا جواب تم لوگوں کو نہیں دے سکتا تھا... آج دے سکتا ہوں... اس ایک بچے کی وجہ سے کتنے سارے بچوں کا مستقبل سنور گیا اس کا اندازہ ہے تم لوگوں کو... اس ایک کے جانے کا دکھ اتنا بڑا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھا کہ اسے ہرانے کے لئے اس سے بھی بڑی خوشی ڈھونڈ لی ارمش نے... ہیری ہوم... اللہ کے کاموں میں صرف خیر ہوتی ہے ہمیں اس کے آگے سوال نہیں کرنا چاہیے، بس... سر جُھکا دینا چاہیے... اس ایک کے وسیلے سے آج کتنی زندگیاں نشوونما پا رہی ہیں۔کیا معلوم اس کے دنیا میں آنے کا مقصد یہی ہو... اس نے اپنا کام بہ خوبی نبھایا اور تمہیں تمہارے کام کے لئے راہ دکھا دی... یہی ہوتے ہیں اللہ کے فیصلے... وہ خیر ہی خیر ہے... سوچو ارمش اگر اس وقت تم یہ ملک چھوڑ کر چلے جاتے تو ان سب بچوں کی زندگیاں رلتی رہتیں... اس ملک کو قابل لوگوں کی ضرورت ہے ارمش۔یہ جو سبز رنگ ہے ناں اس کی چمک ماند پڑتی جا رہی ہے اور اس کی چمک تم جیسے لوگ ہیں جو بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر انہیں راستے میں کوئی روشنی دکھانے والا نہیں ملتا۔اسی لئے وہ اپنی راہ خود چن لیتے ہیں سوچے سمجھے بغیر... کیوں کہ گلیمر انہیں اپنی جانب کھینچتا ہے... مگر یہ سب کچھ صرف سراب ہے... انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

جانتے ہو جب کبھی تنہا بیٹھ کر اپنی زندگی پر غور کرو گے تو یہ گلیمر بہت حقیر لگے گا۔ہم اس وقت عمر کے اس حصے میں ہیں تو جانتے ہیں کہ اس وقت کیا سوچ کر اچھا لگتا ہے... یہ سوچ کر کہ ہم نے دوسروں کے لئے کیا کیا... اپنے اردگرد کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لوگوں کے لئے اپنے گھر والوں کے لئے پھر رشتے دار دوست احباب اور پھر... اپنے ہم وطنوں کے لئے... اس زمین کے لئے جس پر ہم پیدا ہوئے ہیں اور جس کی خاک میں ہمیں واپس مل جانا ہے، تو جس زمین نے ہماری پرورش کی ہمیں پروان چڑھایا، اس قابل بنایا کہ ہم بڑے فخر سے اسے پاک سرزمین کہتے ہیں، ہم نے اس کے لئے کچھ کیا بھی ہے یا نہیں... اور تب اس پل اگر ایک بھی نیکی انسان کو ایسی یاد آجائے تو اسے بڑا سکون مل جاتا ہے... اور تم نے تو ایک بڑی نیکی ویسے ہی کر دی ہے... انشا اللہ آگے ترقی بھی کرو گے اور اللہ نے چاہا تو وہ گلیمر بھی تمہارے قدموں میں ہو گا مگر تب... تم اس گلیمر پر حکمرانی کرو گے اس کے غلام نہیں بنو گے... بس تمہیں ہیری کی طرح کبھی ہار نہیں ماننی...

وہ خاموش ہوئے تو ارمش بہت گم صم سا بیٹھا تھا۔احمد اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور ارمش کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

میں اس زمین پر سب سے خوش قسمت باپ ہوں ارمش... تم جیسا بیٹا ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اللہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ ارمش کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

ارمینہ باقاعدہ رونے لگی تھی مگر اس بار آنسو خوشی کے تھے۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ ہیری کو یاد کر کے خوشی کے آنسو بھی بہائے گی۔اسے سمجھ آگیا تھا وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کیسا جادو کر گیا تھا، کتنی زندگیاں اس نے بدل دی تھیں جس میں سے ایک زندگی خود ارمینہ کی بھی تھی۔وہ ساری عمر اس کی احسان مند رہنے والی تھی۔

میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ سرفراز مجھ سے چھوٹا ہے، نا سمجھ ہے، اپنے چھوٹے سے کام کے لئے بھی مجھ سے آکر پوچھتا ہے مگر آج میں سمجھ گیا ہوں کہ اللہ نے مجھ سے کہیں زیادہ عقل، سمجھ اور لوگوں کو پرکھنے کا ہنر اسے دے رکھا ہے۔میں یونہی ترم خان بنا پھرتا تھا... سرفراز تم نے مجھے میری دوستی، میری بھانجی اور میرا بیٹا تینوں چیزیں لوٹا دی ہیں... میں تمہارا مشکور ہوں۔

اب تم مجھے شکریہ کہو گے احمد رضا ابراہیم... مجھے یقین نہیں آئے گا... مجھے بھی نہیں آئے گا...

چلو پھر رہنے دو۔ سرفراز اور احمد دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

☆...☆...☆

بہار ایسی ہی تو ہوا کرتی ہے۔جتنے پھول بنے ہوتے ہیں سب ایک ساتھ کھل جاتے ہیں تبھی تو اس کا لطف آتا ہے... اس دن وہاں کئی پھول ایک ساتھ کھلے تھے۔سبز رنگ میں چمک لوٹ رہی تھی، سفید رنگ کی سفیدی مزید گہری ہو رہی تھی۔کہیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کسی درخت کا بہت خوبصورت پھول گرنے سے بچ گیا تھا اور اس پھول نے بہت سے دوسرے پھولوں کو گرنے سے بچا لیا تھا اور بہار اپنے جوبن پر تھی...

شاید وقت کے ساتھ کبھی پھر کہیں سے خزاں لوٹ آئے مگر ہر درخت کو یقین ہوتا کہ کہیں سے پھر بہار لوٹ آئے گی اور اس کے پھول پھر کھل اٹھیں گے...

شاید یہی قدرت کا قانون ہے... خزاں نہ ہو تو بہار کی خوبصورتی کی قدر کیسے آئے؟ مگر کون سمجھے؟ بس درخت کو یہ راز معلوم ہوتا ہے... وہ دونوں گھر جانے کے لئے گاڑی میں آ بیٹھے۔

☆...☆...☆

ارمش میں نے سرفراز سے تمہارے اور ارمینہ کے رشتے کی بات کی ہے۔

یہ تو ہونا ہی تھا بابا... مسکراہٹ دباتے ہوئے وہ بولا تھا۔

اچھا ہوا تم فوج میں نہیں گئے... تمہارا فیصلہ درست تھا۔

اچھا ہوا میں نے ارمینہ سے قطع تعلق نہیں کیا... میرا یہ فیصلہ بھی درست تھا...

ارش نے مسکراتے ہوئے کہا تو احمد رضا نے حیرانی سے اس سے پوچھا:

مطلب؟ تم نے تو میرے کہنے پر ارمینہ سے رابطے ختم کر دیئے تھے ناں... وہ ہلکا سا ہنسا تھا۔

بابا... میں نے کہا تھا میں وہ کروں گا جو آپ چاہیں گے... میں نے بس آپ کی چاہت کو بدل دیا... ارمینہ کو چھوڑنے کا میرا کبھی ارادہ تھا ہی نہیں۔

وہ مزے سے بول رہا تھا اور وہ اپنے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

تم بہت کمینے ہو ارمش۔ اس بار وہ کھل کر ہنس پڑا تھا...

☆...☆...☆

وہ کئی دفعہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ چکی تھی مگر اسے تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ارمش کی منتظر تھی۔آج اس کی شادی کی پہلی سال گرہ تھی۔اس نے صبح سے بہت محنت کر کے سب کچھ ارینج کیا تھا اور اب اس کی تیاری مکمل تھی۔اس نے سیاہ رنگ کی ساڑی پہنی تھی جس کے پلو پر سرخ رنگ کے بہت نفیس سے پھول کڑھے تھے، بالوں کو ایک طرف سے پن سے روکا ہوا تھا دوسری طرف سے کھلے تھے۔وہ اس وقت تک آجاتا تھا مگر اب تک آیا نہیں تھا وہ کمرے میں ٹہلنے لگی اس نے گاڑی کی آواز پر کھڑکی سے دیکھا، اس کی گاڑی آکر رکی تھی، وہ بھاگتی ہوئی نیچے آگئی۔نیچے بھی سب ارمش کا انتظار کر رہے تھے۔ارحم بھائی، رحمت بھابھی، امل، سرفراز، امی اور بڑے بابا... وہ سب وہاں موجود تھے۔ وہ اندر آیا تو سب نے اس کا استقبال کیا۔

ارے آپ لوگ سب اتنا تیار کیوں ہیں؟ کہیں جانا ہے کیا؟ ارمینہ کا رنگ ایک پل میں پھیکا پڑ گیا۔اب تک چاند سا چمکتا اس کا چہرہ ایک پل میں بجھ گیا تھا۔

میں نے کہا تھا بڑے بابا اسے یاد نہیں ہو گا... وہ دکھ سے بولی تھی۔

ارمش کوئی اپنی شادی کی سال گرہ کیسے بھول سکتا ہے؟ وہ بھی پہلی۔ بابا کے بتانے پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

ارے ایک سال ہو گیا اسے جھیلتے ہوئے اور پتا ہی نہیں چلا بابا۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور اس کے ہاتھ میں اپنا کوٹ تھما دیا۔

یہ اوپر رکھ آؤ پھر کیک کاٹ لیتے ہیں۔ اس نے بڑے مزے سے ارمینہ سے کہا تو وہ پیر پٹختی اوپر چلی گئی۔وہ خود ہی سب سے اجازت لے کر اوپر آگیا، ارمینہ نے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھ لیا تھا۔وہ جانتی تھی وہ سیدھا باتھ روم میں گھس جائے گا اسی لئے وہ اس کے کپڑے نکالنے لگی تھی جب وہ الماری کے دروازے سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

غصے میں ہو یا بلش کر رہی ہو؟ وہ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر بولا تھا۔

مت بولو تم مجھ سے، میں صبح سے اتنی محنت کر رہی ہوں اور ایک تم ہو جسے کچھ یاد ہی نہیں رہتا۔ بولتے بولتے اس کے آنسو بھی بہنا شروع ہو گئے تھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پلیز یار رونا مت... ورنہ... مجھے ہنسی آجاتی ہے۔

تم بہت پتھر دل انسان ہو ارمش۔ تمہیں مجھ پر ذرا ترس نہیں آتا ہے۔ وہ پلٹنے لگی جب اس نے اسے روکا تھا۔اس کی کلائی پر اس نے ایک خوبصورت سابریسلٹ باندھا تھا۔وہ بریسلٹ کو دیکھ کر گنگ سی ہو گئی۔اس پر A کنندہ کیا گیا تھا۔

اب اس A کا مطلب کوئی پوچھے تو کہہ دینا A سے ارمینہ آتا ہے... لیکن میں پوچھوں تو کیا بولو گی تم...؟

A سے ارمش آتا ہے وہ فوراً شرما کر بولی۔

ہاں... اب تھوڑی تھوڑی عقل آتی جا رہی ہے آپ میں۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔

اور اب جب ایک سال میں نے تمہیں ترساتے ہوئے گزار دیا ہے تو آج میں قبول کر ہی لیتا ہوں کہ ...guzel کا مطلب خوبصورت ہی تھا... اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میری بیوی اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے، وہ الگ بات ہے مجھ سے لڑتی ہے، تنگ بھی بہت کرتی ہے... مگر اب کیا کریں؟ محبت... ہے تو ہے۔ ارمش نے اپنائیت سے کہا تو اس نے گردن اٹھا کر ارمش کی جانب دیکھا تھا۔

کیا کہا...؟ اس کے سوال پر ارمش نے جھک کر اس کے ماتھے پر ہلکا سا بوسہ دیا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

محبت ہے تو ہے... تم سے... بے انتہا... بے پناہ... اور بے لوث

Happy Anniversay Mrs. Armeena Armash Raza Ibrahim

یہ اس کی طرف محبت کا پہلا باقاعدہ اظہار تھا ورنہ آج تک وہ اس سے باتوں باتوں میں کچھ کہتا تھا تو ساتھ اس کے آگے کوئی الٹا جملہ ضرور ہوتا تھا... مگر آج اس نے آگے سے کچھ نہیں کہا تھا یہ اس کے جذبوں کی شفافیت تھی، جو اس کی آنکھوں میں ظاہر تھی۔

وہ شخص اس دنیا میں اس کا سب سے اچھا دوست تھا اور سب سے زیادہ لڑنے والا دشمن بھی تھا مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں ایسے گرفتار تھے کہ باقی سب کچھ ثانوی تھا۔قصہ مختصر یہ کہ زندگی کی مشکلیں اور راستوں کی رکاوٹیں اپنی جگہ تھیں مگر ایک دوسرے کے ساتھ نے ان کی مشکلوں کو بہت حد تک آسان کر دیا تھا۔

میں نے کہا تھا تم ایک نہ ایک دن قبول کر ہی لو گی۔ ارمش نے اس کے گرد بازو حائل کر دیئے تھے۔

اگر کوئی مرد کسی عورت سے واقعی محبت کرتا ہے تو پھر اسے اس کے آگے ہارنا ہی پڑتا ہے، ایسے کام نہیں بنتا... خاص طور پر تب جب وہ عورت اس کی بیوی ہو۔

ارمش کے اِس دل چسپ تبصرے پر ارمینہ ہنس دی تھی۔

ارے رکو۔ وہ دراز سے اس کا گفٹ نکال لائی تھی۔

یہ لو وہ اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے کر اسے کھولنے لگا۔اس میں ایک خوبصورت سی گھڑی تھی۔

اب تمہیں گھڑی اتنی پسند تھی تو میں نے یہی لے لی... اور ٹائم دیکھ لو بالکل پرفیکٹ ہے نہ ایک منٹ آگے نہ پیچھے۔ وہ ہنس پڑا تھا اور پھر اس نے گھڑی کو پورے سات منٹ پیچھے کر دیا تھا۔

اب یہ سات منٹ میرے لئے بہت خاص ہیں اور یہ بہت اچھی ہے تھینک یو۔

پہنو تیار ہو اور نیچے آجاؤ... اچھی خاصی دعوت خراب ہو جاتی مگر تم نے سب سنبھال لیا اچھے ہو تم ارمش رضا ابراہیم۔ وہ چہکتے ہوئے کہتی ہوئی پلٹ گئی اور وہ گھڑی ہاتھ میں لئے اسے دیکھتا رہا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے میں کتنا پتھر دل تھا... اور اب کتنا اچھا ہوں... یہ لڑکی کبھی نہیں سدھر سکتی... بالکل اپنے ماموں پر گئی ہے۔

بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتا ہوا وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔اسے تیار ہونا تھا اچھا لگنا تھا... یہ دعوت عام دعوت تو نہیں تھی۔

☆...☆...☆

تالیوں کا شور گونج اٹھا تھا۔وہ اب اپنی نشست سے اٹھ کر اسٹیج کی جانب بڑھنے لگا تھا۔مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر رہی تھی۔رسالپور کے ایک خوبصورت سے کیفے میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔اتنے کہ جگہ اب ختم ہو گئی تھی بچ جانے والے تمام لڑکے کیفے کے ساتھ چلتی دیوار کے ساتھ ٹک کر کھڑے ہو گئے تھے۔رسالپور میں ہلکی ہلکی بارش آج صبح سے تھوڑے تھوڑے وقفے سے جاری تھی وہ اسٹیج پر چڑھا۔اس نے مائیک ایک چیچ کو تصور کر لیا تھا... فضا میں ہنسی گونجی تھی۔

آپ میں سے شاید کوئی بھی میرا اصل نہیں جانتا... اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

لیکن یہاں... اس کیفے کی چھت کے نیچے دو لوگ ایسے ہیں جو میرا اصل جانتے ہیں... مسٹر اینڈ مسز ارمش رضا ابراہیم... اس نے سامنے کی ٹیبل پر بیٹھے ایک خوبصورت سے جوڑے کی طرف اشارہ کیا تھا جن کے ساتھ اب ایک چھوٹا سا بچہ بھی موجود تھا پانچ یا چھے سال کا... وہ کہتا گیا:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دوستوں میں نے آپ لوگوں کے ساتھ پاکستان ایئرفورس اکیڈمی رسالپور میں پورے چار سال گزارے ہیں اور آج ہم سب پاس آؤٹ ہوتے ہیں مگر ان چار سالوں میں کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں... لیکن آج میں آپ سب کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں سڑک پر بڑی بڑی گاڑیوں کے شیشے صاف کر کے پیسے مانگنے والا ایک اسٹریٹ چائلڈ ہوں... پورے کیفے میں اچانک سناٹا چھا گیا تھا ہر آواز اب تھم گئی تھی وہ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

درست ہے یہ کہ میں نے چودہ سال تک اپنی تعلیم یونہی جاری رکھی اور پھر ایک دن تھک کر تعلیم چھوڑ بھی دی... آپ لوگوں کو شاید یقین نہ آئے مگر یہی حقیقت ہے... پھر شاید قدرت کو مجھ پر ترس آگیا اور اللہ نے میری ملاقات ارمش رضا ابراہیم سے کروا دی... وہ کہتے ہوئے مسلسل ٹیبل پر بیٹھے ارمش اور ارمینہ کو دیکھ رہا تھا۔

ارمش بھائی نے مجھ سے پوچھا میرا گھر کہاں ہے؟ میں نے کہا نہیں ہے... تو انہوں نے کہا میں تمہیں گھر لے کر چلتا ہوں... اور پھر یہ مجھے گھر لے آئے... ہیری ہوم... ہم سب لوگ یہاں رسالپور میں رہتے تھے، میس کا کھانا کھاتے تھے اور پھر اپنے اپنے روم میٹس کے خراٹے برداشت کرتے سو بھی جاتے تھے... مگر چھٹیوں میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گھر جانے پر جو سکون حاصل ہوتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں... میرے لئے بھی ہیری ہوم ایسا ہی ہے... ایک گھر...ارمش بھائی میں ہمیشہ آپ کے جیسا بننا چاہتا تھا مگر میں آپ کے جیسا نہیں بن سکتا۔ کبھی نہیں، آپ جیسا کوئی نہیں بن سکتا... اور ارمینہ... تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی پہلی اسپیچ میں تمہارا نام ضرور لوں... تو یہ میری پہلی اسپیچ ہے... وہ الگ بات ہے کہ رسالپور کے اس کیفے میں نقلی مائیک ہاتھ میں تھامے اور ان سب نمونوں کی موجودگی میں ہے... مگر ہے... وہ مسکرایا تھا... اور میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں... تم میرے لئے میری سگی بہن سے بھی بہت بڑھ کر ہو... میری دوست ہو میری سب سے اچھی دوست، میں تمہیں اپنی ماں کی جگہ نہیں دے سکتا کیوں کہ اس کے لیے تم ابھی تھوڑی چھوٹی ہو... کیفے میں ایک بار پھر ہنسی گونجی تھی۔

مگر تم نے میرے لیے جو کیا ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا... دوستوں مجھے پندرہ سال کی عمر میں ایک ایسی بیماری تھی جو کبھی بھی میری جان لے سکتی تھی... مگر یہ ایک لڑکی تھی جسے مجھ پر بھروسہ تھا جو جانتی تھی کہ میں اس بیماری سے لڑ لوں گا... اور میں نے واقعی لڑا بھی۔ان دونوں کی مدد سے اور آج میں یہاں آپ کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بیچ کھڑا ہوں... بالکل صحیح سلامت... پاک فضائیہ کے ایک جوان کی حیثیت سے... یہ کرشمہ سا لگتا ہے۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

دوستوں... تو میں بات کر رہا تھا اصل کی... انسان کا اصل کیا ہوتا ہے کیسا ہوتا ہے؟ بھیانک یا خوبصورت؟ انسان کا اصل وہ نہیں ہوتا جو وہ دکھتا ہے بلکہ وہ ہوتا ہے جو وہ سوچتا ہے اور جو کچھ اس نے برداشت کیا ہوتا ہے... سارا دن دنیا کو اپنا ہنستا ہوا چہرہ دکھا کر جب رات کے اندھیرے میں خود سے نظریں ملاتا ہے ناں... وہ ہوتا ہے انسان کا اصل... اور اگر کوئی آپ کا اصل جان کر بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے، آپ سے منہ نہ موڑے اور آپ کا ہاتھ تھام کر آپ کو زندگی کے راستوں پر چلنا سکھائے... تو پھر ایسے انسان کا ہاتھ کبھی مت چھوڑیئے گا... کیوں کہ ایسے لوگ آپ سے سچی محبت کرتے ہیں... بے لوث اور بے غرض...

ایک اسٹریٹ چائلڈ سے ایک ایئرفورس پائلٹ تک کی کہانی میں میں نے زندگی سے بہت کچھ سیکھا ہے... مگر زندگی سے زیادہ میں نے ارمش رضا ابراہیم سے سیکھا ہے... میں نے سیکھا ہے کہ لوگوں سے محبت کیسے کی جاتی ہے؟ زندگی کو کارآمد طریقے سے کیسے جیا جاتا ہے؟ مشکلوں سے کیسے لڑا جاتا ہے؟ So Mr. Armesh Raza Ibrahim Thank you very much... یہ الفاظ ناکافی ہیں میں جانتا ہوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مگر پھر بھی مجھے کچھ سے کچھ بنانے کے لئے شکریہ... اور ایک وعدہ کر رہا ہوں آپ سے... آج کے بعد... میں کبھی نہیں روؤں گا...

وہ اسٹیج سے اترنے لگا تھا اور پورے کیفے میں تالیوں اور سیٹوں کی گونج تھی... اور ارمش اور ارمینہ اسی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ ارمینہ نے ارمش کی جانب دیکھا۔وہ رو رہا تھا اس نے آج زندگی میں پہلی بار ارمش کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔گردن جھکائے نم آنکھوں سے وہ مسکرا بھی رہا تھا۔وہ خوشی تھی یا غم سکھ تھا، یا دکھ فرق کرنا مشکل تھا اور فرق کرنا ضروری بھی نہیں تھا۔

اور تم مجھ سے کہتے تھے یہ کمزور دل کا لڑکا ہے اسے کوئی ایسی فیلڈ لینی چاہیے جس میں زیادہ ہمت نہ جتانی پڑے۔ وہ روتے ہوئے ہنس پڑا اور اپنے آنسو پونچھ رہا تھا... اتنے میں عمر اسٹیج سے اتر کر ان تک آگیا تھا۔ارمش نے کھڑے ہو کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

Sword of Heroes لے کر پاکستان ایئرفورس اکیڈمی سے پاس آئوٹ ہونے والا عمر یاور اس کے قد کے برابر تھا۔

ہمیشہ میں تمہیں رلاتا تھا آج تم نے مجھے رلا دیا۔ عمر نے آج ایک بھی آنسو نہیں بہایا تھا وہ بڑا ہو گیا تھا۔

آپ نے ہی تو کہا تھا کہ لڑکیوں کو رونے والے مرد پسند نہیں آتے۔ اس کے بے ساختہ جملے پر وہ دونوں ہی ہنس پڑے تھے۔پھر وہ ارمینہ کی جانب مڑا تھا۔

اب تو خوش ہو ناں تم؟

ہاں اس نے پوری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

وہ لوگ کیفے سے باہر آرہے تھے۔عمر سمیت وہ سب لوگ کراچی واپس جا رہے تھے وہ سب آپس میں مل رہے تھے۔چہروں پر لازوال سی مسکراہٹ لئے۔ارمش نے بھی اپنا سفر جاری رکھا تھا اس نے ہیری ہوم کے بعد ایک فلاحی ہسپتال بھی قائم کیا تھا اور ایک اسکول اس وقت اپنے تعمیری مراحل میں تھا۔وہ پاکستان کے سب سے کامیاب اور قابل بزنس مین میں سے چھٹے نمبر پر تھا اور اس کی کمپنی سب سے کم عرصے میں آسمان کی بلندیوں پر پہنچنے والی دس بہترین کمپنیوں میں شامل تھی۔سفر کہاں رکا کرتا ہے؟ یہ جاری رہتا ہے اور سفر اب بھی جاری تھا۔

وہ لوگ باہر آئے تو اکیڈمی کی عمارت کے اوپر لگا جھنڈا اپنی پوری شان سے لہرا رہا تھا... ارمش نے اس جھنڈے کو دیکھا تو اسے سرفراز محمود بہت یاد آئے۔انہیں اس دنیا سے گزرے دو سال گزر چکے تھے مگر ارمش کو ان کی ایک ایک بات آج بھی یاد تھی۔

آپ نے ٹھیک کہا تھا انکل... بس یہی دو رنگ سب سے محبوب ہونے چاہئیں... محبت کے دو رنگ... سبز اور سفید... کیوں کہ یہ دو رنگ ہیں تو ہم ہیں یہ دو رنگ نہیں تو کچھ بھی نہیں... ایک گہری سانس لے کر وہ ارمینہ اور عمر کے پیچھے چل پڑا تھا۔اسے ان دو رنگوں کی اہمیت... آج سمجھ آئی تھی!

ختم شد...!